U67894 8-12-07

Title - WAQEYAAT-E-ANEES.

Creator - Mehdi Hasan Ahsan Lucknavi

Publisher - Urdu Publishers (Lucknow).

Date - 1975

Pages - 240

Subjects - Anees - Sawaneh; Anees - Tanqeed.

سفوف مسیحا دافع جریان و مقوی اعضا

چونکہ عوام جریان سے واقف نہین ہوتے اسلیے ہمکو یہ بتانا ضرور ہی کہ جریان کیا چیز ہی اور اس علامتے ہوتے ہین تاکہ جن حضرات کو یہ مرض بیہودہ اس سے آگاہ ہوکر اور اپنی جان پر رحم فرماکر ایک بکس سفوف مسیحا استعمال کرین جریان کو عربی مین سیلان منی اور ہندی مین پرمیو۔ پرسوت اور دھات بہنا کہتے ہین جو ہر نفیس ہی جب غذا اعضا مین تقسیم ہوجاتی ہی تو اُسکا فضلہ عروق سے ٹپک کر تیار ہوجاتا ہی اور مشہور خون سے ایک بوند بنتی ہی جسکو انسان کا جوہر (ست) کہنا زیبا ہی کیونکہ یہی تمام طاقتون خصوصاً اعضاے رئیسہ کا قوت دینے والا ہی بعض ناعاقبت اندیش ایسے اعلے جوہر کو صدہا قسم کے بیہودہ۔ قابل شرم حرکات سے جسم اور جان کو ہلاکت مین ڈالتے ہین جس سے تمام عمر کف افسوس ملنے کے سوا اولاد سے بھی محروم رہتے ہین مرض کے شروع ہوتے ہی سفوف مسیحا کا استعمال کرنا چاہیے تاکہ فوراً اس موذی مرض سے نجات ملجائے۔ علامات ذیل ہین۔ بعد پیشاب اور کبھی قبل یا حالت قبض مین منی کا خارج ہونا۔ منی کا پتلا ہوجانا علامت جریان سوزش۔ باربار پیشاب کا ہونا کمی لذت۔ خواہش ہوکر فوراً زائل ہوجانا منی کا رقیق ہونا۔ درد کمر پنڈلیون اولاد نہونا یا کمزور پیدا ہونا۔ پنڈلیونکا اینٹھنا۔ دوران سر سستی کاہلی نیند کی کمی غرضکہ بڑھتے بڑھتے سخت نوبت مرگی لقوہ۔ فالج گٹھیا تپ شدید وغیرہ لاحق ہوکر جان پر بنجاتی ہی۔ ہمنے بغرض رفاہ عام یہ سفوف جڑی بوٹیون سے تیار کیا ہی معدنیات سے بالکل پاک ہی جس سے بجز فائدہ کچھ اندیشہ نقصان نہین۔ یہ سفوف جریان کیلیے اکسیر ہی۔ اس سفوف کا کام گردونکا درست کرنا۔ گندہ خون کو صاف کرنا۔ کمزور معدے کو طاقتور بنادینا۔ تمام اعضاے رئیسہ کی خرابیون کو دفع کرنا اور مقوی بنانا اور اپنے منصبی کام کے لیے آمادہ کردینا نامردی ضعف باہ ضعف مثانہ ضعف اعصاب جریان ضعف دماغ ضعف جگر ضعف معدہ۔ ذیابیطس اور اصلاح قلب کیلیے تریاق ہی آٹھ یوم مین قوت مردمی بڑھانا شروع کردیتا ہی اور طاقت جوانی پیدا کرنے کیلیے اکسیر ہی۔ یہ حلق سے اترتے ہی مثانے کی راہ سے اعضاے مخصوص کی رگون کی قوت بڑھاتا ہی اور بڑھاپے کے تمام نقصانات کو دفع کرکے ہر قسم کے جریان کو دور کردیتا ہی۔ یہ سفوف عورتون کے امراض کو بھی نہایت مفید ہی۔ مرد و عورت دونون کی خرابیون کو دور کرکے قابل اولاد پیدا بنادیتا ہی۔ لطف یہ ہی کہ اسکے استعمال کیلیے نہ تو کسی موسم کی قید ہی نہ زیادہ پرہیز قیمت فی بکس (۳۰ خوراک) ا سکہ ر۔ پرچہ ترکیب استعمال ہمراہ بکس کے روانہ

المشتہر سجاد حسین عطار مالک کارخانہ معین العلاج متعلق ادویہ یونانی جنرل مرچنٹ

انتساب کتاب

یہ ایک حل طلب مسئلہ ہو کہ آیا کتاب کس شخص کے نام سے معنون کیا جاے اور کون شخص اسکا اہل ہے مین نے جہانتک خیال کیا مصنفین حال نے لفظ معنون کو محل صحیح پر استعمال نہین فرمایا اور اکثر خوشامدانہ طریق پر ایسے دولتمندون کے نام سے کتابین معنون کی گئین کہ جن مین مطالب و مسائل کتاب سمجھنے کی قابلیت نہ تھی غالباً مصنفین کو اس عمل پر رسم و رواج نے مجبور کیا ہوگا کیونکہ مصنفین متقدمین نے بھی اپنی کتابون کے عنوان سلاطین کی مدح سرائی سے مزین فرمائے ہین یہ بھی ایک طریقہ قدیمانہ ڈیڈیکیٹ کا ثابت ہوتا ہو لیکن کتب تاریخ کا مطالعہ فرمانے والونمین کوئی شخص مشکل سے کہہ سکے گا کہ ان ممدوحون مین قابلیت قدردانی اہل علم نہ تھی یا وہ خود اہل علم نہ تھے اس موقع پر کم از کم اگر سلاطین مغلیہ ماضیہ کا ذکر اور اسکے ادوار کا سلسلہ چھیڑا جائے تو ہمارا مضمون مقاصد اصلی سے بہت دور ہوجائیگا چونکہ رسم ورواج کا لفظ ہمارے قلم سے نکل گیا ہو اب اسی کی بابت کچھ ذکر کرکے اصل مدعا کیجانب رجوع ہوتے ہین یہ وہ قانون مستحکم ہے جسکو مذہب کے پکے علما بھی نہ توڑ سکے اور رسم ورواج کی پھانسی کے پھندے کے آگے جہلاے قوم کے ساتھ اکابر قوم نے بھی اپنی گردن جھکادی ہو بس یہی سلسلہ کتابون مین دیکھکر مصنفین حال تقلید پر مجبور ہوگئے اور اتباع کرنا پڑا لیکن اس معاملے مین کوئی ذاتی فیصلہ نہ ہوسکا ایک سبب قوی اور بھی معلوم ہوتا ہو کہ اہل قلم کو مالی منفعت کی دل خوش آرزون نے اس بات پر مجبور کیا ہوگا کہ وہ زرین خطاب والون کے نام نامی سے اپنی تصنیفات کو

منسوب کرین اور یہ انتساب ایک غرضمندانہ حیثیت سے ہوتا ہے اور آخر کار غرض نہ پوری ہونے کی وجہ سے شاعر کو جن کا ہشون کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ نہایت مکلف دموذی ہین۔ ایثار و کرم کا جھوٹا وعدہ کرنے والون کے ہاتھ اپنے جوہر کمال کو فروخت کرنا فردوسی طوسی کیطرح عہد شکنی کی تکلیفون کا شکار ہونا ہے۔ اہل قلم کے لیے بہ نسبت صلے کے داد کلام ایک گرانقدر چیز ہے جب یہ امر مسلم ہے تو پہلے دیکھ لینا چاہیے کہ معنون الیہ کس لیاقت کا آدمی ہے مجھے بھی اپنی کتاب کے معنون کرنیکے لیے ایک قابل رشک زندگی والے ہیرو کی ضرورت تھی لہذا مین نے ایسے شخص کو انتخاب کیا جو ہندوستان کے لیے مایۂ فخر و ناز ہے اور اُسنے اپنے کریمانہ اخلاق سے میری درخواست منظور فرمائی۔ اب مین اُس مقدس نام کو ذیل کی عقیدتمندانہ سرخی سے ظاہر کرتا ہون۔

(مین اپنی اس ناچیز تالیف کو عالیجناب حامد علیخان بہادر بیرسٹرایٹ لا کے نام نامی سے معنون کرتا ہون)

انکے خاندانی حالات شمس التواریخ سے اظہر من الشمس ہین ترقی ذاتی اور نام آوری کا راستہ حامد علیخان صاحب نے نہایت خاموشی سے طے کیا ہے اور قوم کے ساتھ سلوک کرنے مین جو امتیاز و افتخار حاصل کیے ہین حامد علیخان اُسپر پردہ ڈالتے ہین مشرق سے مغرب تک اُنکی حاصل کی ہوئی عزتون کی فہرست مطول سے چند اعزاز کا بیان کردینا اسوجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انتساب کتاب کے حقوق واضح ہو جائین۔

لندن مین حامد علیخانصاحب کے اُستاد

پروفیسر ہارٹلی صاحب [1] | مسٹر رل صاحب [1]

اے جی ڈبلو گب صاحب ۔ حامد علیخانصاحب فرماتے تھے کہ انسے مجھے فیض پہنچا ہے اور مین انکا ممنون احسان ہون ۔

حامد علیخانصاحب کے مختلف مضامین علمیہ سے لندن کے مفصلہ ذیل

اخبار مالا مال ہین

لندن ڈیلی نیوز | لندن ٹیلی گراف

لندن کرانیکل | لندن گلوب

حامد علیخانصاحب انگریزی اور اردو علم ادب مین بہت سی کتابون کے مصنف ہین نثر و نظم انگریزی و اردو مین انکا پایہ نہایت بلند ہے اِنکے مضامین و تصنیفات کی قدردانی لندن کے مشہور اہل علم نے کی ہے ۔

لندن مین حامد علیخانصاحب کی سوسائٹی

مسٹر گلیڈسٹون صاحب [1] | مسٹر فاسٹ صاحب [2]

لارڈ نارتھ بروک صاحب [3] | لارڈ کیمبرلی صاحب

لارڈ ڈاربی صاحب | مسٹر ڈبلو۔ ایس کین صاحب ممبر پارلیمنٹ

لارڈ ہاؤٹن صاحب | لارڈ ہپ ہاؤس صاحب

لارڈ اسٹریٹ نیر صاحب | لارڈ نیپیر آف مگڈالا

[1] وزیر اعظم دولت برطانیہ ۔ [2] انگلستان کے مشہور و معروف اہل علم [3] سابق گورنر جنرل صاحب ہندوستان

لارڈ لارنس صاحب[1] | مسز گوڈال صاحبہ

سر جارج لارنس صاحب | ڈبلو اے ہنٹر صاحب[3]

مسز پریڈ صاحبہ[2] | مسٹر جسٹس میکارتھی صاحب[4]

ڈاکٹر کارل بلینڈ صاحب | مسز ہین کاک صاحبہ

مسٹر بازول اسمتھ صاحب | مسٹر ہنری ولکم صاحب

بیرونس برڈٹ صاحبہ | لیڈی ملر آف گلینلی صاحبہ

ڈاکٹر ہنڈی صاحب | سر ولیم میور صاحب[5]

آنرابیل ایچ اے ڈرمنڈ صاحب | سر رابرٹ مونٹ گمری صاحب

مسٹر ڈبلو۔ اے۔ فریلینڈ صاحب | مسٹر ہاٹسن بریٹ صاحب

مسٹر صدرلین ایڈورڈ صاحب | ڈاکٹر اسی فورڈ بروک صاحب

مسٹر رزیٹی صاحب شاعر | لارڈ اسٹینلی آف آرڈرلی صاحب

ہندوستان مین حامد علیخانصاحب کی عزت و ہر دلعزیزی کا ذکر تحصیل حاصل ہی صرف دو واقعے جن پر خود حامد علیخانصاحب کو فخر ہی وہ درج ذیل ہین۔ سیدنا و مولانا قبلہ و کعبہ مولوی حامد حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ کا کم از کم مہینے مین دو مرتبہ حامد علیخانصاحب کے مکان پر ملنے کو آنا۔ اور جناب نفیس اعلی اللہ مقامہ کا بھری مجلس مین یہ فرمانا کہ مجلس مین آپکا تشریف رکھنا مین اوکلام کیلیے دو ہزار آدمیونکے مقابل جانتا ہون۔

---

[1] گورنر جنرل ہندوستان۔ [2] مقنن رومن لاو ممبر پارلیمنٹ۔ [3] مشہور ناولسٹ۔ [4] مشہور و معروف شاعر و ادیب ممبر پارلیمنٹ جنسے اسوقت تک رسم مراسلت جاری ہی۔ [5] لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی۔ [6] انھون نے وقت مرگ وصیت کی کہ مین مسلمان ہون اور اہل اسلام کے اصول پر انکا جنازہ اُٹھایا گیا۔

سید مہدی حسن احسن

نحمدہٗ ونصلے علےٰ رسولہ الکریم

حاصلِ عمرِ نثارِ رہِ یارے کردم
شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

اہلِ قلم ہون یا اہلِ صیف جب اُنکی آنکھین بند ہوگئین اور موت نے اُنکے قویٰ بیکار کر دیے تو افرادِ انسانی سے بہت سے خدا کے بندے پیدا ہوگئے جنھون نے اُنکے کارہاے نمایان کو ضائع نہ جانے دیا اور اپنے مبارک ہاتھ اُنکے کمالون کی اشاعت مین مصروف کر دیے تاکہ اُنکے بعد آنے والی نسلون مین بزرگانِ قوم کی حیرت انگیز ترقیان پوشیدہ نہ رہین۔ یہ طریقہ مغربی اہلِ قلم مین عموماً اور ایشیائی تعلیم یافتاؤن مین خصوصاً پایا جاتا ہے اور اسی بنیاد پر مغرب کے کاملون کی فہرست ایشیا کے اہلِ کمال سے زیادہ لمبی چوڑی نظر آتی ہے۔ مغرب مین کسی کامل الفن کی سوانح عمری لکھنے کا طریقہ موجودہ نسل کی ترقی کا سبب سمجھا جاتا ہے اور ایشیائی شاعر اپنے ہمعصر اہلِ کمال کی موت پر صرف افسوس

ظاہر کرنے کے بعد بالکل خاموش ہو جاتے ہین یا تاریخ وفات کا ایک مصرعہ لکھکر اپنے فرائض سے سبکدوشی حاصل کر لیتے ہین یہی وجہ ہے کہ اہل کمال کے کمالات کی تصویرین دھندلی ہوتے ہوتے بالکل بے آب و رنگ ہو جاتی ہین اور تھوڑے ہی زمانے کے بعد صفحۂ ہستی پر محض ایک سادہ ورق رہجاتا ہے جسطرح دریا کی طوفانی موجین ایک دوسرے کا نشان مٹاتی چلی جاتی ہین اُسی طرح انقلاب زمانہ مشاہیر ہند کے نام و نشان مٹا رہا ہے۔ ہماری قوم کی کم ہمتی اور کوتاہ قلمی سے کسی کامل کی تاریخ دستیاب نہین ہو سکتی جو متوفی کے حالات پر پوری روشنی ڈال سکے بزرگان قوم اور صاحبان علوم و فنون کے فنا ہو جانے پر موجودہ نسل اُنکے بقاے دوام کا سلسلہ توڑ دیتی ہے اُسی لگاؤ مین جبکہ مرجانے والے کے غم فراق کا اثر تمام اندرونی قوتون کو جنبش دے رہا ہو قومی ہمدردی کے جذبات کامل سے کام لیا جائے تو تاریخ کے صفحات زرین پر مشاہیر ہند کے نام نامی آفتاب محشر کیطرح جگمگاتے نظر آئینگے اور وہ حیرت انگیز ترقیان جو بقائے عناصر تک محدود ہیں کاغذی دُنیا کی آبادی ہین تا ابدالآباد محفوظ رہ سکتی ہین۔ اہل قلم کی کوششون سے واقعات ماضیہ کی تجدید کچھ دشوار بات نہین ہے۔ حادثات اور سوانح کے یادگار قائم رکھنا ایک ایسا ضروری مسئلہ ہے کہ جب فن کتابت مروج نہ تھا تو سنگین اور قابل قدر واقعات دماغ مین محفوظ کیے جاتے تھے جب قوت حافظہ اُسکی حفاظت کے لیے ناکافی قرار پائی تو فرضی نقوش کی ایک ترکیب مصری یا چینیون نے اختراع کی جس سے اداے مطالب کے لیے مختلف اشکال سے مدد لیجانے لگی۔ اب ہمارے وقت مین کچھ مشکل نہین ہے کہ ہم کسی واقعے کا خاکہ قوت متخیلہ کی

مدد سے اپنے دماغ مین اُتارلین اور پھر ضرورت کے وقت اپنے قلم کی زبردست قوت سے اُسمین تشریح اور توضیح کا رنگ بھردین۔ ایسے اسباب وآلات موجود ہونے پر ہماری کاہلی اور سہل انگاری کچھ نہین کرنے دیتی۔ یہ قوم اسلام کیلیے ایک قابل افسوس بات ہی۔

دُنیا مین اسوقت جسقدر معروف ومشہور آثار واذکار ہین اُن سبکو شرف تاریخی صفحون سے ملا ہے اگر قلم اپنی زبان بند رکھتا اور مورخ خاموش رہتے تو قصر حمرا، وقصر بیضا آثار مصر و دیوار خطا کے عجائبات سے کوئی واقف نہ ہوتا۔ والمک۔ کالیداس شکسپیر۔ ملٹن۔ بیکن۔ ہومر وغیرہ کے کمالون کی مجسم تصویرین تاریخ ہی کے فریم مین جڑی ہوئی ہین اور تاریخ ہی کے آئینہ مین نظر آتی ہین۔ رستم جسکے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہو فقط حکیم ابوالقاسم فردوسی کے زور قلم سے ایک اعجازی قوت کا مالک بنگیا جو ابتک شعرا کے قصائد مدحیہ مین مشبہ بہ کا کام دے رہا ہے۔ مرجانے والون کے کمالون پر گمنامی کا پردہ نہ ڈالو ورنہ امتداد زمانہ اُنکے ساتھ اُن غیر فانی جوہرون کو بھی فنا کردیگا جو وہ اپنے بعد اہل دنیا کے لیے چھوڑ گئے ہین۔ یہ بات نہین ہے کہ مغرب ہی کی سرزمین کو قدرت کیجانب سے یہ شرف حاصل ہو کہ اُس خاک سے پیدا ہونیوالے جنھون نے اپنے مرکز اصلی کیجانب رجوع ہونیکے بعد اپنے کمالات کے افسانے آب زر سے لکھنے کے لیے چھوڑے ہین۔ ہم کہ سکتے ہین کہ ہندوستان کے مردم خیز خطہ کو بھی یہ فخر بخشا گیا ہے کہ اس خاکِ پاک سے بڑے بڑے مشاہیر عالم آسمان علم وکمال کے آفتاب بنکر چمکے اور آج وہی خاک اُنکی آرامگاہ ہے۔ اس خاک مین وہ بیش بہا جواہر چھپے ہوے ہین

جو کبھی سلاطین با عظمت و شان کے تاج سلطنت کے زیب و زینت تھے اور گلزار عالم مین نسیم سحر کیطرح پژمردہ دلون کی کلیان شگفتہ کر گئے مگر آج وہ خاموش ہین اور قوم اسلام کے طبقۂ آخر کے اہل قلم نے اُنکے حالات زندگی پر گمنامی کا پردہ ڈالدیا ہے محنت کش مزدورون کے پھاوڑے کی ہر ضرب کے ساتھ ہندوستان کے پُرانے کھنڈرون سے کتاب تاریخ کے بوسیدہ ورق نکل آتے ہین جو مکین و مکان کا پتہ بتا رہے ہین مگر کوئی توجہ اُس جانب مائل نہین ہوتی۔

دُنیا کی کوئی بھری سے بھری انجمن ایسی نہو گی جسکو شہر خموشان کے باشندون پر رشک نہ آتا ہو۔ گو وہ خاموش ہین مگر اُنکی خاموشیون مین رنگا رنگ ترانہ سنجیونکا مزا ہے اُنکے قوا آج معطل ہین مگر اُنکی حیرت انگیز ترقیان ابتک اپنا کام کر رہی ہین سطح زمین سے چند ہاتھ نیچے ایسے بہت سے خزانے گڑے ہوے ہین جو اپنے فیضان ہنر سے دُنیا کو مالا مال کر گئے اور آج بھی اُن دفینون پر تاریخ وفات کی مُہرین لگی ہوئی ہین کسی ویران قبرستان کیطرف نکل جاؤ اور کسی تاریخ مزار کا کتبہ پڑھو تو بیساختہ تمھاری زبان سے نکل جائیگا ٥ دوڑ پیچھے کیطرف اے گردش ایام تو ۔ صدیون کا فاصلہ جو سدِّ راہ ہے خیال اُسکو طے کرنیمین کمال سرعت سے کام لیتا ہے آخر علم و ہنر کی اُس دُنیا مین آرزوے ملاقات پوری ہو جاتی ہے جہان اُنکی تصانیف کی زبردست یادگارین امیدوارونکو اپنی جانب بُلا رہی ہین ۔ مقدس مزارونکے سونے والون پر خدا کی رحمت سایہ گستر ہو اُنکی یاد ہمارے دل مین ہمارے جگر مین خون کیطرح دورہ کر رہی ہے ۔ وہ اس قابل ہین کہ اُنکو یاد رکھو اور یاد رکھنے کے لیے بہترین طریق عمل یہ ہے کہ اُنکے واقعات زندگی

اور معلومات علمی کو کاغذی دُنیا کی سیرگاہ بنادو کہ ہمارے بعد آنے والی نسلین بھی اُس سے فائدہ اُٹھائین۔ مخلوقات عالم مین شاعر ایک خاص ہستی ہو اور اُسکا دماغ رنگارنگ خیالات کا خزانہ۔ وہ خدا کی زمین و آسمان کا مالک اپنی شاعری کی دُنیا مین کسی چیز کا محتاج نہین اور اُسکا مستغنی دل کائنات کی بیش بہا جناس کو لُٹا کر افسوس نہین کرتا۔ اجرام فلکی اُسکے تابع موالید ثلثہ اُسکا مصرف نظام عالم اُسکے قلم کی ایک گردش وہ اپنی خواہشین پوری کرنے کو نہ دولتمندون کا دست نگر نہ بادشاہونکا منت کش اُسکے فیاض ہاتھ ہمیشہ علم و ہنر کا خزانہ لُٹانے کو تیار رہتے ہین۔ بادشاہان جلیل القدر کے دربارون کی عظمت و جبروت تو ایک خاص عہد تک محدود رہتی ہے مگر یہ اقلیم کاغذی کے شہنشاہ اپنی زبردست مملکت علم و ہنر کو تا قیام قیامت یادگار چھوڑ جاتے ہین۔

(ویسٹ منسٹر ایبی) جسکی چپہ چپہ زمین پر شاہان لندن کی آرامگاہین بنی ہین اور اُس خاموش آبادی مین بڑے بڑے اہل کمال کا مجمع ہے کسی حصہ مین سلاطین گردش کش و دشمن کش کی انجمن ہے اور کہین تلوار کے وہ دھنی بھی ہین جنکی معرکۃ الآرا نبرد آزمائیون نے روم و شام کے عرصہ مصاف پر لہو کے دریا بہادیے اور پھر موت کی مجبوری نے اُنکو گوشۂ عزلت مین گہری نیند سُلا دیا وہان بھی سب سے زیادہ قابل قدر و تعظیم وہ اہل قلم ہین جنھون نے اپنے علوم کی روشنی سے موجودات عالم پر ایسی غائر نظر ڈالی جس سے فلسفۂ قدرت کے اہم مسائل حل ہوگئے اسلیے شعرا اور مصنفین کے مدفن ادب کی نگاہون سے دیکھے جاتے ہین ہندوستان تو آج اس بات سے بھی مجبور ہے اور مشاہیر ہند کے مقدس مزارونکا کہین

پتہ نہین[سله] چلتا۔ ہم جس عظیم الشان قبرستان کا ذکر اوپر کر آئے ہین وہان بادشاہونکی قبر پر تو کوئی حسن عقیدت سے پھول چڑھانے نہین آتا مگر چارلس ڈکینز کی قبر پر ایسے پھولونکے انبار آج بھی دکھائی دیتے ہین جنکی خوشبو تمام مزارون کو فیض پہونچا رہی ہے اور اب بھی اُسکی ذات سے اُسکے ہمسایہ فائدہ اُٹھاتے ہین۔ یہ ہر نعمت زری بیش بہا جنس کمال کا نتیجہ ہے۔ ٹینیسن اور مکالے اپنی شہرت علمی سے ہنستے بولتے نظر آتے ہین اور بہت سے سلاطین ایسے ہین جنکی شہرت بھی اُنکے اجسام مُردہ کیطرح اُسی چار دیواری مین دفن ہے۔ ملکہ الزبتھ قبرستان کے جس گوشے مین سو رہی ہے اُسی کے قریب اڈیسن بھی خواب راحت مین ہو کوئن بکا اقبال لوح قبر سے ثابت ہو کہ نہ ہو مگر اڈیسن کے تعویذ مزار سے آج بھی علمی شعاعین نکل نکلکر مغرب سے مشرق تک اپنا نور پھیلا رہی ہین۔ نادانون کے خیال مین شاعری فعل عبث اور نظام شاعری سعی لاحاصل ہو مگر اہل علم کے

سله مین لکھنؤ کا رہنے والا ایک مُدت سے سُنتا تھا کہ ناسخ مرحوم کی قبر محلہ ٹکسال مین ہے اور ٹکسال کا محلہ خاص چوک مین واقع ہے ایک روز خیال ہوا کہ اِس مقدس بزرگ کے مزار پر فاتحہ پڑھون ٹکسال مین داخل ہوا۔ ایک کوچہ تنگ و تاریک مین پہونچکر دریافت کیا کہ ناسخ مرحوم کی قبر کہان ہے۔ ایک صاحب نے ایک منہدم چار دیواری کیطرف اشارہ کیا۔ اندر جاکر دیکھا تو ایک کھنڈر تھا اور چند بیل اور بھینسین بندھی ہوئی تھین۔ بیلون کے فضلہ سے مقام نہایت متعفن ہو رہا تھا اور قبر کا نشان زمین دوز ہوکر مٹ گیا تھا ایک شخص گنوار جو یقینی قوم کا اہیر اور اُن بیلون کا مالک تھا اُس سے دریافت کیا کہ کیون بھائی یہان ناسخ کی قبر کس مقام پر ہے اُسنے ایک حصۂ زمین کیجانب ایسا اشارہ کیا جس سے کمال بدمزاجی اور بے اعتنائی پائی جاتی تھی اور زیادہ جرح کی ہمت نہ پڑی اور اُسی اشارہ پر فاتحہ پڑھ دیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اسیطرح ایک مرتبہ دل مین خیال آیا کہ میر تقی میر مرحوم کی قبر (دیکھو صفحہ آیندہ)

نزدیک شاعری اظہارِ علوم وفنون کا آلہ ہے نظم سے انسانی طبیعتون کو گہرا تعلق ہے اور مسائل علمیہ یا جذبات صادقہ کو سلسلہ نظم مین مسلسل کرنے سے ذہن کو ایک خاص لذت ملتی ہے اور وہی لذت قوتِ متخیلہ کو متحرک کرتی ہے اور اسی حرکت سے خیالات مین نشو ونما پیدا ہوتا ہے اور یہی جذبات مضامین علمی کو نظم کے قالب مین ڈہال لیتے ہین اور یہی نظم انسانی شہرت کا ذریعہ ہے اور یہی شہرت بقاے دوام وحیاتِ جاوید کا باعث بنا۔ علیہ ایک زمانے مین میرے پاس متواتر خطوط آئے اور ملک کا تقاضا ہوا کہ مین میر انیس کی سوانح عمری لکھون مگر کہان ہیچمدان احسن اور کہان اِس کار اہم کے فرائض افسانہ نگاری اور واقعات تاریخی مین فرق بیّن ہے تذکرہ یا تاریخ کا جادہ راستی اور راستبازی ہے قصہ اور ناول کا معیار مبالغہ اور صنائع شاعری ہے راوی منصف اور عادل کی قید تصنیف کو رنگینی خیالات اور مضامین آفرینیون سے محروم رکھتے ہین نہ تشبیہ و استعارات کو دخل ہو

(بقیہ صفحۂ گزشتہ) دریافت کرنا چاہیے۔ پُرانے لوگون سے معلوم ہوا کہ میر صاحب کی قبر بھیم کے اکھاڑے پر ہے۔ یہ محلہ عہد شاہی مین بہت مشہور تھا اور اب وہان سواے کھنڈرون کے اور کچھ نہین ہے۔ آغا میر کی ڈیوڑھی سے بیلی گارد کے نیچے نیچے تک اسی محلہ کا سلسلہ گیا ہے راستہ مین ایک بہت پُرانا تکیہ ہے جسکو سیتاپور کی جدید ریلوے لائن نے کاٹ کر قبرون کو متفرق و پاشان کر دیا ہے بیچ مین ایک سڑک گھوڑے گاڑی کے لیے ہے اُسکے اوپر چھتا ہے جسپر سے ریل گزرتی ہے تکیہ کے کئی حصے ہوگئے ہین ایک ریلوے لائن کے بغل مین ہے اور دوسرا اُسکے مقابل مین اور تیسرا مشرق کی جانب کسی قدر فاصلے پر واقع ہے۔ مگر قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت مین یہ ایک ہی تکیہ ہوگا جسکو نئے جغرافیہ نے متفرق کر دیا۔ بہرکیف وہان تک پہونچا مگر مجبور تھا کہ کس سے دریافت کرون۔ اول تو شہر کا غیر آباد حصہ جہان انسان کا گزر بھی اتفاق سے ہو جاتا تھا اور (دیکھو صفحۂ آئندہ)

نہ تصرفِ شاعرانہ کو تعلق آخر کار میری عمر کی اکثر خوشگوار راتین اِس فکر مین بسر ہونے لگین مگر تمام خیالات ایک خواب پریشان کی حیثیت سے رات ہی بھر مین فنا ہو جاتے تھے اور صبح کو اُسکی تعبیر صرف ایک ناکامی کے لفظ سے ملجاتی تھی۔ اور مُدت سے یہ بھی سُن رہا تھا کہ ہندوستان کے چند ایسے مشہور اہل قلم اس کام کا ارادہ کر رہے ہین جو علماً اور عملاً بدرجہا مجھ ہیچمدان سے افضل و برتر ہین مگر ایک زمانۂ دراز تک انتظار کرنے کے بعد چند احباب کی خواہش سے مین نے اس فرض مین ہاتھ ڈالا اور ۱۹۰۵ء مین مقدمۂ کتاب کے چند صفحے رسالۂ مخزن لاہور مین شائع کیے۔ اِس اشاعت سے دو امر مقصود تھے ایک تو یہ کہ میر مرحوم کے حالات سے جو کچھ ملک کے لوگ واقف ہون وہ میری امداد کرین اور دوسرا امر یہ تھا کہ اگر کوئی صاحب اِس کام کو شروع کرنا چاہتے ہون اور کچھ دقتین پیش آئین تو اِس کارِ اہم کو مجھ نالائق کے لیے چھوڑ دین۔ مگر میرے اُس مضمون نے سرو دبستان

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اگر کوئی شخص ملا بھی تو میرے سوال کا جواب نہ دے سکا۔ مین نے تینون قبرستانونکو چھانا گرمی کی فصل اور دوپہر کا وقت تھا لون چل رہی تھی اور یہان میر صاحب کی محبت دلمین اُمنگ پیدا کر رہی تھی مین عالمِ خیال مین پکار رہا تھا میر صاحب بھلا آپ کسی کی سُنتے ہین خدا جانے کس مضمون کی فکر مین ڈوبے ہوے تھے کہ کچھ آواز نہ آئی بےنیل مقصود واپس ہوا کئی سال کے بعد اتفاقیہ اُسطرف گذر ہوا شام کا جھٹ پٹا وقت تھا تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ مین گاڑی پر سوار تھا دہنے بائین دونون جانب بیہڑ میدان اور چند کھیتون کے سوا کچھ نہ معلوم ہوتا تھا۔ داہنی جانب کی بلندی پر جہان اِس قبرستان کا ایک حصہ باقی ہے کسی انسان کی پرچھائین سی معلوم ہوئی مجھ شوریدہ مزاج کو ایسے مقامون سے دلچسپی ہے گاڑی روک لی اُتر پڑا اور ایک ناہموار بلندی کا راستہ طے کر کے ایک قبر کے سرہانے پہونچا تو ایک نیک بخت ضعیفہ کو (دیکھو صفحہ آئندہ)

یادو ہانیدن کا اثر پیدا کیا اور اُن حضرات کو اگر اُس کام مین کچھ غفلت بھی تھی تو گوے سبقت لیجانے کے لیے انہماک پیدا ہو گیا مگر مین بڑے اطمینان سے اپنے کام مین مصروف رہا کیونکہ مجھے بفضلہ تعالےٰ لگمان واثق تھا کہ میری محنت ٹھکانے لگے گی آخر میری کتاب کے شائع ہونے سے پہلے میر انیس کے متعلق دو کتابین دو فاضل اہل قلم کے ہاتھ سے مرتب ہو کر نکلین ایک تو علامہ شبلی جیسے مستعد اہل قلم کے خیالات کا نتیجہ - اور دوسرے جناب اشہری کی فکر عالی کا نمونہ - چونکہ مجھے کتاب کی اشاعت سے فائدہ اُٹھانا مقصود نہ تھا اسلیے میری تحقیقات و تلاش کو ایک معتدبہ زمانہ گذر گیا اور مین نے اپنی زندگی کے خوشگوار ایّام کو میر مرحوم کے نذر کر دیا ؎

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم / شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

الحمد للہ اِن دونون کتابون کے شائع ہونے سے میری کتاب کے مقاصد پر ایک مفید

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اُس قبر پر جھکے ہوے اور حصول مدعا کے لیے دُعاؤن مین مصروف پایا۔ سنّاٹے کے عالم مین ایک پیرزال کا قبرستان مین گذر حیرت ناک واقعہ خیال کر کے بدن کے روئین کھڑے ہو گئے مگر ساتھ ہی یہ بھی یقین ہو گیا کہ آج وہ راز سربستہ کھُلا جاتا ہے۔ دل کڑا کر کے اُس ضعیفہ سے سوال کیا کہ اِس سنّاٹے کے وقت تم اِس قبرستان مین کیا کر رہی ہو اور یہ قبر کس کی ہے جسپر تم جھکی ہوئی ہو وہ بیچاری سہم گئی اور کچھ جواب نہ دیا مگر خدا میرے اُس گناہ کو بخشے کہ مین نے بے ضابطہ دھمکیان دیکر حال دریافت کیا۔ اُس بیچاری غریب عورت نے جواب دیا کہ یہ قبر ایک امیر مورث اعلیٰ کی ہے اور وہ ایک درویش صفت سید تھے۔ میرا باپ جب کبھی کسی مصیبت مین گرفتار ہوتا تھا تو اِس صاحب قبر سے استدعا کرتا تھا اُسی طریق کے موافق مین بھی اپنی مشکلون مین اکثر اِس صاحب قبر سے امداد طلب کرتی ہون۔ مین نے پوچھا اِنکا نام کیا ہے اُسنے کہا نام مین نہین جانتی مگر اتنا (دیکھو صفحہ آیندہ)

اثر پڑا جسکو اہل نظر انشا اللہ بڑی دلچسپی سے ملاحظہ فرمائینگے۔ جناب اشہری اور علامہ شبلی کے تصنیفات کو آپس مین مناسبت ہو اور یہ دونون تصنیفین جدا جدا اپنی شان دکھاتی ہین۔ علامہ شبلی نے میر و مرزا کا موازنہ کیا ہے اور وہ موازنہ کیسا ہو اس سے مجھے کچھ بحث نہین اگر شکایت ہو تو اسیقدر ہے کہ میر انیس کے کلام کا اقتباس اُن زاری مرثیون سے کیا گیا ہے جنکی صحت مین صاحبان تحقیق کو کلام ہو۔ اگر یہ بات دکھائی جائے کہ علامہ شبلی نے میر صاحب کے مرثیون مین کہان کہان تحریف کی ہو تو طول عمل ہے مگر مصرعہ کے مصرعہ غلط ہین۔ اب رہے جناب اشہری وہ اپنی بنیاد خیال مین تحریر فرماتے ہین کہ نہ بذریعہ خطوط نہ ذاتی طور پر مجھے کسی نے میر انیس کے سوانح سے آگاہ کیا تو پھر شاید آسمانی فرشتو نکی امداد سے کتاب کی ترتیب الہامی طور پر کی گئی ہے اگر ایسا تھا اور اُنکو یہ بھی معلوم تھا کہ نالائق احسن اس کام مین مدت سے سرگرم رہا ہے اور باوجود خصوصیات چند اور ذرائع قوی واقعات صادقہ کے بہم پہونچانے مین تعویق ہو رہی ہو تو بس سمجھ لینا چاہیے تھا کہ یہ کام سخت دشوار ہے اور اس خیال سے دستکش ہو جاتے تو کیا اچھا ہوتا کیونکہ اس ناقص تصنیف سے کوئی فائدہ مرتب نہ ہوا۔ اس کتاب مین سوانح اسیقدر غلط ہین کہ واقعات اصلی سے بہت دُور جا پڑے ہین۔ یہ معلوم ہوتا ہو کہ مصنف نے میر انیس کا ایک خیالی کیرکٹر اپنے ذہن مین قائم کر کے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) جانتی ہون کہ اگلے زمانے مین ایک مشہور شاعر تھے۔ اہا کیا خوشی کی بات تھی۔ مجھ پر ایک عالم وجد طاری تھا اور اُس بیخودی مین بکمال عقیدت سر قبر پر فاتحہ کو جھکا عورت نے اپنا راستہ پکڑا گاڑی والا چلا چلا کر پکار رہا تھا۔ اُس کی یہہ آواز سے ہشیار ہوا تو موقع نکل گیا تھا مین نے تو اپنے دل سے اُس مزار کو میر مرحوم کا مزار مقدس طے کر لیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ لاش بے کفن اسد خستہ جان کی ہے ❊ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

اُسپر طبع آزمائی کی ہے نہ کسی جگہہ راویان ثقات کا حوالہ ہو نہ کسی مقام پر تحقیقات کی
اہمیت پائی جاتی ہو۔ ایک افسانہ کے طور پر من گڑھت میر انیس کے حالات لکھنے
مین سبادرت فرمائی ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہو کہ میر انیس ساہیرو اِس کشمکش
مین ڈالا گیا ہے کہ لوگون کو میر انیس کا کیرکٹر سمجھنے مین مختلف خیالات پیدا ہو جاتے
ہین جناب اشہری کے صرف بتیس ۳۲ صفحہ چھپکر اسوقت تک کسی ذریعے سے میرے
پاس پہونچگئے ہین مگر ان بتیس ۳۲ صفحوں مین افسانہ نگاری کی رنگ آمیزیان اپنی جھلک
دکھا رہی ہین۔ اب ہم اُسکا انتخاب بھی ناظرین کی خدمت مین پیش کیے دیتے ہین۔

صفحہ (۸) مین میر انیس مرحوم کا شجرہ ہے میر انیس کی اولاد ذکور مین ایک صاحبزادے
کا نام میر جلیس تحریر فرماتے ہین۔ کسقدر تعجب خیز بات ہو اور کسقدر حیرت انگیز تحقیقات
ہو۔ میر ابو محمد صاحب جلیس میر انیس کے پوتے اور میر محمد صاحب سلیس کے صاحبزادے
ہین۔ اُنکی جگہہ پر میر محمد عسکری رئیس مرحوم کا نام داخل کرنا چاہیے علاوہ برین بہت سے
اخلاف کا نام شجرے مین چھوڑ دیا گیا ہو تو پھر ایسی صورت مین شجرے سے کیا فائدہ
پہونچ سکتا ہو کیونکہ شجرہ ناقص ہے میرے نزدیک ایسی ناتمام چیز لکھنے کی ضرورت
نہ تھی اور مین بھی کچھ ضرورت نہین دیکھتا کہ اُس شجرے کو اپنی کتاب مین صحیح کرون
باوجودیکہ یہ ممکن ہے مگر یہ بات میر انیس کے ذاتی کمال مین کوئی نقصان نہین پہونچاتی
ہو۔ تاریخی واقعات مین کسی چیز کا چھوڑ دینا یا ناتمام رکھنا بہتر ہے مگر اپنی جانب سے
کوئی نئی اونچ اونچ بنانا یہ بات مورخ کی شان کے خلاف ہو۔

صفحہ ۹ سے ۱۰ تک میر انیس کے اجداد کے حالات ہین۔ اُن ورقونکو مین
یک لخت اُلٹے دیتا ہون۔ اُن حالات کی نسبت مین صحت یا غیر صحت سے کچھ بحث

نہ کرونگا کیونکہ یہ بات میری کتاب حل کر دے گی۔

صفحہ (۱۹) مین فرماتے ہین کہ میر انیس پندرہ سولہ برس کی عمر مین لکھنؤ تشریف لائے۔ ان اقوال کو جادۂ تحقیق سے کسقدر مغائرت ہی۔ میر صاحب جب لکھنؤ تشریف لائے تو صاحب اولاد تھے۔ میر نفیس مرحوم اور اُنکی دو بہنون کی پیدایش فیض آباد مین ہوئی ہے۔ ظاہر ہی کہ جو شخص تین بچونکا باپ ہو اُسکی عمر پندرہ سولہ برس کی کیونکر ہوسکتی تھی۔

اسی صفحہ ۱۹ مین فرماتے ہین کہ شفیق باپ نے انیس تخلص رکھا۔ باوجودیکہ یہ تخلص ناسخ مرحوم کا رکھا ہوا ہی اور اِس تخلص کی بابت میری کتاب مین پوری تفصیل لکھی ہوئی ہی۔ سوانح عمری لکھنے مین اسقدر دلیری اور آزادی بھی قابل تعریف ہی

صفحہ (۲۷) مین میر انیس کی تہذیب اور تربیت کے لیے لکھنؤ جولانگاہ مقرر فرمایا ہی۔ میر انیس کی شاعری نے لکھنؤ پہونچکر شہرت حاصل کی۔ اِسمین تو کسی کو کلام نہوگا مگر اُنکی تربیت کے لیے لکھنؤ جولانگاہ نہ تھا یہ معمہ اب ہمسے سُنیے۔ میر انیس کے بزرگونکا سلسلۂ ملازمت خاندان بہو بیگم صاحبہ سے برسون رہا ہی اور لکھنؤ مین یہی خاندان سالار جنگ کی زبان اُردو کا معیار مانی جاتی ہے فیض آباد مین محاورہ زبان و اصطلاحات و ضرب المثل وغیرہ کا ایک دفتر تھا جسکے میر منشی میر انیس کے جد امجد اور اُنکے بعد والد ماجد ہے ہین یعنی جب کوئی محاورہ اُردو کا محلات سے نیا تراش کر نکالا جاتا تھا تو اُس نصاب مین قلمبند ہوتا تھا کہ جسکے سردفتری کی خدمت خاندان میر انیس کے متعلق تھی اسوجہ سے اُنکی تربیت و تہذیب کا معیار فیض آباد ہی مین قائم ہوچکا تھا اہل لکھنؤ کو اُنکی زبان سے فیض پہونچا ہی۔ ایک اور استدلال بھی قابل تحریر ہی یعنی میر انیس مرحوم کہ

مجمع عام مین ہر شخص نے یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ یہ میری اپنی زبان ہو حضرات لکھنؤ یون نہین تحریر فرماتے یہ فخر انکو اُس دفتر کی بدولت حاصل ہوا تھا - اہل دہلی میر انیس کے اس قول سے انکی زبان و محاورہ کا انتساب دہلی سے کرتے ہین مگر یہ فقط دل خوش کن باتین ہین واقفان راز اسکو خوب جانتے ہین -

صفحہ (۲۵) مین میر انیس کے حلیہ مین بھی تحقیق کامل سے کام نہین لیا گیا ہے ان مقاصد کو میری کتاب واضح کر دیگی - اسی صفحہ ۲۵ مین فرماتے ہین میر انیس جسدن سے لکھنؤ تشریف لائے بغیر پینس کے کہین گھر سے باہر نہین نکلے -

گویا ایک طور پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ میر انیس پیدل چلنے سے معذور تھے اور اس بات سے ایک صحیح و تندرست انسان کی صحت و خصائل کو نقصان پہونچایا گیا ہو میر صاحب اکثر تفریحاً پیدل نکلتے تھے اور اپنے مکان سے راقم کے مکان تک اکثر والد مرحوم کے ہمراہ تشریف لائے ہین اور قریب کی مجلسون مین بھی اکثر پیدل تشریف لاتے تھے -

صفحہ (۲۶) مین میر انیس مرحوم کی پنجگوشیہ ٹوپی کی بابت یہ فقرہ لکھا ہو - ٹوپی کی خوبصورتی سے لگانے مین انکو بڑی دلچسپی تھی جب وہ کہین تشریف لیجاتے تو نو نو پیر چڑھی ہوئی آٹھ دس ٹوپیان حاضر کیجاتین وہ جسکو پسند فرماتے اُسکو سر پر رکھتے اور آئینہ سامنے رکھکر اُسکو بار بار درست فرماتے جب تک وہ صحیح موزونیت حاصل نہ کرتے اس شغل سے باز نہ آتے - بازمرتبہ ایک ایک گھنٹہ ٹوپیون کے تبدیل بدل مین صرف ہو جاتا -

اس عبارت کی عجب منطق ہے جو میری سمجھ مین نہین آتی کیونکہ بجید مبالغہ کیا گیا ہے

اول تو گولون پر ٹوپیان چڑھی ہوئی ہوتی تھین یہ عجب مضمون ہے کہ گوشہ ٹوپی قالب پر چڑھائی جاتی ہو اور قالب ہی پر رہتی ہے البتہ جیسے مہاجنون کی پگڑیان گولونپر چڑھائی جاتی ہین۔ میرانیس مرحوم کی تہذیب اور متانت کا یہ مقتضا نہین ہو اور نہ وہ ایسے بیکار آدمی تھے جو ایک ایک گھنٹہ ٹوپیون کے تغیر و تبدل مین صرف کرتے تھے۔ یہ نقل عجب مضحکہ ہے اور ایک مجنون آدمی کا کیرکٹر دکھایا گیا ہے اور اس خود آرائی مین مبالغہ شاعرانہ صرف کیا گیا ہو واللہ کہ میرانیس کو عجیب المخلوقات ثابت کرنے مین جناب اشہری کا قلم نہایت آزاد ہے۔

اسی صفحہ ۲۶ مین فرماتے ہین کہ کبھی گول پردے کا انگرکھا زیب جسم فرماتے تھے۔ ہرگز نہین میرانیس کے لباس کے متعلق راقم آثم نے تحقیق طور پر لکھدیا ہے جو آیندہ اوراق مین ملاحظہ سے گزرے گا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ حلم کی جنتری کی تصویر جناب اشہری نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے۔

صفحہ ۲۷ مین فرماتے ہین کہ میر خلیق خاص خاص مجلسون مین میرانیس کو بھی ساتھ لیجاتے تھے۔ یہ قریب منبر کے بیٹھتے اور ختم مجلس تک اسی شان سے بیٹھے رہتے زانو بدلنا کیسا کوئی عضو بھی حرکت نہ کرتا۔

مولوی صاحب کے نزدیک میر مرحوم کا یہی انداز ہردلعزیزی اور وقار کا باعث تھا لیکن درحقیقت اس انداز مین بیحد خشونت پائی جاتی ہو اور ایک غبی شخص کا کیرکٹر دکھایا گیا ہو گویا میرانیس جذبات شاعری سے متاثر نہ ہوتے تھے اور ایک پتھر کے اسٹیچو کیطرح مجلس مین بیٹھتے تھے کہ زانو بدلنا کیسا پلک بھی نہ جھپکنے پاتی تھی۔ یہ پوزیشن بالکل شاعرانہ پھبتیون کے خلاف ہو اور ایک خشک مزاج جاہل کی تصویر کھینچی گئی ہے

اِن ۳۳ تینتیس صفحون پر نظر ڈالنے کے بعد اب ہم اپنی کتاب کے مقاصد کی جانب رجوع ہوتے ہین۔

آخر یہ خیال پیدا ہوا کہ وقت غنیمت ہے اور وسائل قوی۔ کیا خبر تھی کہ یہ متبرک فرض مجھ ہیچمدان سے متعلق ہوگا ورنہ ایک زمانے مین ایسا موقع حاصل تھا کہ اگر مین چاہتا تو ایک کافی مواد اپنی اس تصنیف کے متعلق جمع کر لیتا کیونکہ بارہ تیرہ سال کی عمر سے بائیس سال کی عمر تک مین نے کتب درسیہ عربیہ کا اکتساب جناب نفیس اعلے اللہ مقامہ سے کیا ہے اور دس بارہ سال کی حاضر باشی کچھ کم نہین ہوتی مگر اللہ اللہ وہ وقت ہی اور تھا اور عالم ہی نرالا تھا۔ ایام شباب کی بیچینیان کسی پہلو قرار نہین لینے دیتی تھین ایک دل تھا اور ہزارون تمنائین ایک سر تھا اور ہزارون سودے کبھی دلفریب حسن کی تعریف مین رطب اللسانی اور کبھی جذبات عشق کے اظہار مین شیرین زبانی وقت کا تیز پرواز پرندہ معمولی سرعت کے ساتھ ہر روز مشرق سے مغرب کیجانب چلا جاتا تھا اور یہان عالم بیخودی کے مسافر کو ہوش بھی نہ آتا تھا ؎

آہ کیا عذر گنہ کیجیے آہون کے سوا + عمر بھر ہمنے کیا کیا ہے گناہون کے سوا

الحمد للہ علے احسانہٖ اُستاد مرحوم کی صحبت مین سُنی سُنائی باتون کا ذخیرہ اب بھی میرے دماغ مین محفوظ ہے جس سے عندالضرورت کام لونگا۔ مزید بران فقیر احسن کے بزرگون کو اس خاندانِ بزرگ سے قدیمانہ ارادت ہے اور میرے زمانے مین رشتہ مصاہرت کے رسم جدید نے اُن خصوصیتون مین اور بھی ایک کافی اضافہ کر دیا لہذا حقوق ذاتی پر نظر کر کے اخی المعظم جناب عارف مدظلہ اور مخدوم و مکرم جناب پیارے صاحب قبلہ رشید کی خدمت مین حاضر ہوا اور ان صاحبون نے امداد فرمائی۔ اسکے علاوہ بھی مین نے

دُنیا کی خاک چھانکر اِس تحقیقات مین جو وسعت پیدا کی ہے انشاء اللہ وہ حیرت انگیز نظرون سے دیکھی جائیگی۔ واقعی یہ میرے سوا اورون کا کام نہ تھا اور نہ اُن کے وسائل اسقدر قوی تھے اب یہ بات ظاہر کردینے کے قابل ہو کہ سوانح عمری قلمبند کرنے مین مہتم بالشان واقعات کا بیان مقصود ہوتا ہے اور معمولی حالات زندگی علے السبیل تذکرہ لکھدیئے جاتے ہین کیونکہ معمولی حالات پر زور دینے سے لائف دلچسپ نہین بنائی جاسکتی اور ایسے ہیرو کی لائف مدوّن کرنے مین مولف کو زیادہ کامیابی ہوتی ہے کہ جسکی ابتدائی زندگی سے فسانہ خیز واقعات کا سلسلہ شروع ہوگیا ہو۔ دیکھو نیپولین بوناپارٹس لائف جب اِس فرانس کے مشہور فاتح بادشاہ کا دبدبۂ شاہی پردۂ عدم مین تھا اور اُسکی شہرت کے معشوق دلفریب کے عارض پر شفق نقاب پڑی ہوئی تھی جب ہی سے حسن شہرت اندر ہی اندر اپنی جھلکیان دکھانے لگا ہم اُسکی ابتدائی عمر کا ایک دلچسپ واقعہ یہان پر بیان کرنے کے قابل سمجھتے ہین اور ایسے نقلین اسکی بایوگرفی مین بیشتر پائے جاتے ہین آٹھ سال کی عمر مین وہ اپنے مدرسے کے ہم جماعت لڑکوں کے دو گروہ بناتا تھا اور آپس مین ایک دوسرے کے مخالف بنکر جنگ شروع کرتے تھے۔ ایک روز وہ بازیچۂ اطفال کے مصنوعی اور فرضی قلعہ پر دھاوا کر رہا تھا اور خود ایک گروہ کا کمانڈر تھا۔ اُسکے ایک ماتحت لڑکے نے تعمیل حکم مین غفلت کی نیپولین نے ایک گھونسہ مارا لڑکے کا رخسار پھٹ گیا۔ باوجود اس خطرناک حالت کے بوناپارٹ نے کچھ پروا نہ کی اور اپنے فرض مین اُسوقت تک منہمک رہا جبتک کہ قلعہ کی فصیل پر قبضہ نہ کرلیا۔ اسکول کے پروفیسر نے جواب طلب کیا۔ نیپولین نے کہا کہ مین مجبور تھا مجھے جذبات جنگ نے دیوانہ بنادیا تھا اور مین اپنے آپ کو اُسوقت

ایک اصلی کمانڈر سمجھتا تھا مگر اب اُس جرم کی سزا بھگتنے کو تیار ہون۔
میری غرض یہ ہو کہ انسان کی زندگی مین اِس قسم کے سنگین اور محتشم واقعات زیادہ قابل قدر و لائق تحریر ہوتے ہین اور ایسی شہرتون سے سوانح عمری کے اوراق مطلاّ اور مذہب کیے جاتے ہین شہرت اور نام آوری کے دل خوش کن خواب میرانیس نے کبھی نہین دیکھے شہرت خود اُنکے پاس آئی اور اُنکا ہر دلعزیز تخلص دُنیا مین مقبول کرادیا۔ نہ وہ خود شہرت کے قریب گئے اور نہ اُسکے طالب ہوے شہرت کے رائج الوقت وسائل سے اُنھون نے فائدہ نہین اُٹھایا نہ پولٹیکل انجمنون کے رکن تھے نہ سفارت قوم کی غرض سے لندن کی اعلےٰ سوسائٹیون مین شریک ہوے نہ نیشنل کانفرنس کے عظیم الشان جلسون مین تقریرین کین نہ اپنی معلومات علمی اور اعزاز خاندانی کو اخباری کالمون مین شائع کرایا نہ خان بہادر نہ کے سی ۔ ایس ۔ آئی ہوے بس اُنکی شہرت موجبات صفاتی کے سبب نہین ہو بلکہ اُنکی صفاتی خوبیان محاسن ذاتی کا پرتو ہین یہ ایک بحث طلب مضمون ہو۔ مگر میری تحریر کا مقصود صرف اتنا ہو کہ دولتمندی سے اقبال اور اقبال سے جو احترام دُنیا مین حاصل ہوتا ہو وہ دولت و اقبال چلے جانے کے بعد انسان کو مرکز اصلی کیجانب واپس کر دیتا ہو مگر جو احترام و اقتدار ہنر و کمال کے ذریعے سے پیدا کیا گیا ہو وہ غیر فانی ہے۔ دولت و اقبال کا حاصل ہونا اتفاقات زمانہ پر مبنی ہے۔ خواہ اہل کمال ہو یا نہو چونکہ دُنیا میرانیس کو کسی خطاب سے نہین پہچانتی اسلیے ہمارے ہیرو کی تاریخ بہت دُھندلی ہے۔ کمال کے آئینہ مین فقط شاہد کمال کی جھلک دکھائی دیتی ہو مگر چھہتر سال کے گرم و سرد کا پتہ نہین چلتا فقط ایسے لوگون کی معلومات سے مین نے اپنی تصنیف کی شیرازہ بندی

کی سینہ جنت کے دماغون کا گراموفون اُس عہد کے سُریلے ترانون سے بھرا ہوا ہے وہی آج اُن آوازون کو باہر پھینک رہے ہین۔ سو برس کا نظام تاریخی مرتب کرتے ہین جو دقتین پیش آئی ہین اُنکو وہی لوگ خوب سمجھ سکتے ہین جنھون نے کبھی ایسی پیچیدہ زندگی کے حالات لکھنے کو قلم اُٹھایا ہو ظاہر ہے کہ اگر کوئی خاص انتظام نہ کیا جائے تو ہر شخص خود اپنی زندگی کے تمام وکمال حالات بتلانے سے مجبور ہے پھر دوسرونکی کتاب زندگی کا شیرازہ باندھنا تو ایک دشوار امر ہے۔ بہرا بتدائی زندگی جسکی شہرت پردۂ عدم مین پنہان ہو معراج کمال پر پہونچکر پیچھے پلٹنے کا راستہ نہین بتاتے اور نہ اس ترقی معکوس کا پہلے سے لحاظ رکھا جاتا ہے۔ سوانح عمری وہی شخص خوب لکھ سکتا ہے جو اپنی زندگی کو ہیرو کی زندگی سے وابستہ کرلے اور صحیفۂ عمر کے ابتدائی باب سے قابل الذکر مسائل نوٹ کرتا جائے۔

دیکھو نلسن کی سوانح عمری مصنفہ رابرٹ سوتھی یا ڈاکٹر جانسن کی لائف مصنفہ باسول۔ ناولز یا افسانون کو انشا پردازی کی رنگ آمیزیان دلفریب بنا سکتی ہین مگر واقعات اصلی کی سادی تصویر مین قابل مصنف کا زور دار قلم کوئی رنگ نہین بھر سکتا اور نہ ایمانداری اجازت دیتی ہے کہ کسی قسم کا تغیر و تبدل کیا جائے۔ یہان زندگی اور اُسکا نشو و نما جن حوادث سے وابستہ ہو اُسکی ایک شاخ مین جسقدر پھول اور کانٹے ہین گلدستہ بنانے کے وقت دونون کام مین لائے جاسکتے ہین۔ یہ دقتین عام ہین اور میرے لیے خاص دقتین بھی سنگ راہ ہین۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ سید مرحوم کی وفات سے زمانہ صرف تیئیس برس آگے بڑھا ہے مگر واقعات اسقدر تاریکی مین ہین کہ کوئی روشنی رہنمائی نہین کرتی کتاب عالم کے صرف تیئیس ورق اُلٹنے پر

پچھلے ورقون مین کوئی نشانی رکھی ہوئی ایسی نہین پائی جاتی کہ جس سے ہم دیباچہ کتاب کے مطالب کیجانب عود کرین۔ تذکرہ آب حیات کے پہلے اڈیشن کو شائع ہوے تیس برس کا زمانہ گزرتا ہے اور وہ زمانہ میرانیس کی وفات سے بہت قریب تھا سلطنتون کا عروج وزوال دیکھنے والی ہزارون آنکھین کھلی تھین اُسوقت بھی جب اس تحقیقات کے آفتاب کی نورانی شعاعون پر غفلت و بے پروائی کی بدلیان چھائی رہین تو کم نصیب حسن کیونکر اس دشوار گزار منزل کو طے کر سکتا تھا۔ لکھنؤ مین ایسے کہن سال حضرات اب بھی موجود ہین جلسے و ذوق کے ساتھ میر صاحب کے حالات دریافت کرنے کی امید کیجاتی تھی مگر وہ لوگ اس معاملے مین ایسے خاموش نکلے کہ گویا وہ اس دولت کے خزانے کو اپنے ساتھ قبر مین لیجانے کے لیے دُنیا مین جی رہے ہین۔ اتنی مجبوریون پر بھی مین نے اپنی کتاب کو ہر دلعزیز او معتبر بنانے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا ہے۔ واقعات کی تحقیقات ثقات راویون سے کی ہو اور حتے الامکان اُنکا حوالہ بھی دیدیا ہے۔ مسودہ تیار کر کے اخی المعظم جناب عارف اور مخدوم و مکرم جناب پیارے صاحب قبلہ کے سامنے پڑھ کر تصحیح و ترمیم بھی کر لی ہے۔ افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد۔

میر انیس کا سلسلۂ خاندانی

میرانیس کا سلسلۂ خاندانی بیان کرنے کے لیے ہم اُنکے جد امجد میر حسن مرحوم کے کلیات قلمی سے ایک عبارت نقل کیے دیتے ہین جو خود میر حسن مرحوم نے اپنا سلسلۂ خاندانی بتانے کے لیے مقدمہ دیوان مین تحریر فرمائی ہے اور اس سے زیادہ

معتبر کوئی چیز نہین دیکھنے قلمی دیوان اسوقت میرانیس کے خاندان مین موجود ہے

امابعد بر سخنوران شاطر و دانشوران ماہر مخفی نماند کہ اصل این مؤلف ابن میر غلام حسین ابن میر عزیز اللہ ابن میر برات اللہ ابن میر امامی موسوی از شاہجہان آباد است کہ میر امامی موسوی در وقت شاہجہان بادشاہ از ہرات آمدہ بمنصب سہ ہزاری فی ما بین الاقران ممتاز گردیدند۔

فاضل متبحر و فقیہ بے مثل بودند گاہ گاہ بجہت تفریح طبع فکر شعر ہم می نمودند کہ افکار معاش فرصت بیفائدہ گوئی نمی بخشند پس این عاجز سخن را سررشتہ شاعری اجداد بیست تا امروزی و قبلہ گاہی سلمہ اللہ تعالی را باینہمہ قدرت علم چون طبائع سامعان را در خور سخن بلند نیافتند بقدر حوصلہ آنہا بطرف ہزل توسن قلم راندند بحکم آنکہ مصرع زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز۔ چون این ابجد خوان دبستان سخن در سن صغر کہ ہنوز ایام صبا منقضی نشدہ بود بیتی گفتہ بود و آن اینست ؎

یک سخن گویم ترا بشنو ز من ای یار من | گر نخواہی رنج خود ای جان مدہ آزار من

بر صاحب سخنان ثابت گردید کہ این طفل البتہ موزون است و ازین کلام مقبول تر خواہد زد۔ حاصل کہ السعید من سعد فی بطن امہ و الشقی من شقی فی بطن امہ ہر کرا حق سبحانہ تعالی بہر کارے آفریند از صغر سن میلان طبیعت او بسوے اکتساب میشد و این امور بکسبی نیست بلکہ موہبی است لہذا عارفان ربانی زبان بطعن کسے نکشایند کہ نظر او شان بر فاعل حقیقی است و شکایت او تعالی نمودن شرک عظیم عیاذاً باللہ غرض چون از گردش روزگار بہ لکھنؤ رسیدم رباعی گفتم بزبان فارسی کہ شیخ صاحب[1] نور اللہ

[1] شیخ صاحب نور اللہ مرقدہ سے خدا جانے کیا مراد ہے میرا خیال ہے کہ شاید شیخ علی حزین مرحوم سے مراد ہو

صرف شده از زبان قبله گاهی ابداللہ عاطفہ شنیده بحق این عاصی دعاے فرمودند
وشاید این نتیجه دعاے آن بزرگ عالیقدر باشد که توفیق سخن یافتم والا من کجا واین
گفتگو ہا رُباعی اینست ؎

جانان ز تو امید نگاہے داریم | امید نگاہے ز تو گاہے داریم
با کشتهٔ چشم سرمہ سایت ستیم | نے نالہ و نے فغان نہ آہے داریم

وشعرے نیز ازاین بود ؎

اے شمع مپرس سرگذشتم | خاموش کہ من ز سر گذشتم

چون در فیض آباد خرب اللہ تعالیٰ عن الآفات رسیدم بخدمت میر حبیب اللہ برادرزاده
شاہ بجن قدس اللہ سره که درویش معروف اند و میر ابراہیم نور اللہ مضجعہ برادر ایشان
نیز مشهور صحبت گذیدم زادہاے طبع خود را می نمودم اگرچه سید مسطور طبع موزون
ندارند لاکن سلمہ اللہ تعالےٰ در فہمیدن ممتاز سنجیدگان اند و بزرگان فہمیدن شعر را
به از گفتن جائز داشته اند کسے گفته ؎

شعر گفتن گرچه در سُفتن بود | لیک فہمیدن به از گفتن بود

روزے بفرمایش آن شفیق ریختہ انشا کردم که از فصاحت زبان دانان ہند فصیح
آمد ازان باز چون زبان خود گفت از فارسی گذشته انچه بدل آمد گفتم لیکن اصلاح حروف
ومعانی بخدمت میر صاحب ضیاے بزم سخندانان آتش زن کانون سوختہ وردنان

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کیونکہ میر حسن کا زمانہ زمانۂ آصف الدولہ میں ہے اور وہی زمانہ شیخ علی حزین کے قیام
بنارس کا ہے اگر شیخ ناسخ سے مراد لیجائے تو وہ اُسوقت زندہ تھے مگر اُنکے کمال کی شہرت ایسی نہ تھی کہ
جنکی تعریف میر حسن کے لیے فرمان آل تمغا ہوتی۔ البتہ مرزا قتیل کے ایک رقعہ سے زمانہ سعادت علیخان
میں شیخ ناسخ کا وجود پایا جاتا ہے اور سعادت علیخان کا زمانہ آصف الدولہ سے بہت قریب ہے۔

میر ضیاء الدین حسین دام افضالہ کہ ضیا تخلص دارند گرفتم لیکن طرز سخن ایشان کما ہی از من سرانجام نشد بقدم دیگر بزرگان مثل حضرت خواجہ میر درد صاحب کہ درد مندیہائے اوشان عالمگیر ست واز کلام درد اوشان جگر عالمی پر درد وذات بابرکات اوشان میان درویشان چون فرد فرد۔ سوم صاحب وقعت رفیع المنزلت مرزا رفیع صاحب سلمہ اللہ تعالی کہ از رائے صائب زیادہ ناطق اند نظیر نظیری وجان قدسی اشعار اوشان ست۔ چہارم میر محمد تقی ہمشیرزادہ شیخ سراج الدین خان آرزو کہ سراج محفل شعرا بود واز صرصر زمانہ خاموش گردیدہ نور اللہ مرقدہ کہ تخلص میر دارند وبا افغانے را درنالہ خود زیر میخوانند وہم فطرت اوشان طنطنہ درجہان افگندہ ودیگر برا خیال خود قائم نکردم کہ وضع آنرا پسندم ودل بگفتار آنہا بندم۔

میر انیس کا مقام پیدائش

میر ببر علی مرحوم ۱۲۱۶ھ ہجری مین محلہ گلاب باڑی شہر فیض آباد مین پیدا ہوے ہین۔ انکے مورث اعلےٰ امامی موسوی ہرات سے آئے اور پرانی دلی مین آباد ہوے۔ میر حسن کی پیدائش بھی دہلی ہی مین ہوئی ہو۔ صاحب تذکرہ گلزار ابراہیمی لکھتے ہین کہ میر حسن دلی مین کابل مسجد کے پاس رہتے تھے اور حکیم قدرت اللہ خان قاسم تحریر فرماتے ہین کہ میر حسن کی ولادت محلہ سید واڑہ مین ہوئی جو پرانی دہلی کا ایک محلہ تھا۔ بہرکیف دونون تذکرون کی عبارت سے ثابت ہوتا ہو کہ جب ہوا ے تنزل کے جھونکے دلی کے گلزار سلطنت کو پامال کر رہے تھے اُسوقت انقلاب کے سمندر کی طوفانی موجون نے اہل کمال کو مختلف راستون پر بہادیا تھا صاحبان

جوہر کے لیے دو مقام امیدگاہ سمجھے جاتے تھے ایک لکھنؤ اور دوسرا حیدرآباد دکن۔ حیدرآباد میں دیوان چندولال کے دست فیاض نے آرزومندوں کے دامن بھر دیے اور لکھنؤ میں آصف الدولہ کی سخاوت نے حاتم کا نام زندہ کر دیا۔ لکھنؤ دارالسلطنت مقرر ہونے سے پیشتر میر حسن کا خاندان دہلی چھوڑ کر فیض آباد میں سکونت پذیر ہوا مختلف تذکروں سے ثابت ہوتا ہے بہرکیف زمانۂ آخر میں فیض آباد اور لکھنؤ دونوں شہروں کو میر انیس مرحوم کے حالات سے تعلق ہے آصف الدولہ نے جب لکھنؤ کو مستقل دارالریاست قرار دیا تو میر ضاحک اور میر حسن کی آمد و رفت تعلقات شاہی کی وجہ سے لکھنؤ میں جاری ہوئی مگر مستقر فیض آباد ہی کو سمجھنا چاہیے۔

یوں تو سعادت علیخان کے زمانے کے معرکوں سے ثابت ہوتا ہے کہ میر ضاحک مرحوم جرأت و انشا مصحفی وغیرہ کے دور میں لکھنؤ میں موجود تھے اور میاں گدا کے مناظرہ کا طوفان بھی اُسی وقت کا ایک قصہ ہے آصف الدولہ کے عہد میں جب میر حسن مثنوی بدر منیر کی تصنیف میں مصروف تھے اُسوقت میر خلیق کے آمد سخن سے گھبرا کر اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے ہونہار فرزند کی اصلاح کلام شیخ مصحفی سے متعلق کر دی تھی۔ چنانچہ شیخ صاحب نے اپنے تذکرے میں بھی انکی شاگردی کا حال بڑے فخر و مباہات سے بیان کیا ہے اور اُسوقت میر خلیق کی عمر اُنیس ۱۹ سال کی لکھی ہے صاحب تذکرۂ گلزار ابراہیمی تحریر فرماتے ہیں کہ میرے تذکرے کے لیے جو میر صاحب نے اپنا کلام لکھنؤ سے روانہ کیا ہے اُسکے ساتھ ایک تحریر بھی ہے جو بعینہٖ درج تذکرہ کیجاتی ہے :-

از سائر ابیات مدونہ من ہشت ہزار بیت ست تذکرہ در ریختہ ہم نوشتہ و

اصلاح سخن از میر ضیا گرفته ام مدتی ست که از دہلی وارد لکھنو گشته با نواب سالار جنگ وخلعت ایشان ملقب بہ نوازش علیخان سرفراز جنگ بہادر میگذاریم -

مگر میر صاحب نے "از دہلی وارد لکھنو گشته" سے خدا جانے کیا مراد لی ہے باوجودیکہ میر صاحب دہلی سے براہ راست فیض آباد تشریف لائے ہین - اس جملہ سے فیض آباد کا تعلق بالکل جاتا رہتا ہے مگر دراصل بات یہ ہے کہ لکھنؤ حاکم نشین شہر ہونے کی وجہ سے اسوقت فیض آباد توابع لکھنؤ مین داخل تھا لہذا اس تفصیل کو ضروری نہ سمجھے

میر حسن مرحوم نے یکم ماہ محرم سنہ ۱۲۰۱ھ مین لکھنؤ مین انتقال کیا اور مفتی گنج مین نواب قاسم علیخان کے باغ کے پچھواڑے دفن ہوے شیخ مصحفی کی تاریخ سے سنہ وفات معلوم ہوتا ہے -

چون حسن آن بلبل خوش داستان　　روازین گلزار رنگ و بو شتافت
بسکہ شیرین بود لطفش مصحفی　　شاعر شیرین زبان تاریخ یافت

زمانۂ امجد علی شاہ مین جب میر خلیق نے فیض آباد چھوڑ کر مستقل لکھنؤ کی سکونت اختیار کی تو میر انیس بھی صاحب اولاد ہو چکے تھے - میرے استاد مغفور جناب نفیس اور انکی دو بہنون کی پیدائش بھی فیض آباد ہی مین ہوئی ہر صرف ایک صاحبزادی میر انیس مرحوم کی لکھنؤ مین پیدا ہوئین مگر پھر وہ فیض آباد ہی مین منسوب ہوئین -

میر انیس کی سنہ ولادت کی تحقیق میر علی حسن صاحب اشک سے ہوئی ہے - یہ بزرگ حیدر آباد مین ایک خوش گو شاعر مانے جاتے تھے - ایام غدر سے پیشتر دکن تشریف لیگئے اور سرکار نظام خلد اللہ ملکہ سے کچھ منصب بھی پاتے تھے - پرانے طرز کے وضعدارون مین تھے - اہل تذکرہ نے انکا سلسلۂ خاندانی حسن الاصغر بن حضرت

امام زین العابدین علیہ السلام سے لکھا ہی۔ میر عماد خوشنویس کے اخلاف مین تھے

راقم آثم کو جب شرف رکاب سعادت اعلیٰحضرت نظام دکن کی باریابی کا فخر حاصل تھا

اُسوقت میر صاحب مرحوم اکثر غریب خانے پر تشریف لاتے تھے اور مشاہیر لکھنؤ کا

ذکر فرماتے تھے اِنکے والد حبشی تخلص کرتے تھے اور میر انیس مرحوم کے بچپن کے دوست

تھے اور فیض آباد مین ایک ہی محلہ مین دونون صاحبونکی سکونت تھی۔ ایک روز

میر اشک نے میر انیس مرحوم کی تاریخ ولادت کے متعلق ایک مصرعہ پڑھا جس سے

سنہ ۱۲۱۶ھ بر آمد ہوتے تھے اور یہ بھی بیان فرمایا کہ یہ مصرعہ مین نے اپنے والد کی

زبان سے سُنا تھا۔ یہ ایک بیس برس کی بات ہو اُسوقت مجھے یہ خیال نہ تھا کہ

یہ اذکار کچھ بکار آمد ہونگے ورنہ اُس مصرعہ کو لکھ لیتا۔ اور زیادہ افسوس اِس بات کا

ہو کہ میر اشک مرحوم نے میری حیدرآباد دکن کی موجودگی مین سنہ ۱۸۹۰ء مین انتقال

کیا ورنہ وہ اِس خاندان بزرگ کی زندہ تاریخ تھے میری اکثر مشکلین اُنسے آسان

ہوجاتین۔

اخی المعظم جناب عارف سلمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہین کہ میر انیس مرحوم نے بہتّر سال

کی عمر مین انتقال فرمایا۔ اور میرے والد مرحوم فرماتے تھے کہ ایک روز جناب نفیس نے

اپنے ضعف وناتوانی کا ذکر کرتے ہوے فرمایا کہ میر حسن علی میری عمر اسّی سال کی ہے

مین اپنے والد سے عمر مین پانچ سال زیادہ ہون اسلیے اب میرا کیا اعتبار چراغ سحری ہے

کیونکہ ہر خاندان مین عمرون کو ایک گونہ مطابقت ہوتی ہے۔ اِس اعتبار سے میر انیس

کی عمر پچھتّر سال کی قرار پاتی ہے سنہ ۱۲۹۱ھ میر انیس کا سال فوت ہو اور اسی سنہ سے

زمانۂ ماضی کیجانب عود کرو تو سنہ ۱۲۱۶ھ تک پہونچکر پچھتّر سال کا زمانہ پورا ہوجاتا ہے

لہذا یہ توجیہ قابل اطمینان ہی اور میر مرحوم کا سنہ ولادت یقینی ۱۲۱۶ھ ہونا چاہیے۔

نصیرالدین حیدر کے زمانہ سلطنت تک میر انیس کی شہرت لکھنؤ مین نہین پائی جاتی کیونکہ مرزا رجب علی بیگ کے فسانہ عجائب کی ابتدا زمانۂ غازی الدین حیدر مین ہوئی اور عہد نصیرالدین حیدر مین وہ تمام ہوا۔ سرور نے اس کتاب مین لکھنؤ اور صاحب کمالان لکھنؤ کا ذکر کیا ہے اُسوقت کے انداز انشا پردازی کے موافق تلمیحاً علما و کملا سے لیکر ادنے طبقے کے لوگون تک کا ذکر کر گئے ہین مگر اُس فہرست مین میر انیس کا نام نہین پایا جاتا۔[1]

لکھنؤ کے اکثر کہن سال بزرگون سے بھی یہی دریافت ہوا کہ زمانۂ امجد علی شاہ مین میر انیس کا مستقل قیام لکھنؤ مین ہوا ہے۔ جب یہ خانوادۂ سیادت یک لخت ترک وطن کر کے لکھنؤ مین سکونت پذیر ہوا تو اُنکا مکان محلہ سنہٹی[2] یا شیدیون کے احاطہ مین بیان کیا جاتا ہے۔ یہان ایک اختلاف واقع ہی۔ اکثر حضرات فرماتے ہین کہ وہ

[1] مرثیہ گو بے نظیر میان دلگیر صاف باطن نیک ضمیر خلیق فصیح مرد مسکین مکروہات زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا اللہ کے کرم سے ناظم خوب دبیر مرغوب سکندر طالع بصورت گدا بار احسان اہل دول کا نہ اُٹھایا عرصۂ قلیل مین مرثیہ اور سلام کا دیوان کثیر فرمایا۔ (دیکھو فسانۂ عجائب صفحہ ۸ مطبوعہ مطبع نولکشور)

[2] ایام غدر سے پیشتر آصف الدولہ کے امامباڑہ کے قرب و جوار مین ایسے بہت سے محلّون کا پتہ چلتا ہی جنمین شرفا اور اُمرائے شہر کے مکانات ہین بلکہ دربار شاہ اودھ کے اکثر اراکین بھی وہین رہتے تھے سنہٹی۔ شیدیونکا احاطہ۔ چاندی بازار۔ خاص بازار۔ ڈبّی محلہ۔ شیخن دروازہ۔ لال مسجد۔ مچھی بھون۔ انتزاع سلطنت کے بعد جب فاتح قوم نے شہر کی اسٹائل بدلی تو لکھنؤ کے جغرافیہ مین بہت کچھ ترمیم ہو گئی۔ آصف الدولہ کا امام باڑہ قلعہ کے کام مین لایا گیا اور وہ عالیشان عمارتین کھود ڈالی گئین خانہ ویرانون کے مسکن مسمار ہو گئے بہت حصہ اراضی کا قلعہ کی خندق بنانے کے کام مین لایا گیا اور باقیماندہ ایک بیہڑ میدان کی حیثیت سے مدت تک پڑا رہا۔ پڑنے لوگونکو اُس کھنڈر سے (دیکھو صفحہ آئندہ)

پہلا مکان جسمین میر انیس نے سکونت اختیار کی دیانت الدولہ نے میر صاحب کے نذر کیا تھا۔ دیانت الدولہ کو میر صاحب سے کمال عقیدت تھی۔ ایک امام باڑہ ایک مجلس محلہ سبزی منڈی مین تعمیر کرایا۔ امام باڑے مین میر صاحب کو پڑھوایا اور مکان نذر کیا مگر جناب میر علی محمد صاحب عارف اور میر سید علی صاحب فرماتے ہین کہ اس سے پیشتر بھی میر صاحب کا ذاتی مکان اس محلہ مین موجود تھا۔ بہرکیف ان دونون صورتون مین اسی محلہ کو میر مرحوم کی سکونت کا فخر حاصل ہو گو اب مکان دکین دونون کا نشان تک باقی نہین۔ میر انیس مرحوم خود فرماتے تھے کہ جب ہمنے لکھنو مین مرثیہ پڑھنا شروع کیا تو اسوقت دو صاحب اس فن کے لکھنؤ مین نامی وگرامی تھے ایک تو میر مداری صاحب جو پار مین رہتے تھے اور دوسرے مرزا سلامت علی دبیر مرحوم۔ میر مداری کے جاننے والے تو لکھنؤ مین بہت کم نکلین گے مگر مرزا صاحب کی

(بقیہ صفحہ گزشتہ) بھی محبت تھی وہ اپنے بزرگونکے جاہ وجلال یاد کرکے کسی پرانے درخت کے نیچے بیٹھکر دو آنسو بہا لیتے تھے۔ چونکہ ویرانہ قدرتی طور پر واقعات تاریخی کا آئینہ ہوتا ہے اسلیے اُس خاک سے پیدا ہونیوالون پر اُس خرابہ کا اثر زیادہ پڑتا تھا خصوصاً وہ لوگ جنکی آنکھون نے سلطنت کا دور دیکھا تھا مثل مشہور ہے کہ بارہ برس کے بعد گھورے کے بھی دن پھرتے ہین اسلیے اُس زمین پر بھی آسمان کو رحم آگیا اور گورنمنٹ برطانیہ کے معزز حکام نے اُسکے ایک عظیم الشان حصے مین وکٹوریہ پارک کی یادگار قائم کی اور اُسکے مصارف کو حسین آباد مبارک کے فنڈ سے متعلق کر دیا۔ دریائے گومتی سے گول دروازے تک عرض وطول مین قریب قریب مربع واقع ہے اور ابتک متعلقہ افتادہ اراضی سے اُسکی رونق و وسعت کا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ شام کے قریب ایک دلکشا منظر ہے خوشنما بنچون پر تعلیم یافتہ نوجوانون کا مجمع نظر آتا ہے مگر عبرت کا سبق حاصل کرنے والو کا دل اب وہان نہین بہلتا کیونکہ وہ اصلی نظارہ باقی نہین ؎

ہر کجا خشت کہن بینی تو در ویرانۂ ہست فرد دفتر احوال صاحب خانۂ

شہرت راقم آثم کی تعریف سے بے نیاز ہے۔

میر انیس جب لکھنؤ مین تشریف لائے تو اُنکا تخلص حزین تھا۔ شیخ حسین بخش صاحب سے دریافت ہوا کہ ایک روز میر انیس اپنے والد بزرگوار کے ساتھ شیخ ناسخ کی خدمت مین حاضر تھے اور صحبت شعر و شاعری گرم تھی شیخصاحب نے میر انیس سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ میان صاحبزادے کچھ اپنا کلام پڑھو۔ میر صاحب نے اپنے والد کے اصرار سے مطلع پڑھا ؎

کھلا باعث یہ اُس بیدرد کے آنسو نکلنے کا — دھوان لگتا ہی آنکھون مین کسیکے دلکے جلنے کا

شیخصاحب جھومنے لگے اور میر خلیق سے فرمایا کہ یہ فرزند رشید آپکے یادگار خاندان ہونگے اور یاد رکھیے ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ اُنکی زبان اور اُنکی شاعری کی عالمگیر شہرت ہوگی کیونکہ عنفوان شباب مین اُنکی ترقی پسند طبیعت اپنی پیچیدیان دکھا رہی ہے مگر بجائے انیس اُنکا تخلص کچھ اور ہو تو بہتر ہے۔ میر خلیق مرحوم نے فرمایا کہ پھر آپہی اُنکے لیے کوئی تخلص تجویز فرمائیے۔ شیخصاحب نے تھوڑا سکوت کیا اور پھر فرمایا کہ مجھے تو انیس پیارا معلوم ہوتا ہے۔ میر انیس نے بکمال ادب سلام کیا اور اُس روز سے انیس ہوگئے۔ کیا مبارک زمانہ تھا کہ جب یہ ہر دلعزیز تخلص ایک عالی نسب سیدزادہ کے نام سے ملکر ایسا چمکا کہ آج اُسکی روشنی ملک کے ہر گوشے مین ضیا باری کر رہی ہے اور اُس قیافہ شناس مشاق بڈھے کی پیشین گوئی سچی ہوگئی۔

مخدوم و مکرم جناب پیارے صاحب قبلہ رشید فرماتے ہین کہ آشوب غدر کے بعد میر صاحب نے چندروز محلہ منصورنگر مین بھی قیام کیا ہر وہان سے راجہ کی بازار تشریف لیگئے پھر چوبداری محلہ یعنی سبزی منڈی کے مکان مین تشریف لائے اور

اس مکان کو بطور خود تیار کرایا۔ اسکے متعلق اور چند قطعہ مکانات میر صاحب کی ملک ہین جن پر ورثائے شرعی کا قبضہ ہے۔ مکان سکونت کے قریب ایک چھوٹا سا باغ بھی تھا اب اُسمین میر صاحب مرحوم کی قبر ہے بلکہ اور خاندانی لوگونکے مدفن بھی اُسی باغ مین ہین۔ باغ کسی وقت شاید ہو جب اُسکا نام باغ رکھا گیا تھا مگر ابتو اُس زمین سے سبزہ بھی بیگانہ ہے البتہ خاندان سیادت کے مقدس مزارون کا چمن کھلا ہوا ہے جسپر رحمت کے فرشتے اپنے پرون کا سایہ کیے ہین اس ارض مقدس کے ایک گوشہ مین کم نصیب حسن کی گلزار زندگی کا ایک غنچۂ نو دمیدہ بھی موت کے باد سموم سے مُرجھا کر خاک مین ملگیا ہے۔

جسوقت سے کہ میر انیس مرحوم نے اس ارضی کو اپنے خاندانی مزارونکے لیے حسب ضابطہ گورنمنٹ سے مستثنیٰ کرالیا ہے اُسکے اندر مقبرہ کے طور پر ایک چھوٹا سا کمرہ بنا یا گیا ہے جسمین چند قبرین ہین۔ مجھے یاد ہے کہ اس کمرے مین میر انیس مرحوم کی قبر کے سرہانے ایک مجلس کا مرقع بھی لگا ہوا تھا جسے داروغہ محمد خان نے میرے والد مرحوم کے انتظام سے تیار کرایا تھا۔

مرقع عہد شاہی کی فن تصویر کشی کا اعلےٰ نمونہ ہے۔ میر محمد علی صاحب مصور نے بڑی جانکاہی سے کھینچا ہے۔ منبر کے قریب دہنی جانب میرے والد مرحوم کھڑے ہین۔ میر صاحب کے ہاتھ مین جو مرثیہ ہے اُسپر یہ مصرع لکھا ہے ؎

برہم ہے مرقع چمنستان جہان کا

اس مقبرے کا خیالی نظارہ پیش کرنے کے بعد اب مین اُسکا اصلی نقشہ بھی دکھائے دیتا ہون اور اُسکے اندر کی قبرون کا شمار بھی بتائے دیتا ہون۔ کیونکہ

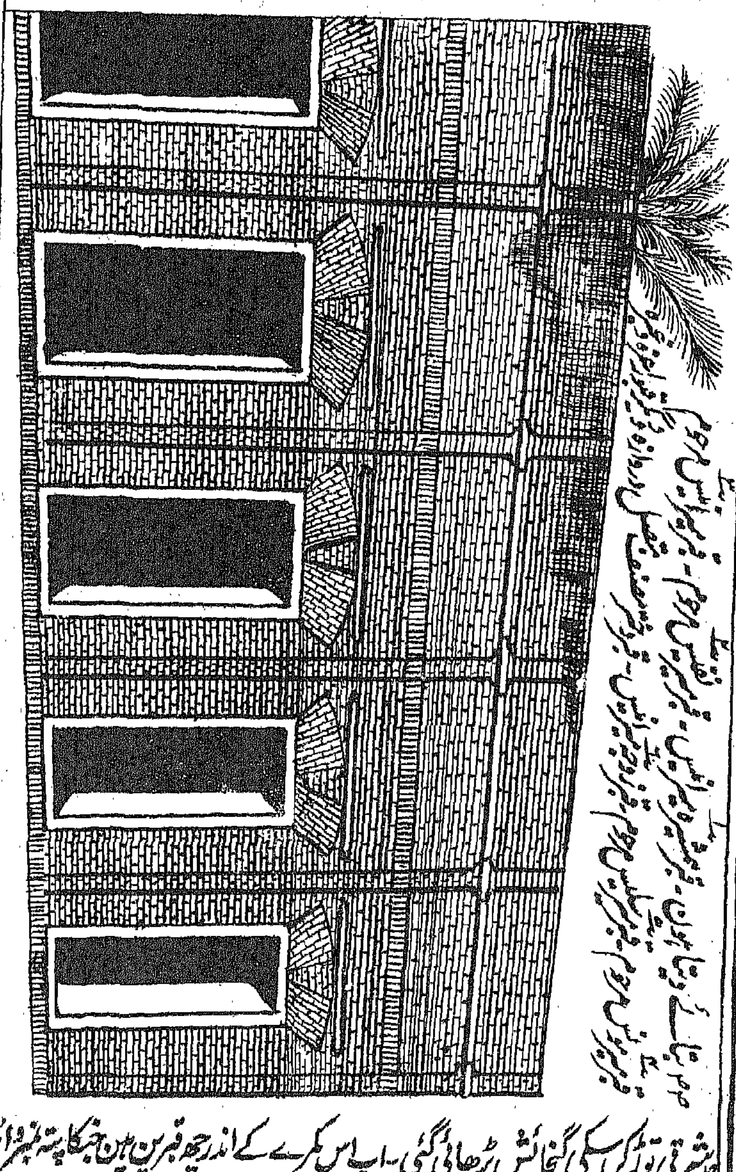
انقلاب زمانہ پرانی یادگاروں کو مٹا رہا ہے۔ شاید کوئی وقت آجائے کہ ان بزرگوں کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے والے اس ثواب سے محروم رہیں تو اس کتاب میں شائع ہونے والے نقشے کے ذریعے سے وہ اُن قبروں کا پتہ لگا سکیں گے اور جن لوگوں کو اس خاندان بزرگ سے عقیدت و محبت ہو فاتحہ خوانی سے مثاب ہو کر نامۂ سیاہ احسن کو دُعائے خیر سے یاد فرمائینگے ؎

نام نیک رفتگان ضائع مکن   تا بماند نام نیکت یادگار

حُلیہ

سانولا رنگ قد مائل بدرازی چہرے کے نقش و نگار مجموعی طور پر خوشنما تھے۔ ورزشی جسم۔ ظاہر میں ایسے قوی اور فربہ نہ معلوم ہوتے تھے مگر در اصل چوڑا سینہ اور سڈول بازو جسم کی کساوٹ پر دلالت کرتے تھے۔ ورزش پابندی اوقات میں داخل تھی۔ علاوہ ورزش کے دیگر فنون سپہ گری سے بھی باخبر تھے۔ داڑھی باریک کترواتے تھے۔ اس معاملے میں صرف شرع کی پردہ داری منظور تھی۔ اور اگلے بزرگوں میں کثرت سے داڑھی کتروانے کا رواج پایا جاتا ہے۔ یہی صورت اُنکے فرزند رشید جناب نفیس مرحوم کی داڑھی کی بھی تھی کہ اکثر لوگوں کو حلق کا شبہہ ہوتا تھا مگر کیا پابند وضع لوگ تھے کہ جو صورت اختیار کی مرتے دم تک اُسکو نباہ گئے۔ آخر میں ضعف پیری نے اعضا میں تغیر پیدا کر دیا تھا مگر ممبر پر پہونچکر ایک خوبصورت نوجوان بنجاتے تھے اور خداداد قوت پیدا ہو جاتی تھی اور اُسوقت چہرے کی نضارت کا کچھ اور ہی عالم ہوتا تھا۔

پہلے یہ کمرہ تین دروازے کا تھا جب میرے اُستاد جناب نفیس نے انتقال کیا تو دیوار ١٢



مشرقی توڑ کر اسکی گنجائش بڑھائی گئی۔ اب اس کمرے کے اندر چھ قبریں ہیں جنکا پتہ نمبر وار ١٢

مخدومی علی مرزا[1] صاحب فرماتے تھے کہ ایک بات میرانیس مین مین نے خصوصیت کیساتھ دیکھی جب وہ مرثیے کا کوئی مقام رقت انگیز پڑھتے تھے اور جوش رقت سے خود بھی بیچین ہو جاتے تھے تو ضبط گریہ کی غرض سے نیچے کے ہونٹ کو دانتون مین دبا لیتے تھے جس سے دہنی جانب کا رخسار متحرک ہوتا تھا اور یہ موشن اُنکو لاکھ لاکھ بنا دیتا تھا۔ اُنکو تو اِس انداز سے یہی مقصود تھا کہ جوش گریہ سے آواز گلوگیر نہ ہو جو مانع خوانندگی ہے مگر قدرتاً اِس دلفریب ادا کی چوٹ ہر دل کو بیچین کر دیتی تھی۔ یہ نقل میرے سامنے بیان کرتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ فرماتے تھے واللہ اسوقت آنکھون کے سامنے وہ تصویر پھر رہی ہے۔ مین نے کہا کہ کچھ اور حالات میر صاحب کے آپکو معلوم ہون تو فرمائیے۔ جواب دیا کہ کیا بتاؤن اور کیا سناؤن دل نے جو کچھ اُنکی صحبت اور شاعری کے مزے لیے ہین زبان اُنکو بیان کرنے سے قاصر ہے پھر خاموش ہو رہے۔

میر صاحب کے انتقال کے وقت میری عمر سات سال کی تھی۔ زمانۂ آخر مین جو مجلسین میر صاحب نے پڑھی ہین وہ مجھے خواب کیطرح یاد ہین۔ مخدوم مکرم شیخ علی عباس صاحب کی بیدرہ صفر کی مجلس مین سُننے کا اتفاق ہوا اور مرزا دولہا صاحب مرحوم کی مجلسون کا نقشہ بھی خواب سا یاد آتا ہے۔ میرے نانا حکیم آغا حسن صاحب ازل نے مجھے اپنے ساتھ لیجاتے تھے۔ مین اِسقدر کمسن تھا کہ ہنگامۂ مجلس سے

---

[1] علی مرزا صاحب ایک بزرگ پٹنہ کے رہنے والے ہین اور کلکتہ مین ایک کارخانۂ تجارت کی نگہبری کی غرض سے سکونت اختیار کیے ہوئے ہین۔ پٹنہ مین یہ بات مشہور ہے کہ میرانیس اپنی مرثیہ خوانی کے وقت علی مرزا صاحب کو زیادہ مخاطب کرتے تھے اور ایک اعلیٰ درجے کا سخن فہم سمجھتے تھے اور اِس بات پر مرزا صاحب کو بھی ناز ہے اور یہ فخر کچھ بیجا نہین۔ راقم سے کلکتہ مین ملاقات ہوئی تھی۔

گھبرا جاتا تھا کلام کے مشتاقون پر عالم وجد طاری ہوتا تھا۔ منبر سے صف نعال تک ایک کافی بُعد اور فاصلہ تھا مگر اُنکا شیرانہ ہمہمہ ہر شخص کے کان تک پہونچ جاتا تھا۔ کم سنی کے سبب سے مین محاسن شاعری کی تمیز نہ کرسکتا تھا مگر اُنکی خوانندگی کا اثر مجھے بھی محو کردیتا تھا۔ مین مجلس مین بلند ہو ہوکر اُنکی صورت دیکھنا چاہتا تھا۔ میرے نانا حکیم صاحب مرحوم مجھے اپنے زانو پر بٹھا لیتے تھے۔ اُنکی سُریلی آواز کان مین گونج جاتی تھی۔ آواز مین ایک قسم کا لحن تھا۔ میر صاحب کی جو دُھندلی تصویر میرے حافظے مین تھی اُسکی صحت میرے والد مرحوم نے کی تھی میری یادداشت مین کسیقدر ترمیم بھی ہوئی ہے۔

لباس

ڈھیلی مُہری کا پاجامہ اور بارہ کلی کا کرتہ پہنتے تھے اُنکا کرتہ اتنا لمبا چوڑا ہوتا تھا کہ اُسپر انگرکھا پہننے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ اُنکی ہمعصر ثقات کی وضع تھی۔ کرتے کی دونون آستینین بہت باریک چُنی جاتی تھین جو لچھے دار ہوکر کہنیون تک خود بخود چڑھ جاتی تھین۔ پنجگوشیہ ٹوپی پہنتے تھے جسکے ہر گوشے مین صُراحی اور کنٹھا یا چاندنے ہوتے تھے۔ سادہ اور سفید لباس سے زیادہ شوق تھا۔ سفید لباس مین اُسوقت کے رواج کے موافق جامدانی سے بیش قیمت کپڑے کا استعمال کرتے تھے یا ڈھاکے کی ململ کا کرتہ پہنتے تھے۔ سچے ریشمی مشروع کا پاجامہ بھی اکثر پہنتے تھے اُنکی مرضی کے موافق کپڑے کی تلاش میرے والد کے سپرد ہوتی تھی اور یہ خدمت اکثر اُنھین سے متعلق تھی۔ کاندھے پر ایک رومال لٹکا رہتا تھا

ہاتھ مین ہروقت کی چوب - خوشمزاجی اور بذلہ سنجی مین تنک مزاجی بھی شامل تھی اور یہ پُرانے اہل کمال کی ادا پائی جاتی ہے - خداے سخن میرتقی میر کے بھی دامن کمال مین بددماغی کا داغ لگایا گیا ہے اور ناسخ مرحوم کے حالات بھی اس صفت سے خالی نہین - دیکھو تذکرہ آب حیات صفحہ ۱۸۹-۱۹۰-۲۰۰۱ فقیر احسن کے نزدیک یہ بددماغی اعلےٰ درجے کی تہذیب کا نمونہ ہے کیونکہ جو لوگ خود مہذب ہوتے ہین وہ اوروں سے بھی جوہر تہذیب کے خواہشمند رہتے ہین اور ذرا سی بدتہذیبی اُنکی طبیعتوں مین اشتعال پیدا کردیتی تھی پس معلوم ہوتا ہے کہ ان اہل کمال نے تہذیب کو اخلاق پر بھی فوق دیدیا تھا کہ تہذیب کی حد قائم رکھنے کے لیے اخلاق کی کمی پر نظر نہین ڈالتے تھے - ان بزرگون کے واقعات کو بنظر انصاف مشاہدہ کرو تو اُنھون نے کوئی بدمزاجی بے سبب نہین کی ہے تا وقتیکہ کوئی سبب محرک نہ ہوا ہو - میرانیس کے واقعات مین ایسے اکثر ذکر آجائینگے جسپر ایک اخلاقی اعتراض پیدا ہوگا مگر واقعات کی تہ مین کوئی سبب پیدا ہو جائے گا -

غذا

میر صاحب مرحوم بہت قلیل غذا کھاتے تھے شب کو یخنی دن کو دودھ اور کچھ ذرا کہ سادہ گوشت کا قلیہ یا قورمہ -

اُنھون نے تمام عمر کسی پر اعتراض نہین کیا - مناظرہ فی نفسہٖ اخلاقی ہے اساتذۂ متقدمین کو بیحد مناظرہ کا شوق تھا اور شاعرانہ مناظرون سے اعتراض ہوتے تھے یہانتک کہ علمی مناظرون سے قطع نظر کرکے ذاتیات تک نوبت پہونچ

جاتی تھی۔ امامی رکیکہ کی بنیادین اسی اعتراض ہی بدولت قائم ہوئین جنسے مشاہیر قدیم کی تصنیف لبریز ہی مصحفی۔ انشاء اللہ خان سودا اور جرأت کی شاعری کے رخسار زیبا پر ہجودن کا بدنما داغ ابتک موجود ہی۔ اِن بزرگونکے گلزار نظم کی سیر کرنے والون کو ہر روش پر فحش و ہجو کے کانٹون سے دامن بچانا پڑتا ہے پھر ایسے سب وشتم کے سامنے بد دماغی کی وہ حرکت جو شاعرانہ پہلو لیے ہوے ہو نہایت کم وزن اور ناقابل توجہ ہے کیونکہ اُس انداز مین اشارات و تلمیحات شاعرانہ پائے جاتے ہین۔ دوسرا ایک سبب اور بھی ہو کہ انکی سپاہیانہ نسلون کا زمانہ بہت قریب تھا اور اُنکی رگون مین سپاہیانہ خون کی ودیعت شوریدہ مزاجی کا سبب پائی جاتی ہے۔ اب مورث اعلےٰ سے موجودہ نسل کو کافی فاصلہ ہوگیا اور زمانہ جسقدر آگے بڑھا موجودہ تہذیب و تمدن نے مزاجون مین دخل پیدا کر لیا اسلیے پُرانے لوگونکی یہ معمولی لغزشین قابل فروگذاشت ہین۔ خطاے بزرگان گرفتن خطاست۔

استغنا

مال دُنیا کی جانب سے وہ مُنھ پھیرے ہوے تھے۔ اگرچہ کثیر العیالی اور دُنیا داری کے اعتبار سے اسکی نہایت ضرورت تھی مگر غیور تھے صاحب ہمت تھے اور گرانباری احسان کے متحمل نہ تھے۔ یہان ایک اعتراض پیدا ہوتا ہو کہ اگر وہ اغنیا کے منت پذیر ایثار و کرم نہ تھے تو ما یحتاج کا باب آمدنی کیا تھا۔ ہم یہ نہین کہتے کہ اُنھون نے ائمہ یا اولیا کیطرح فقر و قناعت مین زندگی بسر کی مگر یہ بھی ہے کہ

دولتمندون کے خزانون پر حریصانہ نظر نہین ڈالی وہ صرف خاص خاص لوگ تھے جو اُنکے ساتھ سلوک و مراعات فخر دنیوی اور مفاد آخرت سمجھتے تھے اسلیے طمع کا شرمناک لفظ اُنکی کتاب قناعت مین کبھی استعمال نہین ہوا اور نہ انھون نے اس لفظ کے معنی سے فائدہ اُٹھایا۔ وہ اپنے شعار طبیعت کی جانب سلام کے اس شعر مین اشارہ کرتے ہین ؎

کریم جو تجھے دینا ہو بے طلب دیدے　　فقیر ہون پہ نہین عادت سوال مجھے

اہل کمال کے نظام تاریخی پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکی طبیعت حرص و ہوس سے قدرتًا نفور تھی اور اُنکی خواہشون نے قناعت کی چار دیواری سے قدم باہر نہین نکالا اُنکی آرزوئین ایک محدود دُنیا کی سیر کرنے والی تھین۔ اُنکے خزانے علم و ہنر کی دولت سے مالا مال۔ دُنیا کے سامان آرایش پر اُنکو رغبت نہ ہوئی گویا وہ دُنیا مین نہ تھے اور نہ دُنیا اُنکے واسطے۔ اُنکی فرضی اور خیالی دُنیا مین کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ شاعرانہ خیالات مطلوبہ چیزین فراہم کر دیتے تھے آسمان کے تارے اور سمندر کے موتی وہ بادشاہونکو بخشدیتے تھے اور اُنکے علم و ہنر کا خزانہ خالی نہ ہوتا تھا۔ میر تقی میر کو کسی رئیس نے رہنے کے لیے مکان دیا تھا جسمین خانہ باغ بھی بنا تھا۔ مکان کی کھڑکیان باغ کیجانب کھلتی تھین میر صاحب مدت تک رہے مگر ایک روز بھی توجہ نہ ہوئی کہ کھڑکیان کھولین حسب دستور ایک روز صاحب خانہ ملاقات کو آگئے اور اتفاق سے دریافت کیا کہ جناب آپ ان کھڑکیون کو کسوقت کھولتے ہین کیونکہ مین جب کبھی آیا انکو بند ہی پایا میر صاحب نے کہا کہ مین نے ایک روز بھی کسی کھڑکی کو نہین کھولا اور کیون کھولون اسکی ضرورت ہی

کیا ہی۔ صاحب خانہ مسکرائے اور کہا کہ اس کمرے کی پشت پر باغ ہے اور یہ مکان مین نے آپکو اسلیے دیا تھا کہ آپ شاعر ہین اور شاعرون کو ایسے مکانون سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ میر صاحب نے فرمایا مجھے اپنے باغ کی سیر سے فرصت ہو تو اس مکان کے باغ کی سیر کرون۔ درحقیقت شاعر فطری کو سوائے شاعرانہ خیال کے اور کسی چیز سے دلبستگی نہین ہوتی خیالات شاعرانہ کا ہجوم عالم خلوت کو بھی ہنگامہ آرا بنا دیتا ہے ؎

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال ہم انجمن سمجھتے ہین خلوت ہی کیون نہو

میر انیس کو ریاست و دولت سے بھی لاپروائی تھی اُنکی ضرورتین بہت سادہ تھین اُنکی خواہشین محدود اُنکے ارادے سنجیدہ۔ کائنات کی بیش بہا اجناس سے دو کم قیمت چیزین اُنھون نے انتخاب کی تھین ایک معمولی قلم اور دوسرا کاغذ کا ٹکڑا اور اُسی کے ذریعے سے خدا کی خدائی کے مالک بن بیٹھے۔ چھپر کھٹ کے سونے والون کیطرح دولتمندی کے دلفریب خواب اُنھون نے کبھی نہین دیکھے۔ ملک عدم کے باشندے اگر آج دُنیا مین واپس کر دیے جائین تو اُنکی غلط فہمیون کا اعتراف کرکے فقر و قناعت کی زندگی پسند کرینگے۔ بادشاہ اپنے تخت سے معزول ہوکر ایک معمولی انسان رہجاتا ہے میر انیس اپنے ممبر سے اُترکر بھی میر انیس ہی رہتے

مذہب

وہ شیعہ مذہب کے آدمی تھے مگر اُنکی تصنیف تعصبات مذہبی سے خالی ہے اُنکا کوئی خیال کسی کے لیے دلشکن نہ تھا یہانتک کہ سُنی اور شیعہ مذہب کے مابہ النزاع مسائل سے بھی مرثیون مین بحث نہین کی گئی ہے۔ اُنکا مرثیہ

اہل اسلام کے ہر فرقے کے لوگ بیحد اشتیاق سے پڑھتے ہین اور پڑھ سکتے ہین
اور ہر مذہب کی انجمنون مین پیش کرنے کے قابل ہو۔ مذہب کے پکّے علما تو اُنکے
عقائد مذہب کے متعلق روشن رائے دے چکے ہین لیکن معقولات سے بحث کرنیوالے
فلسفی کو بھی انکار نہ ہوگا کہ وہ پکّے دیندار تھے۔ ابن رشد کا قول ہو کہ فلاسفہ
کے خیال مین سچا اور خالص مذہب یہی ہو کہ انسان موجوداتِ عالم پر غور کرے
اور اُنکی معرفت مین باریک بینی سے کام لے اور یہ بہترین طریق عمل ہو پس
ظاہر ہے کہ میر انیس کا خیال ہمیشہ مظاہر قدرت و روحانیات و معرفت حقائق
کے گرد طواف کرتا رہا ہے اور تزکیہ نفس سے اُنھون نے موجوداتِ عالم مین
اُس طاقت کو مان لیا جو خاموشی سے اپنا کام کر رہی ہے یہی خیال باعث تکمیل
نفس انسانی ہو اور اسیکو مذہب سمجھنا چاہیے۔ یہ ہم جانتے ہین کہ وہ وہان سے
ایک مذہب کے پیشوا بناکر بھیجے گئے تھے۔ دُنیا مین آکر اُنھون نے کوئی نیا
مذہب اختیار نہین کیا ؎

از مذہبم مپرس مسلمان کہ کافرم + من رسم این دیار ندانم مسافرم

استعداد علمی

میر انیس نے درسیات کی ابتدائی کتابین قبلہ و کعبہ میر نجف علی[۵۱] صاحب سے
فیض آباد مین پڑھی ہین اور لکھنؤ پہونچکر مولوی حیدر علی[۵۲] صاحب سے عربی کی تکمیل کی

۵۱ میر نجف علی صاحب ایک بزرگ فاضل مستند صاحب اجازہ فیض آباد مین تھے۔

۵۲ مولوی حیدر علی صاحب عالم متبحر لکھنؤ مین تھے اُنکے نام سے ایک مسجد محلہ کٹرہ حیدر حسین خان لکھنؤ مین اب تک موجود ہے۔

میرانیس کی استعداد علمی کی بابت لوگونکے مختلف خیال ہین اور اُنکی زندگی مین بھی اُنکے پیمانۂ علم کا عمق کسی ذہن کی گہرائی سے ناپا نہین جاسکا وجہ یہ ہے کہ صنعت مرثیہ مین اُنھین اظہار علم وفضل مقصود نہ تھا۔ اُنکی نظم فصاحت کے آب حیات مین ڈوبی ہوتی تھی بیمحل لفاظی اور بے موقع شوکتِ الفاظ سے احتراز تھا اُنکی تحریر اور تقریر دونون مین متانت تھی۔ تحریر مین اُنکا طرز شاعری سہل الممتنع واقع ہوا تھا اور تقریر مین وہ مناظرہ اور مباحثہ کو معیوب جانتے تھے۔ وہ خاموش تھے خود ستائی کی عادت نہ تھی۔ وہ اپنی زبان سے اپنی تعریف کے قصیدے فصاحت وبلاغت سے پڑھنا پسند نہ کرتے تھے۔ شاعرانہ مضامین کے پیرایہ مین جوہر ذاتی کے اظہار پر فخر ومباہات کرتے تھے۔ شایستگی مزاج اور درستی تہذیب کی وجہ سے وہ اپنی زبان سے کم اور قلم سے زیادہ کام لیتے تھے سمندر جسکا مغرور سر آسمان کے مُنھ پر تھوکتا ہے اُسکے خاموش پانی مین بیش بہا گوہر نایاب پوشیدہ ہوتے ہین اور برسات کے جوش سے عارضی شور کرنے والے نالون مین گدلا پانی بہتا ہے۔ درحقیقت صاحب کمالان والا جوہر کی خاموشی مین رنگا رنگ تحقیق ومعلومات کے راز پوشیدہ ہین نسیم سحر کی سُبک رفتاری شاداب باغون کی کلیان کھلاتی ہے اور باد صرصر کے تند وتیز جھونکے اُنھین بکھیر کے اُنکو خاک مین ملادیتے ہین جن متانت پسند واغون سے حسب ضرورت مختصر فقرے نکلے ہین وہ اُصول کے کانٹے مین تُلے ہوے اور قانون کی پرکار سے نپے ہوے ہوتے ہین۔ انسان ناطق ہے مگر نطق کی یہ تعریف نہین کہ قوتِ ناطقہ کے ہیجان سے زبان سا نازک عضو جسکو خدا نے کسی مصلحت دہن کے خزانے مین محفوظ رکھا

بلا ضرورت تکلیف پہونچائی جائے جسطرح جوہردار تلوار ضرورت استعمال کیوقت میان سے باہر نکلتی ہے اسیطرح جوہردار زبان حسن بیان کے لیے پہلو بدلتی ہے اہل علم کی خاموشی علامت بلند خیالی ہے خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمے آید۔ مغربی اہل قلم نے اس لفظ کی تعریف میں علم کے دریا بہا دئیے ہیں دیکھو (ڈوریٹے گیلری[1]) اسلیے میرانیس کے خیالات شاعری منتشر ہوے اور محفوظ رہے جو وقتاً فوقتاً بیش بہا جواہر بنکر ذہن کی کان سے نکلے جنکو اہل علم نے اپنے کان کا گوشوارہ بنالیا۔

یہی کیفیت میرے استاد میر نفیس اعلے اللہ مقامہ کی بھی تھی اولد سالا اسبہ دوران مرثیہ خوانی میں اگر کسی واقعے کی نسبت نثر میں کچھ بیان کرنا چاہتے تھے تو بتکلف رک رک کر اظہار مدعا کرتے تھے مگر نظم میں مضامین عالی کے دریا بہادیتے تھے حیرت ہوتی تھی کہ ایسے خاموش انسان کی نظم میں یہ جوش مضامین وافراط جذبات شاعری کہان سے پیدا ہو جاتے ہین لیکن جو طبیعتیں جامع ہوتی ہیں وہ اپنے تصرفات سے باز نہیں رہ سکتین یہی وجہ ہے اُنکے اکثر حصہ ہا سے نظم معلومات عقلی کا معیار بنگئے ہین ہمعصرون نے اُنپر اعتراضون کے بڑے بڑے حملے بھی کیے ہین مگر بالمواجہ کسیکو اُنسے مناظرہ کی ہمت نہ پڑی اُنکی تمام لائف مناظرہ سے پاک و صاف ہے مرثیہ یا سلامون میں کہیں کہیں شاعرانہ شوخی یا سخن گسترانہ اشارات پائے جاتے ہین اور یہ معمولی طریق شعرا ہے در اصل کسی جانب روئے سخن نہیں

[1] ڈوریٹے لندن کا آرٹسٹ ہوا اور شاعر بھی ہے اسنے یہانتک خاموشی اختیار کی تھی کہ بات کا جواب تصویر سے دیتا تھا جو سائل کے لیے جواب کا کام دیتی تھی۔ چونکہ ارسطو نے فن تصویرکشی کو داخل شاعری کر دیا ہوا اسلیے اسکی تصنیف سے ہمارے مضمون کو خاص تعلق ہے۔

چند واقعات شوخ مزاج لوگونکی بدولت زیادہ مشہور ہوگئے ہین مثلاً میر انیس مرحوم نے کسی مجلس مین ایک سلام پڑھا (حسینون کو مہ جبینون کو) اس زمین مین میر صاحب کے ایک شعر کی عالمگیر شہرت ہوئی ؎

یہ جھُریان نہین ہاتھونپہ ضعف پیری نے چُنا ہے جامۂ اصلی کی آستینون کو

مرزا صاحب مغفور کو یہ زمین پسند آئی اُنھون نے بھی سلام کہا اور کسی مجلس مین پڑھے بیفکرون کو شگوفہ ہاتھ لگا۔ معمولی بات کو میر صاحب کے سامنے رنگ آمیزیون سے بیان کیا۔ رشک فن داخل خواص شعرا ہے خصوصًا ایسا شخص جسکی طبیعت قدرتًا ناقابل پسند نہ ہو میر صاحب کی برہمی مزاج کے لیے یہ لطیفہ کافی تھا پھر تو دونون جانب سے طبع آزمائیان شروع ہوگئین۔ بلند پروازیون نے زمین شعر کو آسمان پر پہونچادیا۔ دونون صاحبون کے سلام کلیات مطبوعہ مین موجود ہین اسلیے مین یہان اُنکے لکھنے کی ضرورت نہین دیکھتا۔ اہل لکھنؤ فقط دنگل دیکھنے والے تھے اپنے شہر کے دو نامی شاعرونکی تحقیر منظور نہ تھی جب مقابلے کا لطف اُٹھاچکے تو آپ ہی اصلاح کی کوشش کی۔ چونکہ میر و مرزا کی طبیعتین بغض و نفسانیت سے پاک تھین صفائی ہوگئی اور قصہ رفع ہوگیا۔ اسیطرح ایک معرکہ اور بھی بیان کیا جاتا ہے۔ میر صاحب مرحوم کے ایک مرثیہ کا مطلع ہے ؎

جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے

ایک صاحب[1] نے غائبانہ اعتراض کیا یعنی آفتاب اور مسافت شب کا

[1] مین معترض کا نام ظاہر کرنا مناسب نہین سمجھتا کیونکہ گذشتہ قصون سے موجودہ بزرگونکی دلشکنی خلاف اخلاق ہوا اور اس کتاب کے اکثر مقامون پر بجاے نامون کے اشارون سے کام لونگا۔

طے کرنا ایک تازہ خیال ہے۔ مسافت شب ماہتاب طے کرتا ہے۔ کہ آفتاب۔ یہ بات مشہور ہوگئی اور غمازوں نے میر صاحب کے کان تک پہونچا دی۔ والد مرحوم فرماتے تھے کہ میرے سامنے کا واقعہ ہے ایک صاحب تشریف لائے اور اس اعتراض کا واقعہ بیان کیا۔ میر صاحب کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور دو مرتبہ فرمایا خیر دیکھا جائیگا اور پھر خاموش ہورہے۔ دوسری مجلس میں جب میر صاحب ممبر پر تشریف لیگئے تو مرثیہ شروع کرنے سے پہلے حاضرین کیجانب مخاطب ہوکر فرمایا سُنتا ہوں کہ کسی صاحب نے انیس پر اعتراض کیا ہے۔ ممکن ہے کہ باعتبار تقاضائے بشریت مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو مگر میں اُسکو مخاطب صحیح نہیں سمجھتا جو ٹٹّی کی آڑ میں شکار کھیلتا ہے۔ اگر مرد میدان ہے بر سر معرکہ اعتراض کرے۔ اب میں منتظر ہوں کہ کسی جانب سے آواز آئے تاکہ میں اعتراضی شکوک کو شک کر دیے دور کردوں۔ پھر خاموش بیٹھے ہوئے اہل مجلس کو دیکھا کیے۔ چاروں طرف سنّاٹا تھا کوئی آواز بلند نہ ہوئی اور وہ شیر بیشۂ فصاحت بہت دیر تک بیٹھا ہوا ممبر پر جھُوما کیا۔ آخر نواب محمد حسین خاں صاحب نے اُس مُہر خاموشی کو توڑا اور نہایت ادب سے عرض کیا کہ حضور کا کیا خیال ہے کسکی مجال ہے جو آپ پر اعتراض کرے۔ میرے نزدیک یہ سب مفسدہ پردازوں کی باتیں ہیں بسم اللہ مرثیہ شروع کیجیے مجلس مشتاق ہے اُسپر بھی اُنکا جوش کم نہوا جبتک علم ہیئت کے استدلال سے فاصلۂ شب میں دورہ شمسی کو ثابت نہ کردیا۔

ایک مرثیہ میں میر انیس مرحوم گھوڑے کی شبک روی میں ایک شعر پانوں استوار و مضبوط کر گئے ہیں اُس بند کے چار مصرعے یہ ہیں ؎

پامال نہون پھول جو گلزار پہ دوڑے
شمر تر نہون گر قلزم زخار پہ دوڑے
اسطرح رگ ابر گہربار پہ دوڑے
جسطرح سے بجلی کی صدا تار پہ دوڑے

چوتھا مصرعہ اس بند کا معرض اعتراض مین ہی شعرائے حال کی طبیعتین ایجادات واختراعات کی جانب مائل نہین ہوتین تشبیہ جدید بغیر فکر بلیغ غیر ممکن ہے اسلیے تشبیہ واستعارات کا دائرہ بھی تنگ نظر آتا ہی۔ شاعری اور زبان دونون کی توسیع کے لیے اختراعات کی ضرورت ہی۔

سائنس نے معلومات انسانی مین جو اضافہ کیا اور اُسکے وقت مین اس ایجاد نے رواج پایا اسلیے شاعر کا ذہن رسا اُس کرشمے کی جانب منتقل ہوگیا معترض کو ایک انوکھا خیال محسوس ہوا۔ وجہ شبہہ کی اصلی ماہیت سے تو واقفیت نہ تھی اعتراض یہ کیا کہ بجلی کی آواز تار پر نہین دوڑتی بلکہ حرکت دوڑتی ہی۔ یہان میر انیس کی الہامی طاقت نے اپنی پوری قوت دکھائی ہی اور علم طبعیات سے ثابت کیا ہی کہ حرکت آواز کے ذریعے سے روانی پیدا کرتی ہی۔ مادی اشیا مین جب تصادم ہوگا آواز یقینی پیدا ہوگی تجربون سے ثابت ہی کہ معدنیات کے کہربی مادے بھی نقل وحرکت مین آواز پیدا کرتے ہین وہ فاصلہ جو مادہ برقی کے خلا مین واقع ہی آواز سے مملو ہی خواہ وہ آواز مسموع ہو یا نہو۔ سائنس کی حیرت انگیز ترقی نے مابہ النزاع مسئلہ کا عملی ثبوت ہمارے زمانے مین نمایان طور پر پیش کردیا ہی مختلف شہرون مین برقی طاقت سے جو ٹرام جاری ہے اور بجلی کا وہ تار جسکا تعلق گاڑی کو ڈھکیلتا ہی اُسکی آواز ہر شخص سُن سکتا ہی۔ گاڑی جسقدر قریب آتی جاتی ہی آواز مین سنسناہٹ کے ساتھ وزن پیدا ہوتا ہی اور جب

قریب سے گذر جاتی ہے اور فاصلہ بتدریج بعد پیدا کرتا ہے تو آواز نرم اور کم وزن ہو جاتی ہے باوجودیکہ آواز موجود رہتی ہے مگر بسبب بعد فضل محسوس نہین ہوتی اب اس تشبیہہ کی باریکی پر غور کرو جسنے اپنی نزاکت کی وجہ سے معترض کے خیال کو مغالطہ مین ڈالا ہے۔ اگر بجلی کا تار محض خبر رسانی کا تار سمجھا جائے اور دوسری ایجادات برقی سے کوئی علاقہ نہ رکھا جائے تب بھی وہ فرضی اشارات جو علم تار برقی سے تعلق رکھتے ہین اُنکے موشنس آواز ہی کے ذریعے سے مفہوم ہوتے ہین جس میز پر برقی خزانے کے تعلق سے تارون کا جال پھیلایا گیا ہے اور ہر تار ایک دوسرے سے مسلسل ہے اُسکی چابیون پر مختلف الوضع ضربین لگانے سے جو آوازین اشارات مقررہ کے مبداء مین پیدا ہوتی ہین ویسی ہی ہمشکل وہ موضع منتہی مین پہونچ جاتی ہین۔ اور اگر ان آوازون مین اتفاق نہو تو مخبر الیہ مخبر عنہ کے مقاصد سے واقف نہین ہو سکتا۔ جہان کہین بجلی کی قوت جاذبہ اشارات کو ختم کرتی ہے وہان آواز ہی کے ذریعے سے مطالب مفہوم ہوتے ہین۔ کوئی نہین کہہ سکتا کہ یہ طاقت کہان تک اور کس کس صورت مین ترقی کریگی کیونکہ برقی طاقت کی نسبت باوجود اختراعات جدیدہ سائنس کی تحقیقات ناتمام ہین مسٹر بنجمین فرنکلن امریکن نے جو یورپ کا ایک مشہور سائنٹسٹ ہو سنہ ۱۷۰۶ع مین پیدا ہوا اور ۱۷۵۲ع مین اس فن کو معلوم کرکے اس سے عمل شروع کیا آلات سے حرکات پیدا کیے جس سے رفتہ رفتہ آلات کی زد کو حروف کی صورت مین متشکل کیا یا یون کہو کہ ٹیلیگراف اور ہیلوگراف کے اشارات کو چھوٹے بڑے نشانات مین منقسم کرکے حروف بنائے اور حروف سے الفاظ۔ یہ طاقت مختلف اجزا سے

پیدا کیجاتی ہے جو بذریعہ انسٹرومنٹ کام مین لائی جاتی ہو۔ دیکھو الرفیق۔

اب خیال کو ایک معمولی سی بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ اِس آواز کو بجلی کی آواز کہین یا نہ کہین مگر بجلی کی آواز کہنا لازمی ہو کیونکہ اگر مادہ برقی مین نہو تو صرف تار اتنی سرعت سے اِس سلسلہ کو ختم نہین کرسکتا۔ قطع نظر اِسکے اِس ترکیب کو معانی وبیان والے ترکیب مجاز مرسل بھی کہتے ہین اور اُسکی مثال یہ ہو کہ مثلاً کوئی شخص کہے کہ چراغ جلتا ہو تو اعتراض پیدا ہوگا کہ چراغ اُس چیز کا نام ہے جو مٹی کا ایک ظرف ہے اور اُسمین تیل بھرا ہوا ہے مگر وہ تو نہین جلتا تو پھر کہا جائیگا کہ تیل جلتا ہو تو تیل کا جلنا بھی ایک تیسری چیز یعنے بتّی کے ذریعے سے ثابت ہوگا۔ آخر اس صغری کبری کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ چراغ جلتا ہے۔ اسیطرح آسانی اسی مین پائی جاتی ہو کہ بجلی کی آواز کہین تاکہ علم تار برقی کی تحلیل و تفصیل کی ضرورت باقی نہ رہے۔ آج اُس مرثیہ کی نقلون مین بجلی کی جگہ نغمہ کا لفظ بھی پایا جاتا ہے مگر مین اول الذکر کو صحیح سمجھتا ہون کیونکہ میر صاحب نے اِس لفظ کی نسبت خود محاکمہ کیا ہو اور اسکی صحت عظیم آباد کے چند ثقات حضرات سے مین نے سُنی ہے جنکا بیان ہو کہ ہمارے سامنے میر صاحب نے اِس مصرعہ کو یون پڑھا ہو ؎

جسطرح سے بجلی کی صدا تار پہ دوڑے

اور شاعر کا مطلب بھی اِسی سے ہو کہ جسطرح آواز برقی تار کے ذریعے سے سُبک رو و سریع السیر ہے اسیطرح گھوڑے کی سُبک رفتاری مین سرعت داخل ہے۔ اب دوسرا اعتراض اِن چارون مصرعون کی ردیف کے مذموم پہلو پر ہے۔ اول تو ردیفین من حیث الاعراب ذم کے پہلو سے محفوظ ہین اور اگر یہ کم وزن اعتراض

بالفرض مان لیا جائے تو اساتذۂ متقدمین کے کلام سے ایسی بیحد مثالین مقتبس ہو سکتی ہین جو ہمارے اعتراض کا کافی جواب ہین - اور یہ معمولی باتین قابل غور ارباب کمال نہین بلکہ باعث ضعف خیال معترض ہین -

ایک اور اعتراض میر انیس کی مرثیہ خوانی پر عاید کیا جاتا ہی جو (موشنس) کے متعلق ہی - مگر یہ اعتراض ایک گروہ خاص تک محدود ہی جو طبیعتین جذبات صحیحہ کی برقی کیفیت سے واقف ہین وہ خوب سمجھ سکتے ہین کہ یہ فعل اضطراری ہے ارادی نہین ہے -

شاعرانہ مضامین جبتک فضاے عالم خیال مین گردش کرتے رہتے ہین اور اُنکے لیے کوئی ہیولا قائم نہین ہوتا اُسوقت تک قواے غیر مادی مین حرکت رہتی ہے یعنی مدرکہ - ممیزیہ - متخیلہ - واہمہ وغیرہ مین ہیجان پیدا ہوتا ہی اور ان قوتون کے تصادم سے شعر ایک جسم معنوی پیدا کرتا ہے اور تکلم کے ذریعے سے معرض اعلان مین آتا ہی اُسوقت قواے مادی جذبات کامل کے اظہار مین مدد دیتے ہین اور جذبات شاعرانہ کا اثر اعضا پر ختم ہوتا ہی اور یہ حرکت فطری طور پر واقع ہوتی ہی شاعر پہلے سے کسی انداز خاص کا ارادہ نہین کرتا صرف تاثیر جذبات صادقہ کی وجہ سے بیخودی پیدا ہو جاتی ہے اسوجہ سے نظم کو شاعر ہی اچھی طرح پڑھ سکتا ہی کیونکہ وہ اُسکے پُرتاثیر الفاظ کے (موشن[1]) سے بخوبی واقف ہی اور

[1] لندن مین موشنس (علم اشارات) کے اسکول جاری ہین اور بڑے بڑے اہل علم اسپیکر اُن اسکولون مین تعلیم کی غرض سے داخل ہوتے ہین - میرے مخدوم مکرم جناب حامد علی الرضا صاحب بیرسٹر نے مجھ سے بیان فرمایا کہ مین نے خود اس مقام پر تعلیم پائی اور مین نے مدت تک اس فن کو حاصل کیا ہی آواز کا پیچ کرنا اور چہرے کے تغیرات کو جذبات شاعرانہ سے بہت کچھ تعلق ہو (دیکھو صفحہ آئندہ)

منازل شاعری کے پیچ وخم کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہو کیفیات قدرتی طور پر انسان کے اعضاے رئیسہ پر عمل کرتے ہین غم اور مسرت یہ دونون حالتین ایسی حاوی ہین کہ انسے کوئی شاعرانہ خیال خالی نہین فقط متکلم ہی ان کیفیات سے متاثر نہین ہوتا بلکہ سامع بھی جو مذاق شاعری رکھتے ہین اثر پذیر ہوتے ہین شاعر کے احساسات وجذبات ناتمام رہتے ہین جبتک وہ اصول خوانندگی پر زور نہین دیتا عمدہ سے عمدہ نظم کا اثر فنا ہوجاتا ہے اسپیکرون کے ایک ایک لفظ کا اثر سامعین کے دلون مین بجلی کی طرح اُتر جاتا ہو۔ اور وہ مشین کیا ہو جسکے ذریعے سے یہ اثرات دلمین اُتارے جاتے ہین پست وبلند آواز کی تبدیلی اور چشم وابرو کے اشارون کے ساتھ چہرے کا تغیر اور اعضا کی حرکت یہ سب خیالات تخئیل شاعری کے ترجمان ہین۔ جناب اشہری اپنی تصنیف مین فرماتے ہین کہ مین نے میرانیس کو پڑھتے ہوے سُنا ہو وہ فقط ابرو کے اشارے اور گردن کی حرکت سے کام لیتے تھے۔ اس امر مین عقلی اور نقلی طور پر مجھے اعتراض ہو۔

میرانیس کا پڑھنا ہنگامہ آرا تھا اور وہ جس مقام کو پڑھتے تھے تمام قوتون سے کام لیتے تھے چنانچہ اُنکا ایک مصرعہ تو مجھے بھی یاد ہو جو فعل مطبوع ومرغوب دل ہوتا ہو وہ انسان کو اچھی طرح یاد رہتا ہو اسوجہ سے سات سال کی عمر مین سُنا ہوا مصرعہ میرے حافظے مین اسوقت تک محفوظ ہو اور اُسکے موشنس کی تصویر ابتک پیش نظر ہے مصرع ع دانتون مین شجاعان عرب ڈاڑھیان والے۔ مرثیے کو زانو پر

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بہت فن ہین جو ہندوستان مین بنظر حقارت دیکھے جاتے ہین مگر اُنکو گورے چمڑے اور بھورے بالونکے لیے چھوڑ دیا ہو۔ ہندوستان نے ابتک ترقی کے اُن زینون پر قدم نہین رکھا۔

رکھکر دونون ہاتھون کو ڈاڑھی کے قریب لاکر اِسطرح گردش دی اور ہونٹون مین فرضی ڈاڑھی کو دبایا کہ یہ معلوم ہوا کہ عرب کے شجاع سپاہیون کی حالتِ جنگ مین جوشِ شجاعت کی تصویر کھینچدی ہے۔

ایک دوسری توجیہ بھی قابل ذکر ہی چونکہ ہر جنس اپنی جنس کیطرف مائل ہوتی ہی اور ہر مادہ اپنے مادّے کو کھینچتا ہی لہذا شاعری کا جز ثقیل یہی ہو کہ وہ آواز (جسکو نظم یا شعر جو کچھ کہین) شاعر کی زبان سے نکلکر سامع کے دل مین اُتر جائے کیونکہ وہ خیال دل ہی سے پیدا ہوا ہی اور دل ہی مین ساری ہوتا ہی جسطرح مسمریزم کا عامل اپنے معمول پر عمل کرتا ہی اُسی طرح شاعری کا مسمرائز سامعین کی قوتِ نہیر دخل پیدا کرتا ہو اور یہ بیخودی اپنے سچّے اثرات کے ذریعے سے اعضا مین حرکت پیدا کر دیتی ہے۔ عام اس سے کہ وہ متکلم ہو یا سامع۔ جو لوگ ان حرکات مین حد اعتدال سے گذر جاتے ہین وہ گویا اُس کیفیت کے پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین جو شاعری مین خود بخود پیدا ہونا چاہیے اسلیے وہ جوشِ مصنوعی معلوم ہوتا ہو اور ایسے خلاف فطرت اندازِ خوانندگی بہت جلد شناخت کر لیے جا سکتے ہین۔

جب کوئی شخص میر صاحب مرحوم سے اندازِ مرثیہ خوانی سیکھنے کی خواہش کرتا تھا تو وہ اس سوال سے بہت متنفض ہو جاتے تھے۔ راقم کے والد مرحوم نے ایک روز اسکا سبب دریافت کیا۔ میر صاحب نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مجھ سے اصول خوانندگی سیکھنے کی خواہش کرتا ہی تو مین حیران ہوتا ہون کہ یہ کیا سیکھے گا اور مین کیا سکھاؤن گا۔ بھائی یہ کچھ سیکھنے کا فن ہی وقت پر جو کچھ ہو جاتا ہی ہم خود نہین سمجھتے کہ ہمنے کیا کیا کوئی فن کیون نہو جبتک انسان کو فطرتاً اُس سے لگاؤ نہو

اکتساب سے تاثیر پیدا نہین ہوسکتی۔ جذبات اصلی سے وہی شخص ماثور ومغلوب ہوگا جو خود شاعر ہو یا کم از کم شاعرانہ باریکیون کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہو خود مصنف ہو اور خود خوانندہ تو داد کمال وستایش محاسن شاعری سے انداز خوانندگی مین حسن پیدا ہوجاتا ہو اور بغیر فیضان قدرت اگر مین تمام عمر اپنا اور اُسکا دماغ پریشان کرون پھر بھی ممبر پہ پہونچکر ایک مصرع بھی باقاعدہ نہ پڑھا جائیگا پھر اس فن کے سیکھنے سے فائدہ۔ واقعی ہمنے دیکھا ہے کہ اس خاندان کے اکثر شاگرد جنکی عمر کا کافی سرمایہ اس شغل مین بسر ہوا مگر واللہ جو پڑھنا آیا ہو ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختن

کار پردازان قضا و قدر نے اس فن کی ودیعت اس خاندان مین رکھی ہے اور حیرت انگیز قدرتی تعلیم ہو کہ ایک کے بعد دوسرا پیدا ہوتا ہو اور اپنا رنگ جماتا ہو۔

در پس آئنہ طوطی صفتم داشتہ اند
انچہ اُستاد ازل گفت ہمان میگویم

شاعری

شاعری فی نفسہ کیا ہو اور لوازم شاعری کسقدر ہین اسوقت ہم اس سے بحث نہین کرینگے۔ ارسطو سے لگا کے موجودہ زمانے کے عالی دماغ اہل قلم تک اس لفظ کی تعریف مین رطب اللسان ہین اور واقفان رموز شاعری نے اس مضمون پر اپنی معلومات کے دریا بہا دیے ہین۔ مجھے اسوقت صرف میرانیس کی قسم شاعری سے غرض ہو اور اُنکی شاعری کی مدح سرائی کے لیے دُنیا کی ڈکشنری مین بڑی تلاش سے

ایک لفظ ملتا ہی یعنی فصاحت اور اِس لفظ کی تشریح مین علوم نو عہ مستقل ہین فصاحت کی طنابین اُنکے ہاتھ مین ہین اور حسب ضرورت گھٹا بڑھا رہے ہین۔ دُنیا کے اہل الرّاے متفق ہین کہ اُنکی شاعری اکتسابی نہ تھی۔ وہ شاعر وہبی تھے اُنھون نے اُردو علم ادب کے خزانون کی مُہرین توڑ ڈالین اور بیش بہا جواہرات پر قبضہ کر لیا وہ اِس خزانے کو ملک کے ہر گوشے پر تقسیم کر گئے۔ اہل زبان اُنکے احسانات سے گرانبار ہین۔

اُنھون نے شاعری کی سنگلاخ زمین کے چپّے چپّے پر ایسی داغ بیل ڈالی جسکے سہارے سے آج فصحاے زبان اُردو منزلِ مقصود کے راستے طے کر رہے ہین اور انھین نشانات سے تحقیق کی آخری منزل پر پہونچ جاتے ہین۔

اُنکی روشن خیالیون نے فصاحت کا آب حیات پردہ ظلمات سے نکال لیا ہی یہی وجہ ہے کہ اُس فلسفی زمان کا نام ابتک زندہ ہی اور قیامت تک زندہ رہیگا گو موت نے اپنا فرض پورا کرنے مین کمی نہ کی مگر شہرت کمال کے نقش وہ بھی نہ مٹا سکی کیا خوب فرماتے ہین ؎

خود نوید زندگی لائی قضا میرے لیے
شمع کشتہ ہون فنا مین ہی بقا میرے لیے

اُنکے پاکیزہ خیالات شاعری جو فصاحت کے سرچشمہ سے نکلکر دریا ے مواج کیطرح روان ہین اُنمین کدورت کا نام نہین۔ بالائی سطح پر نظر ڈالو تو تہ کے اندر ڈوبے ہوے ہونی تک اپنی جھلکیان دکھا رہے ہین۔ اُنکی شاعری کا معیار فصاحت ہی مضامین بلند، اسائل علمیہ ایسے سادہ الفاظ مین مزین و مرتب ہوتے ہین کہ دیکھنے والونکو

سوائے سادگی کے کوئی وزن دار خیال محسوس نہین ہوتا لیکن جو لوگ مذاق شاعری رکھتے ہین اور اُنکا ذہن رسا میر انیس کی نظام شاعری کی گہری تہ تک پہونچتا ہے اُنکا ادراک اُنھین سادہ الفاظ مین وہ رنگینیان تلاش کر لیتا ہے جو قدرت کیجانب سے فصل بہار کے پھولونکو عنایت ہوتی ہین۔ شاعر جہانتک محاسن شاعری کی تحقیق مین سرگرم ہو شعر اپنے میدان فصاحت کو وسیع کرتا چلا جاتا ہے ذہن ایک حد تک پہونچکر تھک جاتا ہے اور شعر کی خوبیون کی فہرست نا تمام رہجاتی ہے شاعر بشرطیکہ وہ باخبر شاعر ہو تو اُنکے مصرعون کی سجاوٹ کو دیکھے جسطرح موتیوں کے ہار کی لڑیان ایک دوسرے پر اپنی نورانی شعاعون کا عکس ڈالتی ہین اسیطرح الفاظ کے گوہر نایاب رشتہ نظم پرڑے جھلکتے نظر آتے ہین گویا اک نغمۂ شیرین ہے جسکا اثر کانون کی راہ سے قلب مین اُتر جاتا ہے یا شربت خوشگوار ہے جو دماغ سے قلب تک اپنی تفریح کی تاثیر پہونچاتا ہے۔ فصاحت ایک مقولہ کیفی ہے اور کیفیت کا احساس اُنھین لوگونکو خوب ہو سکتا ہے جنکی باریک بین نظر نزاکت زبان کو محسوس کر سکتی ہو۔ میر مرحوم نے اپنی شاعری کے ذریعے سے فلسفۂ قدرت کی جن جن مسائل کی تحلیل کی ہے اُنکا ذکر حسب موقع کیا جائیگا اُنکی فکر رسا نے کتاب کائنات کا ترجمہ کرتے ہین کیسی کیسی موشگافیان کی ہین انشاء اللہ احسن اچھی طرح ثابت کریگا۔

وہ شاعری کی علت غائی کو کماحقہ سمجھے ہوئے تھے اُنکی باریک بین نظر کو وہ اشکال محسوس ہوتے تھے جہان آج فلسفۂ جدید کی عینک لگانے والونکے خیالات ٹھوکرین کھاتے ہین میرے اس نقادانہ خیال کے مخالف بہت لوگ

ہوجائینگے اور خیال فرمائینگے کہ سید مرحوم کی معلومات دکھانے مین کس قدر
مبالغے سے کام لیا گیا ہے اسلیے مین اپنے اصلی مقصود کا اظہار ضروری سمجھتا ہون
میرا مطلب یہ نہین ہو کہ میرانیس فلسفہ مین ابن سینا یا شہاب الدین مقتول و ابن
طفیل کے مقابل تھے یا اُنکا مرتبہ مجسطی بطلیموس کی اشکال ریاضی کا حل ہے
ہم یہ تسلیم کرتے ہین کہ اُنکا علم فلسفہ ہیئت مین اکتسابی نہ تھا مگر قدرتی ضرور تھا
اکتساب کا سلسلہ قائم کرو تو تحقیق کسی حد تک پہونچکر رک جائیگی اور ایک کافی
دور و تسلسل کے بعد آخر کوئی شخص واضع علم قرار پائیگا فہو المراد وضعانِ علوم نے
موضوع علم کا ہیولا اپنی فطری قوتون سے قائم کیا ہو پس اسیطرح میرانیس مرحوم کا
خیال بھی ایسے ایسے باریک مسائل کیجانب منتقل ہو جاتا ہے جسکو شاید وہ خود بھی
نہ جانتے ہون مگر کوئی فطری طاقت اُنکے ہر ارادے کو پورا کر دیتی ہو۔ قدرتی طور
پر اکثر دماغون مین اس قسم کی استعداد ہوتی ہو۔ اس مسئلے کے استدلال پر یہ نظیر
کافی ہوگی کہ ہندوستان کی عظیم الشان عمارتین بنانے والے معمار ریاضی و
ہیئت سے ناواقف تھے مگر اُنکی کرنی بسولی نے تمام اشکال ریاضی کو حل
کر دیا ہے دماغ کا پرکار اور نظر کا کمپاس ہر ایک زاویہ اور عمود کی پیمایش مین کامیاب
ہوا۔ لکھنؤ مین آصف الدولہ کا امام باڑہ آگرہ مین تاج محل اور جامع مسجد۔ دہلی کا
پیش طاق دیکھکر آج بڑے بڑے انجنیر دانتون مین اُنگلیان دباتے ہین تو کیا
اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہو کہ وہ شاہی معمار جنکے متبرک ہاتھون سے یہ
یادگارین قائم ہوئین وہ انجنیری پاس تھے۔ یہ کچھ بھی نہ تھا۔ اُنہین اکثر تو ایسے
تھے جو خط اور دائرے کا فرق بھی نہ سمجھتے تھے مگر دماغ قدرتی طور پر رہنمائی کرتا تھا

اور اُس علم کو وہ نادانستہ مصرف مین لاتے تھے جسکے لیے آج اُصول و قواعد مقرر ہوے ہین اور بکارآمد آلات ایجاد کیے گئے ہین۔ کیا ہرج ہو اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ رائے قائم کر لیجائے کہ میر مرحوم کو بھی قدرت کی جانب سے ایسا ہی دماغ عنایت ہوا تھا جو ہر مشکل کو آسان کر دیتا تھا اور خود بخود علوم مختلفہ کے ابواب اُنپر روشن تھے تاہم اُنکی معلومات بھی ناقص نہ تھی جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہین لیکن اُنکی سادہ نظمون سے اُنکے علم و تحقیق کی حد دریافت کرنا عالی دماغ لوگونکا کام ہے جو غیر مادّی اور غیر محسوسات تصویرونکا مشاہدہ کر سکتے ہین وہ انیس مرحوم کی شاعری کو پرکھ لین گے ؎

ما ہماے گرم پروازیم فیض از ما مجو
سایہ ہمچون دود بالا میرود از بال ما

شاہین بلند پرواز فکر کے بازو مین کیا خداداد طاقت تھی کہ فضاے عالم خیال کی سیر سے کبھی تھکن پیدا نہوئی۔ وہ زمین و آسمان پر یکسان نظر ڈالتے تھے جس طرح اجرام فلکی اُنکی سیر گاہ تھے اُسی طرح کرۂ ارض کے معدنیات و نباتات و جمادات پر بھی عبور تھا۔ جادو نگار مصنف کے قلم نے گلزار کائنات کے گل بوٹون پر ایسی غائر نظر ڈالی اور نیچر کے صنائع متنوعہ کی تصویرونمین وہ شاعرانہ رنگ بھرا جس سے پتے پتے کی ماہیت کا راز کھل گیا۔

دنیا کے سیاحون کے قلم مجبور ہین اور زبانین قاصر۔ وہ اپنے مشاہدات کی تصویر کھینچنے کے لیے کافی الفاظ نہین پاتے جو اُنکے دلی جذبات کا اظہار کر سکین مگر میر انیس نے خیالی مناظر کی تشریح کو مشاہدات پر فوق دیدیا یا یون کہو کہ

اُس فطری طاقت نے خیال کو مرکز اصلی کی جانب پہونچا دیا۔ کوئی تیر اُنکے ترکش سے ایسا نہ نکلا جو اپنے نشانے پر پورا نہ بیٹھا ہو۔

اصناف سخن مین قصیدہ گوئی ایک ایسا وسیع دائرہ ہو جہان شاعر کا اشہب خیال بے روک ٹوک طرارے بھرتا ہے اور تشبیب کی خود مختاری تمام قیود سے آزاد رکھتی ہے۔ ہر شعر اپنے رنگ مین جدا جُدا مظاہر کا نمونہ ہوتا ہے ایک دوسرے سے ربط وردف کا محتاج نہین۔ کوئی عاشقانہ رنگ مین ہے تو کوئی فلسفیانہ خیال مین۔ کوئی علم ہیئت کا محور بنا ہوا ہو تو کوئی تصوف کا مرکز گوناگون اور رنگارنگ جلوہ آرائیان اپنی شان دکھاتی ہین مختلف علوم وفنون کے پھولون سے یہ گلدستہ تیار کیا جاتا ہے۔ براعت استہلال سے مصنف کا کوئی ارادہ ثابت ہو کہ نہو مگر تشبیب کی خود مختاری صنعت مبالغہ کے پر لگائے ہوے اُڑائے لیے پھرتی ہے۔ یہ حیرت انگیز امر ہے کہ انیس مرحوم نے مرثیون مین ان لوازم کا خیال رکھا ہے اور مرثیہ کا مقدمہ جسکو اصطلاح مرثیہ گوئی مین چہرہ کہتے ہین ایسی رنگین خیالیون سے مرتب کیا کہ اُسکی تشبیب کے سامنے عُرفی اور قاآنی کے قصائد کا رنگ پھیکا پڑگیا۔ اُسکے بعد اپنے ہیرو کا کیرکٹر دکھانے مین میرانیس نے شکسپیر کی معجز نگاری کو بھُلا دیا۔ جذبات اصلی اور خصائل انسانی رنج خوشی۔ تعجب۔ نفرت۔ شجاعت۔ سخاوت۔ شوق وولولہ۔ اخلاق۔ ہمدردی محبت مروت۔ عداوت۔ غیض وغضب۔ ضبط وتحمل۔ صبر واستقلال۔ امید وبیم کی جذبات دکھائے ہین تشبیہہ واستعارات کے ساتھ ساتھ شاعری کے اصلی عنصر فصاحت کا پورا خیال رکھا ہو اور باوجود ترکیب عناصر شاعری شعر کا جسم پانی کیطرح

لطیف نظر آتا ہی جسطرح بڑے بڑے بوٹانیٹسٹ آجتک عناصر نباتات کے دریافت کرنے مین مصروف ہین اُسی طرح شعراے محقق اُنکے عناصر شاعری کی تحقیقات مین مشغول ہین اِسلیے اُنکی شاعری نے بہت مدت کے بعد اپنے عارضِ روشن سے نقاب ہٹائی ہے۔ اُنکی زندگی مین اُنکی مقبولیت ایک شاعر نازک خیال کی حیثیت سے ہوئی مگر اُنکے بعد تو ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑا کہ وہ شاعر دہی حقیقی تھے اور آج اُنکی زبان کا فلسفہ اُردو شاعری کا مقیاس بنگیا مشرق سے مغرب تک مان لیا گیا ہی کہ نیچرل فلاسفی کے پروفیسر میرانیس ہی تھے اور وہ آنے والی صدیون تک کے لیے مذاق شاعری کا ایسا مصالہ جمع کر گئے ہین جسکی ترمیم مین مصلحان زبان قاصر ہین۔ ہر طرز زبان جو حسب مقتضاے مذاق زمانہ دس بیس برس کے بعد منسوخ ہو جاتا ہے اور باعتبار دستور العمل فصحاے وقت موجودہ شعرا اُس قانون مجریۂ زبان کو تقویم پارینہ کی طرح خارج کر دیتے ہین۔ اِس تعزیرات ہند کی دفعات مین کوئی تغیر و تبدل نہین کر سکتے۔ اِس مستحکم بنیاد شاعری کے آثار ایسے زبردست ہین جسکو انقلاب زمانہ کی طوفانی موجین کوئی نقصان نہین پہونچا سکتین۔ کیونکہ اِس رنگِ شاعری کے موجد و واضع نے پہلے ہی سے بقاے دوام کا لحاظ رکھا ہی اُنکی آواز دُنیا مین سو برس بعد آنے والونکو سُنائی دی ہے۔ وہ ایک زبردست طبیعت کے مالک تھے اور اُنکے زورِ طبیعت و استقلالِ مزاج کی بین دلیل یہ ہے کہ ہر زمانے کے شعرا مذاق مروجۂ شاعری کے پابند ہوتے ہین اور حسب رفتارِ زمانہ

لہ حکما کا قول ہی کہ پانی بسیط نہین مرکب ہے آکسیجن اور ہائڈروجن دو ہواؤن سے ملکر بنا ہی اگر نشتر کیمیاوی سے پانی کو پھاڑین تو منکور الصدر دو ہوائین پیدا ہونگی اور صورتِ سیال فنا ہو جائیگی۔

اپنی طبیعت کو مذاق مقبول سے وابستہ کرتے ہین جس طرز کو زمانہ پسند کرتا ہی شعرا ے وقت اُسکی تقلید مین ہمہ تن مصروف ہو جاتے ہین اور یہ بات موجب شہرت ہے کچھ تو یہ میلان انسانی طبیعتون کا خاصہ ہی اور کچھ مقتضاے وقت مگر میر انیس کی طبیعت تقلید غیر سے نفور ہے گو اِسکا اثر آشنا ضرور رہی کہ بسبب مبائنت طبائع اُنکے جوہر شاعری کے پرکھنے مین قدر دانون کو اوّل اوّل غلط فہمی ہوئی کیونکہ وہ ارباب نظر کی نگاہون سے بہت دُور تھے - پچاس برس کے عرصے مین وہ فاصلہ طے ہوا ہی اور اُس الہامی شاعری سے دُنیا کے ہر حصے مین اپنا سکہ بٹھا دیا میر انیس کی شاعری نے جب لکھنؤ مین نشو و نما کیا تو اُسوقت ناسخ مرحوم کی شاعری کا آفتاب نصف النہار ترقی پر تھا - مرزا دبیر مرحوم مضامین آفرینیو مین امام وقت کی تقلید کر رہے تھے - انداز مقبول سے طبیعتین مانوس ہو رہی تھین اور زمانے کی نظرین اس رنگ پر ٹوٹی پڑتی تھین ؎

مرا سینہ ہی مشرق آفتاب داغ ہجران کا
طلوع صبح محشر چاک ہی میرے گریبان کا

اُسوقت میر انیس اپنی شاعری کی تخم ریزی مین مصروف تھے - زمانہ اُنکو اپنی جانب کھینچتا تھا اور وہ خاموش اپنا کام کر رہے تھے آخر اُبھار روز طبیعت لاکھون آدمیونکی قوت پر غالب آیا اور طلوع ہونے والے آفتاب شاعری کی شعاعین خط استوا پر پہونچکر غریبون کے جھوپڑے اور بادشاہونکے عالیشان محلون پر یکسان نورافشانی کرنے لگین - میرے مخدوم مکرم خان بہادر میر علی محمد صاحب شاد نے اپنی تصنیف نوا ے وطن مین ایک موقع پر میر انیس کے حالات کے متعلق اپنا کچھ

خیال ظاہر کیا ہو جو میرے خیال سے مطابق ہے اِسلیے کتاب نواے وطن سے اُسکا اقتباس کرکے ناظرین کی خدمت مین پیش کرتا ہون[1] دلچسپی سے خالی نہین - بہرکیف میر انیس کا خیال اپنے مرکز شاعری سے بال برابر آگے پیچھے

[1] اب ہماری شاعری کچھ اور رنگ بدلتی ہے اور وہ پھول پھولتا ہے باغِ عالم مین جسکی سدا بہار رہیگی - اِس چمن مین اب وہ بلبل نغمہ سرا ہوتا ہو جسکے آگے کل اگلی صدائین دبکے اور پھیکی پڑکے محض ایک افسانہ یا ترانہ رہ جائینگے اب وہ وقت آتا ہو کہ اُردو زبین آسمان پر چشمک زن اور ہندوستان کی شاعری قدرتی کیفیات سے یورپ کے پہلو بہ پہلو ہو جائیگی - فیاض مطلق کے دریاے فصاحت مین سے ایک ایسا دُر بے بہا نکلا جسکی زرق و برق سے ہمالیہ کی اونچی چوٹیون سے لیکر بے آفت بنگال تک دفعتاً یکسان جگمگا اُٹھا - وہ کون میر انیس - میر صاحب قدرتی شاعر اور فطرتی مضمون نگار تھے اگرچہ اُنھون نے عشق و عاشقی گل و بلبل وصل و ہجر بہار و خزان وفا و جفا کے پامال و مندرس مضامین کی طرف نہ عام شعرا کیطرح کبھی رُخ و توجہ کی اور نہ کبھی اُسکے پابند رہے لیکن اپنے ایک ہی صنعت مین اِن مختلف مضامین کو بھی اپنے رنگ بیان مین مناسب حال موقع پر تمام اگلے اُستادون سے دوچند عمدگی اور صفائی کے ساتھ کھپا کر اور برت کر دکھا گئے اور نئے نئے فطرتی مضامین کے ساتھ ساتھ پُرانی روشنی مین بھی اُن باریکیون اور نازک خیالیون کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا جنکے بغیر ایشیائی شاعری یہان کی عام نظرون مین معراج کمال پر پہونچی ہوئی سمجھی جاتی تھی - ایک ہزار مرثیون سے زیادہ نظم کیے اور اسیقدر یا اِس سے کچھ کم سلام و رُباعیات - پھر مرثیہ بھی زیادہ تر دو دو سو اکثر تین تین سو بند کے - ہر مرثیہ بلکہ ہر بند مین ایک لفظ کے مناسب دوسرا لفظ اِس افراط و بہتات سے لے آئے جسکی تعریف محال اور جسے دیکھکر عقل گنگ ہوتی ہے - کہہ سکتا ہون کہ قریب ایک لاکھ لفظون کے جواہر اِس خوبصورتی اور بے تکلفی سے چُن کر بہ سلیقہ و ترتیب جمع کر دیے تھے کہ اب جو چاہے اپنا دامن فکر بے کھٹکے بھر لے - اگرچہ فیاض مطلق کا خزانۂ فیض بند نہین ہوتا اور نہ قانون قدرت مین کوئی ایسی دفعہ ہو جو مانع ترقی ہوا سیلیے ممکن ہو کہ اب بھی لندن مین شکسپیر کا سا عالی دماغ - عجم مین فردوسی سا بلند خیال - اور یونان مین سکندر سا اولوالعزم بادشاہ پیدا ہوجائے (دیکھو صفحہ [illegible]

نہین ہٹا ہی اور بڑے استقلال سے اپنے کام کو پورا کیا ہی وہ یقینی طے کر چکے تھے کہ میر کے گلزار شاعری کے رنگا رنگ پھولون سے ایک روز تعلیم یافتہ انجمنون کے لیے گلدستے بنائے جائینگے مگر دُنیا کو کچھ معلوم نہ تھا کہ اس سرچشمہ

(بقیہ صفحہ ۵۷) لیکن اولیت کے ساتھ رفعت کا تاج جیسا انکے مبارک سرون پر ٹھیک آگیا ویسا اب دوسرے سرون پر درست بیٹھنا مشکل ہے۔ زمانہ جس چال پر چلتا ہو اُسکی اطاعت سے اہل زمانہ منھ نہین موڑتے۔ وہ ایک پُرزور گھوڑا ہی جسکی باگ ایک سے زیادہ آدمیون کی قوت سے بھی نہین مڑسکتی۔ مگر کوئی نہ کوئی اپنے وقت کا رستم و اسفندیار کل ہی آتا ہو اور پیدا ہو ہی جاتا ہے جو سب سے الگ ہوکر اپنے ایجاد و اختراع کی کمند مین زمانے کی گردن پھانس کر اپنی طرف اس زور سے گھسیٹ لیتا ہو کہ آخر زمانہ اُسکے آگے سر ڈالدیتا ہی بعینہ یہی حالت میر انیس اور اُنکی قوت بھری زبان اور اُنکی پُرزور شاعری کی ہے۔ انیس مرحوم کی شاعری مین ایسا ایجاد و اختراع تو نہین ہے جسے بالکل ایک نئی قسم کی نظم کہدون لیکن خیالات و مضامین کے ساتھ بندش سلاست معنی لطافت و مناسبت الفاظ کے ایک ہی جا جمع کردینے سے بلا شک موجدی اور اولیت کا تمغہ زبان دانونکی مجلس سے ملنے کے وہ مستحق و سزاوار ہین قدرتی کیفیات اور واردات و حسیات کا بیان کرنیوالا ہندوستان مین کوئی شاعر ایسا نہین گذرا تھا جسکا نام ہم شعرائے یورپ کے ساتھ بے تکلف لے دیتے اسلیے کہ ایشیائی شاعری ایشیا والونکو ہمیشہ کچھ ایسی مرغوب دل رہی کہ اُس انداز کو چھوڑ کر دوسرے پیرایہ مین اظہار خیالات یا تو اُن لوگونکے پسند خاطر ہی نہ تھا یا اُسے جانتے ہی نہ تھے لیکن پھر بھی عشق و عاشقی کے رنگ مین اُمنگ و جوش بھرے بعض بعض سچے شعر میر تقی میر مرحوم کے اور اُسکے بعد حقیقت کا افشائے راز کرنے والے اکثر فطرتی اشعار انیس کے اگر پڑھے جائین تو اُردو کا جاننے والا اور انگریزی سے واقفکار شاید شکسپیر سے پیچھے اِن دونون بزرگونکو نہین رہنے دیگا۔ میر صاحب کا جو مرثیہ ہی وہ ایک نرالے ہی انداز کا ہی اور جو بند ہے وہ ایک عجیب ہی روپ رکھتا ہی غم و الم کا بیان ہو تو ایسا ہی جگر خراش اور فرحت و شادی کے مضامین ہین تو ویسے ہی انبساط و فرحت خیز صبح کی کیفیت رات کا سناٹا اور اُداسی۔ لڑائیون کا کھیت تیغ کی کاٹ دریا کا گھاٹ (دیکھو صفحہ ۵۹)

زبان سے آب حیات کی لہرین نکلکر ہندوستان کی مردہ شاعری مین جان ڈالینگی آج ہم دیکھ رہے ہین کہ فصحاے وقت کی میزون پر میرانیس کا کلام تبرکاً موجود ہو اور مغربی کتبخانون مین بھی یہ ذخیرہ مقبولیت کے فرشتون نے جمع کر دیا۔ تمام دُنیا

(بقیہ صفحہ ۵۸) صفون کی صفائی فوجونکی دوہائی لشکر کی کھل بلی۔ ہراسان دشمنی بلی میدانیون کا جوش وخروش دشمن باختہ ہوش شور بزن بکوش گھوڑے کی جست وخیز اعدا کی گریز گریز غرض جو کچھ جہان پہ کہدیا ہے گویا ایک سچی تصویر کھینچدی ہے اور حقیقت کا مرقع بناکر سامنے لاکھڑا کردیا ہے میرانیس مرحوم عربی اور فارسی زبان وعلوم مین اچھی طرح ماہر تھے۔ اُردو شاعری کے سب فنون مین طاق ومشاق تھے۔ اُستادون کے کلام اُنھین اسقدر یاد تھے کہ ایک مثال کے لیے کئی کئی شعر پڑھ دیتے تھے۔ یہ جو لوگ اعتراض کرتے ہین کہ میر صاحب نے واقعات کربلا کی ضعیف ضعیف روایتونکو بھی نظم کردیا اور اُس سے اُنکا نقص سمجھا جاتا ہے۔ ہم اسکو قبول کرین یا رد۔ دونون طرح ایک مذہبی جنگ چھڑتی ہے اسلیے صرف اتنا کہدینا کافی ہو کہ ان ضعیف روایتون کے نظم کرنے سے اُنکی اُس قدرتی اور فطری شاعری مین نہ کوئی نقص آتا ہے اور نہ دھبہ لگتا ہے جسکی تعریف ہم کررہے ہین۔ میر صاحب نے قریب چھہتر برس کی عمر پاکر ۱۲۹۱ھ مین ۳۰ شوال کو لکھنؤ مین رحلت فرمائی اور وہین دفن ہوے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس مضمون کے ساتھ میرے معزز دوست نواب نصیر حسین خانصاحب خیآل نے بذریعہ نوازش نامہ جو اپنی راے ظاہر فرمائی ہو وہ بھی قابل تحریر ہے۔

یہ کتاب نواے وطن اُسوقت کی تصنیف ہو جبکہ عموماً ہندوستان اور خصوصاً صوبۂ بہار مین میرانیس ایک فطری شاعر کی حیثیت سے مانے جاتے تھے بلکہ ایک ذاکر کا لقب یا زیادہ سے زیادہ صرف اپنی زبان مین اپنے خیالات نظم کرنے والے شاعر کے خطاب سے یاد کیے جاتے تھے عام طور پر میر صاحب کی مخالفت ہوتی تھی اور ایراد واعتراض کرنا شمع محفل سمجھا جاتا تھا۔ خود خان بہادر شاد اپنا کلام اکثر مرزا دبیر کو دکھاتے تھے اور اُنکی شاگردی کو اپنا طرۂ دستار سمجھا کرتے تھے۔ میرانیس کا اُسوقت تعریف کرنا اپنا مضحکہ اُڑانا اور اپنے ساتھ (دیکھو صفحہ ۶۰)

کے اہل قلم نے بقدر حوصلہ میر انیس کی شاعری پر تنقید لکھی ہے جنکی تفصیل اہل نظر کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہو مگر باوجود مباینت مذاق زبان انسائکلو پیڈیا کے فاضل مصنف کی روشن رائے قابل قدر ہے دیکھو انسائکلوپیڈیا

(بقیہ صفحہ ۵۹) مخالفت کا پھیلانا تھا۔ دفعتاً زمانے کا ورق اُلٹا دوسری ہوا چلی اور صوبہ بہار کے شعرا اور وہان کی زبان وغیرہ کے حالات لکھنے کی جناب شاد کو ضرورت محسوس ہوئی چونکہ دل ودماغ دوسرا لائے تھے باوجودیکہ مرزا صاحب سے شاگردی و اُستادی کے رشتہ کے علاوہ جو ہمیشہ سے خاندانی مراسم بھی جاری تھے اسپر بھی چھپے طور پر ہمیشہ سے میر انیس کے مداح رہے اور آخر مین جب کتاب لکھنے بیٹھے تو ضرورتاً میر صاحب کے کلام پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہوئی کلام کو بالاستیعاب دیکھنے کے بعد اُنکی نظر وین پھر کوئی اگلا پچھلا شاعر نہ جچا اور آخر آخر اپنے خیالات ان چند سطرون مین ادا کر دیے جو نقل کیے گئے ہین۔ زمانہ کی زبان اور رنگ کے خوف سے جتنا بھر اُنکا دل اُسوقت بھی چاہتا تھا لکھ نہ سکے جسکا اب اس عمر مین افسوس کرتے سُنا۔ اس کتاب کے نکلتے ہی صوبہ بہار مین ایک شورش عام پھیل گئی اور ہر طرف مخالفت کی جھنڈیان اُڑنے لگین۔ میر انیس کی مداحی اُسوقت مین ایک جرم خاص تھا جسکی سزا ہجو آمیز لفظون مین دینا شعار سمجھا جاتا تھا۔ اس کتاب مین چونکہ عظیم آباد کی اصلی اور پرانی زبان کے مٹ جانے پر افسوس ظاہر کرکے اُسکا سبب شہر مین بعض اہل دیہات کا رسوخ اور اُنکے خاندان کا عروج تسلیم کیا گیا ہو اور یہ بات دکھائی گئی ہے کہ شہر کے نجبا و شرفا سے یہان کے گلی کوچے خالی ہوگئے جنکی جگہین باہر والے اور اہل دیہات نے لے لین اسوجہ سے شہر کی عام زبان خراب ہوگئی۔ اہل دیہات جو اُسوقت سربرآوردہ اور اہل شہر پر غالب ہو چکے تھے۔ اس کتاب کے لکھتے ہی بیحد رنجیدہ ہوے اور اپنا دلی بخار نکالنے کی غرض سے اپنے اخبار مین شائع کرکے شاد پر ایراد و اعتراض کی بوچھارین شروع کین اہل شہر جو معدودے چند تھے تھوڑے دنون تک انکا ساتھ دیتے رہے مگر جب اُنھین بھی یہ امر دکھایا گیا کہ یہ شخص سوا اپنے اور اپنے خانوادہ کی زبان کے صوبہ بہار مین کسی ایک کی زبان کو تسلیم نہین کرتا (دیکھو صفحہ ٦١)

جلد ۱۱ صفحہ ۸۴۸ حرف ڈی۔

متقدمین بلکہ میر انیس کے بزرگونکے مرثیے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ مرثیہ گوئی اُسوقت تک ایک محدود فن تھا اور اسی بنیاد پر بگڑا ہوا شاعر مرثیہ گو کہلاتا تھا۔ سید انشاء اللہ خان اپنی تصنیف دریائے لطافت مین ذکر کرتے ہین کہ بگڑا شاعر مرثیہ گو کہلاتا ہی اور اس فن کو لوگ کم نظری سے دیکھتے ہین۔ سکندر۔ گدا۔ مسکین افسردہ اُسوقت کے مرثیہ گو ہین جنکی طبیعت کی مسکینی اور افسردگی تخلصونسے ظاہر ہو رہی ہے کیا عجب ہی کہ اسی خیال سے ناسخ مرحوم نے

(بقیہ صفحہ ۶۰) اور علاوہ اسکے مرزا صاحب کا شاگرد ہو کر میر انیس کا مداح ہی اور مرزا صاحب سے اب بیزار نظر آتا ہے تو عموماً اہل شہر بھی جنکے نزدیک مرزا صاحب سے بہتر کوئی دُنیا مین شاعر نہ تھا اور میر صاحب جنکی نظرون مین ایک معمولی شاعر سے زیادہ رتبہ نہین رکھتی تھی سخت بیزار ہو کر اہل دیہات کے شریک ہو گئے اور پھر کامل بارہ برس تک یہ طوفان بے تمیزی برپا رہا جسکے آثار ہنوز باقی ہین۔ کاروان جا چکا مگر غبار اب بھی نظر آجاتا ہے اور اہل دیہات مین سے کوئی نہ کوئی اب بھی اللہ کا بندہ برس چھ مہینے پر چونک پڑتا ہے اور اس سنت کو جگا ہی دیتا ہی لیکن کیا انقلاب زمانہ ہی کہ جس شہر مین میر انیس کا نام لینا ایک گناہِ کبیرہ خیال کیا جاتا تھا اور جسکا کفارہ جناب شاد پر لعنت ملامت کرنا سمجھا جاتا تھا وہی شہر اب ہی کہ بعض بعض بیرونی خاندانون اور گھرونکے سوا پورب دروازے سے پچھم دروازے تک تشریف لے چلے جاؤ تو میر انیس کے سوا کسی دوسرے کا نام نہ سنو گے مجلسونمین سوا انیس کے کلام کے اگر دوسرے صاحب کا مرثیہ پڑھا جائے تو رنگ مجلس دگرگون ہو جاتا ہی۔ کہا جا سکتا ہی کہ انیس کا کلام سمجھنے کی قابلیت سب سے پہلے شاد ہی مین پیدا ہوئی اور اُنکے نکات شاعری کو دوسرے اہل وطن پر واضح ولائح کر نہین جناب شاد نے بہت غم و غصہ اپنے سر لیا بڑے بڑونکو سر کیا۔ اپنی غزلونمین بھی ابتدائی وہی رنگ شروع کیا جو میر انیس مرحوم کے سلام و رباعیات مین جھلک رہا تھا اور آخر بارہ برس سے خود مرثیہ گوئی پر کمر ہمت چست باندھی اور اُسی روش کو اختیار کیا جو میر انیس مرحوم کے خاندان کی ہی خیام ظلہ العالی

میرانیس مغفور کے تخلص پر اعتراض کیا ہو جو اُس وقت حزین تھا باوجودیکہ مرثیے کے لیے مناسبت رکھتا ہو مگر اِن عزیز کی نقص ڈھونڈنے کے کان میں فرشتۂ غیب کی آوازیں آتی تھین۔ اُنکو خبر ہو گئی کہ اِس مبارک عطیہ کو قبول عام کا سرٹیفکٹ ملے گا اور ایسا ہی ہوا۔ بہرکیف اگلے بزرگو نکو مرثیہ گوئی سے محض حصول ثواب منظور تھا بنی نوع شعرا کے آدم میان ولی نے واقعات شہادت امام حسین کو ایک مثنوی کے طور پر نظم کیا ہے اور اُنکے معصر میان فضلی نے وہ مجلس لکھی اور شاہ حاتم نے بھی مناقب و مراثی مین اپنی شاعری کا رنگ دکھایا مرزا رفیع سودا کے کلیات مین بھی چند مرثیے ہین مگر اُسی اندازِ مروجہ کے موافق ہین۔ باوجودیکہ اُنکی خلاق طبیعت تشبیہہ و استعارات کی چمن کہلاتی ہو مگر صنف مرثیہ مین وہ بھی کورے نظر آتے ہین۔ اساتذہ قدیم کے مرثیون کی بنیاد چار مصرعون پر ہو۔ ہر چوتھے مصرعہ مین تکرار قافیہ واقع ہے مضامین کے لحاظ سے واقعات کربلا کو خون کے آنسوؤن سے لکھا ہو۔ اب اُس خلاقِ معانی کے اعجاز شاعری پر نظر ڈالو جس نے مرثیہ کے قالب مین جدت کی نئی روح پھونکی اور اُسکو رنگا رنگ پھولون کا گلدستہ بنا دیا لہذا اس فن کی جدت کا سہرا میرانیس ہی کے سر رہا ہو۔ اُنکے والد مرحوم نے ایک بنیاد ڈالی اور فرزند رشید نے اُس بنیاد پر ایک خوشنما عظیم الشان عمارت تیار کر دی۔ مرثیہ کو مسدس کے طور پر چھ مصرعون پر رواج دینے سے کئی باریک باتون کی جانب ذہن منتقل ہوتا ہو۔ اول یہ کہ چار مصرعون کے مضامین مختلفہ کی تشریح و تصریح کا لطف پانچوین اور چھٹے مصرعہ کی خوبیون سے وابستہ ہو جسکو اصطلاح مرثیہ گوئی مین بیت یا ٹیپ کہتے ہین اور ایک طولانی

مضمون کی شرح و بسط کو چھ مصرعون کا میدان مناسب سمجھا گیا ہی۔ بیت کا لگاؤ اس خاندان مین اکثر چوتھے مصرعہ سے پایا جاتا ہی اور اس قاعدے کے موجد و مخترع میر انیس ہین۔ چوتھے مصرعہ کی خوبی پانچوین اور چھٹے مصرعہ مین شاعر کی ترقی خیال کا مرکز ہی۔ چار مصرعہ متحد القوافی واقع ہونے کے بعد بیت کے دو مصرعہ مختلف القوافی انداز خوانندگی کو قوت دیتے ہین مرثیہ گوئی مین بیت ایک آخری منزل ہی جسطرح مسافر کو آخری منزل پر پہونچکر سکون ہوتا ہی اسیطرح شاعر اس آخری منزل پر پہونچکر آرام لیتا ہی۔ بیت کی خوبی کی وجہ سے پھر ساتوان مصرعہ یعنی دوسرے بند کا پہلا مصرعہ ایک کافی قوت شاعری چاہتا ہی اور اسیطرح بتدریج نظم کی شان ترقی پذیر ہوتی چلی جاتی ہی۔ اب دیکھنا ہے کہ وہ احاطہ کیا ہے جسکی نسبت میر انیس مرحوم اپنے ایک مرثیہ مین اشارہ فرماتے ہین

ہو اگر ذہن مین جدت ہی کہ موزونی ہے
اس احاطے سے جو باہر ہی وہ بیرونی ہے

ہم یہ کہتے ہین کہ وہ فصاحت زبان کی حدبندی ہے اور یہ حیرت انگیز بات ہی کہ مشکل سے مشکل خیال شاعری کو وہ اپنے طرز نظم کے سادہ لفظون مین اس طرح موزون فرماتے ہین کہ بادی النظر مین مضمون کی پیچیدگی اور اہمیت فصاحت کے گھونگھٹ مین منھ چھپا لیتی ہی اور کچھ پتہ نہین چلتا کہ ایسے مہتم بالشان خیال کے لیے ایسے سادہ لفظ کہان سے تلاش کیے گئے ہین۔ سہل الممتنع اسی کا نام ہی اساتذہ متقدمین نے گران وزن مضامین کو قالب نظم مین ڈھالتے ہوے معائب و نقائص شاعری کا چندان لحاظ نہین رکھا ہے بلکہ بعض موقعون پر

ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کر لیا ہے اغلاق و تعقید سے شعر کے حسن
ظاہری کو مٹا کر بھدا کر دیا ہے جس سے نزاکتِ زبان و لطافت و سلاستِ
شاعری کا جوہر لطیف فنا ہو گیا۔ اگر مین ایسی مثالین اساتذہ کے کلام سے
اقتباس کرون تو در پردہ اُن بزرگون پر اعتراض عاید ہوتا ہے اور نامہ سیاہ
احسن اپنی اس ناچیز تالیف کے وقت اعتراض کے خس و خاشاک سے دامن
بچاتا ہوا جاتا ہے چونکہ حقیقت امر کا کتمان میرے فرائض کے خلاف ہو اسلیے
اُنکی شاعری پر امتیازی نظر ڈالتے ہوئے یہ راز کھولنا پڑتا ہو مگر اس بارے مین
مین خاموش ہون۔ نقاد طبیعتین خود اندازہ کر لین گی اور تقابل کا لطف اُٹھا
لین گی۔ میر انیس کی نظم مین ایہام نہین مقدرات نہین معنی بند نہین صرف
فصاحتِ زبان کے جوہر اصلی کی درخشندگی ہو۔ یہ بات قابل غور ہو کہ انیس
مرحوم کی شاعری کو کم و بیش سو برس کا زمانہ گزرتا ہے اور اُنکا ابتدائی کلام مصحفی
انشا اور جرات وغیرہ سے بہت قریب ہو مگر صفائی زبان اور درستی محاورہ مین
ابتدا کو انتہا سے کچھ بھی مغائرت نہین معلوم ہوتی سوا اسکے کہ بلند خیالی
اور مضمون آفرینی کثرت مشق سے بڑھتی گئی ہے اور کلام آخر کو اول پر فوق ہم
تو اسی قدر ہے ورنہ روانی طبیعت فصاحت زبان روزمرہ شائستگی محاورات
مین کوئی انقلاب و تغیر محسوس نہین ہوتا اور یہ بات شعرا کے کلام مین کم پائی
جاتی ہے۔ ایام شباب کی تصنیف کو زمانہ انحطاط و شیخوخت اسے فاصلہ بعید
واقع ہونے کی وجہ سے تغیر زبان و تبدیلی محاورات کا اثر کلام مین مابہ الامتیاز
فرق پیدا کر دیتا ہو۔ یہ تغیر امتداد زمانہ کیوجہ سے واقع ہوتا ہو مگر خدا کی شان ہو کہ

میر انیس کا کلام اس تغیر سے مبرا و مبرا نظر آتا ہے - ارباب بصیرت نے بہت کوشش کی اور زمانہ حال کے نکتہ چینیان جو مردون کو زیادہ تختہ مشق بنانے کی فکر مین رہتے ہین (کیونکہ وہ بیچارے لب گور سے کسی واجبی یا غیر واجبی سوال کا جواب نہین دے سکتے) اس تحقیقات سے غافل نہین مگر ایک ہزار مرثیون کی تعداد مین ایک جگہہ بھی نقطۂ انتخاب لگانے سے قاصر ہین یہ انتہا سے فصاحت زبان کا ثبوت ہے اور خدا ے سخن میر تقی میر کے کلام کی مقبولیت بھی ایسی ایک صفت سے عالمگیر ہے کہ انکا اکثر کلام با وجود امتداد زمانہ اسوقت کے فصحا کی زبان کا مقابلہ کرتا ہے ہر چند ایسے اعتراض جنمین زمانہ اور سوسائٹی کا لحاظ نہ رکھا جائے فقیر احسن کے نزدیک کم وقعت ہین کیونکہ بیدرد نا انصاف معترض کو خیال کرنا چاہیے کہ آج جنکی زبان حسن گویائی سے محروم اور جنکے کان قوت سماعت سے مجبور ہین یا جنکو خواب مرگ کی گہری نیند نے ہمیشہ کے لیے دنیا اور اہل دنیا سے بیگانہ بنا دیا وہ کبھی زندہ دلون کی انجمن کے صدر نشین تھے اس خیال نے میرے زخمی دل پر نشتر لگا کے مجھے ایک گذرا ہوا وقت یاد دلا دیا جسکا ذکر اس موقع پر بوجوہ چند نہایت ضروری ہے -

شمس العلما مولوی الطاف حسین حالی نے اپنے مقدمۂ دیوان مین شاعری پر ایک بسیط مضمون لکھا ہے اور اقسام شاعری کے لوازم سے جو بحث کی ہے اُس وین ہزارون اعتراض شعراے متقدمین پر عائد ہو گئے ہین -

اصناف شاعری مین صنف مثنوی کا ذکر کرتے ہوے میرے نانا حکیم نواب مرزا شوق مرحوم کی مثنویون پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے - یہ تو بیچارے قلق

اور نسیم وغیرہ سب اس وبا مین مبتلا ہو گئے ہین مگر ایک تعجب خیز اعتراض حلیم صاحب مرحوم کی مثنویون پر ہے جسکی بنیاد (انمارل) ہونے پر قائم کیگئی ہو اور اس اعتراض کا تعلق مثنوی لذت عشق سے ہے مجھے خواجہ صاحب کی اس دلیری پر بڑا افسوس ہوتا ہو کہ لذت عشق مثنوی جو مرزا آغا حسن منظم کی تصنیف ہو اور آخر مین مصنف کا تخلص بھی موجود ہو اُسکا انتساب حکیم صاحب کر کے بموقع اعتراض سے اپنی تحقیق پر کیون الزام لگایا ہو۔ یہ چارون مثنویان ایک ہی زمانے مین تصنیف ہوئین ایک ہی مطبع مین چھپین اور اکثر ایک ہی جلد مین شیرازہ بندی ہوئی اسلیے عوام اس غلطی مین پڑے مگر مولوی صاحب کی تحقیق کا یہ مقتضا نہ تھا کہ وہ آنکھین بند کر لین۔ شاہنامہ کو نظامی گنجوی اور سکندر نامہ کو فردوسی طوسی کی تصنیف بتا کر مرنے والونکی روح کو بیچین کرین چونکہ مولوی صاحب کے دیوان کا مقدمہ پڑھنے والے ہمیشہ کے لیے اس دھوکے مین پڑے رہینگے اسلیے ایک مختصر سا جواب اس تصنیف کے ذریعہ سے شائع کر دینا میرا فرض ہو۔

ظاہر ہے کہ ہر زمانے کی شاعری سوسائٹی کی محتاج ہو اور قدرتی طور پہ شعرا کی طبیعتین انداز مقبول کی جانب رجوع ہوتی ہین۔ دیکھو زمانۂ موجودہ مین شاعری نے قومی ہمدردی کے قالب مین جنم لیا ہو جب قوم ادبار و افلاس مین مبتلا نہ تھی اُسوقت کوئی شاعر قوم کا رونے والا بھی نہ تھا۔ نہ یتیمون کے رونے کی آواز کسی کے کان مین جاتی تھی نہ کسی بیوہ کی مناجات دل ہلاتی تھی کیونکہ وہ فوتکے زخمون پر مرہم ایثار و کرم کے پھاہے لگانیوالے موجود تھے

دنیا کا عیش و آرام موافقت زمانہ سے وابستہ ہی - ہم اپنے ناظرین کو تھوڑی دیر کے لیے سنہ ۱۸۵۵ع کا لکھنؤ دکھاتے ہین اور اُس دربار شاہی مین پہونچائے دیتے ہین جہان جناب شوق بادشاہ اودھ کے تخت کا پایہ تھامے ہوے جھوم جھوم کر اپنی مثنوی پڑھ رہے ہین اور اُردوے معلّےٰ کی جادو بھری نظم نے اہل دربار کو بیخود و بیدست بنا دیا ہی فی الحقیقت اس کلام کا لطف وہ نہین اُٹھا سکتے جو زبان کی خوبی اور محاورات کی خوش اسلوبی سے بیخبر ہین - محمد واجد علی شاہ سا رنگین مزاج بادشاہ اور حکیم نواب مرزا سا بیچین زندہ دل شاعر اس موقع پر نظر کر کے ذرا وہ مثنویان آج بھی ہاتھ مین اُٹھا لو تو تمہین معلوم ہو جائے کہ اس تصنیف مین زبان کے کیسے بیش بہا جواہر جھلک رہے ہین - اُسوقت کے اہل کمال شعرا کو مضامین علمیہ کے بعد اگر کچھ دلچسپی تھی تو حسن و عشق کے افسانون مین یا ذکر عیش کی داستانون مین - ارباب ہنر دیکھین گے کہ ان مثنویون کیرکٹر نگاری کا اعلےٰ علم صرف کیا گیا ہی - دُنیا مین شاعری کے دو نتیجے ہوتے ہین ایک تو صلہ اور دوسرے داد یہ بات ظاہر کرنے کی ضرورت نہین کہ فاضل مصنف ان دونون چیزون مین سے کسی ایک کے حاصل کرنے سے بھی محروم رہا ہوگا ہرگز نہین بیچین دل والے شاعر نے اپنے وقت مین نئے رنگ کی ایسی صنعت لکھی جسکا سکہ آجتک لوگونکے دلون پر بیٹھا ہوا ہی - حریفون نے ہزار سنہ چڑھایا مگر جواب نہ آیا - نزاکت زبان اور محاورات اُردوے معلّیٰ کا حظ اُٹھانے والے قیامت تک ان شوخیون کا مزہ بھولنے والے نہین - قومی نظم لکھنے والے بھی انھین دو چیزون کے خواہشمند ہین یعنے ایک تو صلہ اور دوسرے داد

ورنہ شاعری داخل عبادت و فرائض نہین ہو۔ ہر وقت مین پیسہ حاصل کرنے کے مختلف ذرایع ہوتے ہین۔ زمانہ جسطرح اپنی رفتار بدلتا ہو اہل زمانہ بھی اُسی لکیر کے فقیر ہو جاتے ہین پس ظاہر ہے کہ حکیم صاحب مرحوم نے اگر بادشاہ وقت کے خوش کرنے کو شاعری کے چند مذموم پہلوؤن کا لحاظ نہ کیا تو کچھ گناہ نہین کیونکہ بادشاہ وقت کی خوشنودی مقتضاے وقت تھی اور نیچرل شاعری کی مدعیون نے تشبیہہ و استعارات کی رنگینی سے قطع نظر کر کے خشک نظم و نثر مین قوم کا دکھڑا رو دیا تو حسب مقتضاے وقت یہ بھی کچھ جرم نہین۔ اُسوقت اُس انداز سے حصول جاہ و مرتبت کی امید تھی اور اسوقت کی شاعری نے قومی ہمدردی کو اکتساب دولت کا آلہ مقرر کر لیا ہو۔ بہرکیف دونون شاعریون کا نتیجہ ایک ہی ہو فقط زمانہ اور سوسائٹی کا فرق ہو جو دونون مین تفاوت دکھا رہا ہو۔ ساٹھ ستر برس کی تصنیف کو اسوقت کی تہذیب و تمدن سے مقابلہ کرنا اہل انصاف کا کام نہین۔ ہم تو جب جانین کہ قومی ہمدردی کی شاعری منفعت ذاتی سے خالی ہو کم از کم کتاب کی قیمت ہی سے فائدہ اُٹھانا مقصود ہوتا ہے مصرعہ آدمی را بچشم حال نگر۔ سلطنت بدلنے کے بعد عوام کا طرز معاشرت بھی بدلجاتا ہے خصوصاً ایسا انقلاب سلطنت تو بہت بڑا تغیر پیدا کر دیتا ہے جسکہ تاج ایک قوم کے سر سے اُتار کر دوسری قوم کے سر پر رکھ دیا جائے جسکو باہمد گر مناسبت نہو۔ ایسی صورت مین رفتار گفتار کردار مراسم زبان تہذیب تمدن تعلیم غرض ہر چیز مین تغیر و تبدل پیدا ہو جاتا ہو۔ مولوی حالی صاحب نے نواب احمد سعید خان بہادر لہارو کے مکان پر راقم آثم سے

مومن خان اور مرزا غالب مرحوم کی چند نقلین ایسی بیان کی ہین کہ اگر مین اُن کو صورت اصلی مین لکھون تو ضرور اُن مرحومون کی روح کو صدمہ پہونچیگا مگر مولوی صاحب نے غالب کی سوانح عمری لکھنے کے وقت واقعات اصلی پر تصرف ذاتی کا ملمع چڑھا دیا ہی بہرکیف اگلے لوگون مین ظرافت وزندہ دلی کا مادہ بیحد تھا اسوقت کے شعرا کو دُنیاوی ضرورتون نے ایسا غمگین وافسردہ دل کردیا ہے کہ مہینون چہرے پر ہنسی نہین آتی ظرافت اور زندہ دلی کا تو خدا حافظ ہی

ہر طبقہ کے شاعرون کو ضرورت نے مجبور کیا ہی کہ اپنی تصنیفات مین زندہ دلی اور ظرافت کا رنگ چھپائین۔ ہندوستان کے شعرا کا ذکر کرنا تحصیل حاصل ہی کیونکہ سودا انشا جرات میر ضاحک وغیرہ کے انداز سے بچہ بچہ واقف ہی۔ اب ہم یورپ کے مہذب طبقہ کے چند شاعرونکی مثال پیش کرکے اپنے استدلال سے قطع نظر کرتے ہین۔

بائرن کا ڈان جون (Dan Juan)

اور شیکسپیر کا ریپ آف لیوکریشیا (Rap of Lucretia)

ملٹن کا پیرڈائز لاسٹ (Paradise Last)

رینالڈ کی بے انتہا تصنیف

بہت سے شرمناک خیالون سے بھری پڑی ہین جو انگریزی معزز سوسائٹی کے لیے سرمایہ افتخار ہے۔ پھر ہندوستانی شعرا نے کیا گناہ کیا ہے کہ وہ محض ایک مرتاض زاہد صد سالہ بنکر شاعری کے ظرافت خیز اور ولولہ انگیز خیالات کے اظہار مین خاموشی اختیار کرین۔

اگر معترضانہ نظر ڈالی جائے تو کسی شاعر کا کلام اعتراض سے بچ نہین سکتا کیونکہ انسان بہرصورت انسان ہے مین صرف مثال کے طور پر تھوڑا انتخاب بلکہ ایک ہی قطعہ سے چند اشعار خواجہ صاحب کے لکھے دیتا ہون اور اس معاملہ مین زیادہ کوشش منظور نہین کیونکہ یہ میری کتاب کچھ مناظرے کی کتاب نہین اور نہ خدانخواستہ مجھے مولوی صاحب سے کوئی مخاصمت ہو۔

قطعہ مرتبہ ۱۳۰۱ھ بمقام حیدرآباد

اس قطعہ کی تمہید مین جھوٹ نہ بولنے کا وعدہ کیا گیا ہو اور مبالغہ شاعرانہ سے نفرت ظاہر کرکے نیچرل مذاق کی شاعری کا دعوی کیا ہو مین نہین کہسکتا کہ یہ دعوی کہانتک سچا ہو۔

بشیر دولت و دین صدر اعظم امرا نہین ہو جسکا کوئی قرب شہ مین ہمپایا

اس قطعہ کے قافیہ آیا پایا وغیرہ ہین اور اسمین الف روی واقع ہوا ہو واقفان فن نے ضرورت شعر کے لیے پایہ اور سایہ وغیرہ کی (ہا) کو الف سے بدل لیا ہو مگر وہ ہا سے ہوز الف سے نہین بدلی جا سکتی کہ جو حالت اضافت مین ہو یا مرکب ہو اور یہ نقص اس شعر مین موجود ہے کیونکہ لفظ ہمپایہ مرکب دو لفظون سے ہے اسلیے یہ (ہے) الف نہین ہوسکتی ہے

جو ظل حق ہو رعیت کے سر پہ شاہ دکن تو اعظم الامرا ظل حق کا ہے سایا

اس شعر مین غلطی معنوی موجود ہو چونکہ سایہ جسم مادی نہین اسلیے سایہ کا سایہ غیر ممکن ہے

زمانِ حال سے ماضی کو دیجیے کیا نسبت — اندھیری چھائی ہوئی تھی کہ دن نکل آیا

ممدوح کے انتظام سے منتظمان سابق کی بدنظمی ظاہر کی ہو یعنی بشیر الدولہ کی وزارت کے قبل حیدرآباد مین بڑا اندھیرا ور ظلم تھا یہ اگر جھوٹ نہین تو اور کیا ہو باوجودیکہ سالارجنگ اول یا دیوان چندولال کی وزارت دکن کی تاریخ مین قابل مدح ہو اب اگر کوئی شاعر موجودہ وزیر کی مدح سرائی کرے تو وہ ایسے ہی مبالغو سے کام لیگا۔ پس اس صورت مین مولوی صاحب کی شاعری کی کوئی خاص نوعیت ہم پر ظاہر نہ ہوئی۔

وہ چونک اُٹھے کہ گویا قیامت آپہونچی — جو در پہ آکے کوئی دادخواہ چلّایا

دادخواہ کا چلّانا کسقدر مکروہ معلوم ہوتا ہو اور یہ عمل ہی سراسر دلیل بدانتظامی ہو اور چونک اُٹھنے سے ممدوح کی بزدلی کا اظہار کیا گیا ہے یہ شعر فاضل شاعر کے درجہ تصنیف سے بہت گرا ہوا ہے۔

وہ سمجھے یہ کہ کوئی قافلہ ہوا تاراج — جو شاہ راہ مین پتہ کسی نے کھڑکایا

اس شعر مین اول تو باعتبار شان محاورہ لازمی متعدی کا جھگڑا صورت محاورہ مین نقصان پہونچا رہا ہے یعنی محاورہ یون ہو کہ پتہ کھڑکا۔ پتہ کوئی کھڑکاتا نہین۔ دوسرے شاہ راہ مین پتہ کھڑکانا اور قافلہ کا تاراج ہونا ایک انوکھا خیال ہو جو آجتک کسی کے کلام مین دیکھا نہین گیا۔ شاہ راہ اُس مقام کو کہتے ہین جو عام راستہ ہو اور اُس راستے پر ہر وقت راہگیرونکا عبور ہوتا رہے۔ ایسے مقام پر قافلہ کا لُٹنا منافی عقل وخلاف قیاس ہو۔ علاوہ اسکے مفہوم شعر سے ممدوح کی بزدلی ثابت ہوتی ہو کہ وہ پتے کی کھڑک کو بھی قافلے کی تاراجی سمجھتا ہے

تو کیا اپنے انتظام سے مطمئن نہین اور یا ایسے واقعات اُسکے زمانۂ وزارت مین اکثر ہوتے رہتے ہین خدا جانے اِس نظم سے شاعر کا مقصود کیا ہو میرے نزدیک تو ہجو ملیح ہے اور تمام قطعہ مین یہ تلمیح پائی جاتی ہے۔

رہین منتِ ساقی ہین بادہ خوار تمام کہ تیس روز کے پیاسو نکا روزہ کھلوایا

شراب وکباب کا لفظ مولوی صاحب کی نظم مین دیکھکر تعجب ہوتا ہو اور پھر ماہِ مبارک رمضان گذرنے کے بعد روزہ دارون کی دعوت کے لیے اچھی چیز تجویز فرمائی۔ آپ جھوٹ تو بولتے نہین شاید درحقیقت ایسا ہی ہو گا۔ بہتر ہوتا جو سیندھی کا ذکر کرتے کیونکہ حیدرآباد کے لیے یہ نیچرل مضمون تھا۔

چراغ اکسایا

یہ محاورہ اہل لکھنؤ کی زبان پر تو بتی اُکسانا ہو۔ اہل دہلی کا حال مجھے معلوم نہین کیونکہ دونون شہر والون مین اختلاف زبان واقع ہے اور دونون بجاے خود آزاد ہین اس بحث کو مفصل لکھنا میرا فرض نہین۔ اگرچہ مرزا داغ مرحوم کی سوانح عمری مین لائق مؤلف نے لکھنؤ اور دہلی کی زبان کا تقابل کرکے اپنے اُستاد کی فوقیت کا اظہار کیا ہو مگر اُسمین فاضل مؤلف نے کیا فائدہ اُٹھایا ہو جو مین اُٹھاؤنگا۔ اِس قسم کے دعوون کو اہل کمال حقارت کی نظر سے دیکھتے ہین اپنی زبان اور اپنا محاورہ ہر شخص کو مانوس ہوتا ہو۔ اہل دہلی کا یہ دعوی ہے کہ اُردوے معلی کا مخزن دہلی ہو اور یہ فیض اہل دہلی سے اہل لکھنؤ کو پہونچا ہو اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے یہ بات قبول کرلین تو بھی اس بات کے مدعیوں کو کوئی

کافی فائدہ پہونچنے کی امید نہین ہوسکتی اسلیے کہ جب خود ارباب دہلی لکھنو اور دہلی کے محاورات کا فرق دکھا کر ایک امتیازی شرف حاصل کرنا چاہتے ہین اور بیان فرماتے ہین کہ لکھنؤ مین اس لفظ کو یون بولتے ہین اور دہلی مین یون کہتے ہین۔ لکھنؤ مین یہ محاورہ یون استعمال ہوتا ہو اور دہلی والے یون استعمال کرتے ہین تو پھر دہلی کی فیاضی غریب لکھنؤ کے حال پر کہان باقی رہی۔ اب تو اُسکی زبان کا معیار ایک جداگانہ قائم ہوگیا اور مصلحان زبان لکھنؤ نے اُس پرانے لباس کو اُتار کر پھینکدیا بس فاضل مؤلف کی نسبت اتنا ہی کہدینا کافی ہے کہ اُنھون نے جو کچھ لکھا مقتضاے ارادت شاگردی یہی تھا ورنہ مجھے اسکی بھی ضرورت نہین معلوم ہوتی اور نہ مین ان متعصبانہ خیالات سے کوئی نتیجہ نکالتا ہون۔ دہلی کے اکثر اہل کمال فصحاے لکھنؤ کے قدردان ہین اور لکھنؤ کے اکثر سخن شناس صاحب کمالان دہلی کی تعریف مین رطب اللسان ہین۔ ارباب ہنر ایسے مناظرے سے نفرت کرتے ہین اور جو پسند کرتے ہین اُنکے لیے گنبد کی آواز و او رپدر م سلطان بود کا جواب بھی میرے پاس نہین ہے۔

مرزا داغ سے حیدرآباد کی صحبتون مین نیازمند سے اکثر محاورات و اصطلاحات کی نسبت بحث رہی ہو۔ مرحوم ایک منصف مزاج آدمی تھے اور معقول بات کو مان لیتے تھے چنانچہ اس شعر کی نسبت بھی ایک مرتبہ گفتگو ہوئی ؎

دیکھنے کے لیے اک سانس لگا رکھا ہو ورنہ بیمارِ شبِ ہجر مین کیا رکھا ہے

مین نے کہا کیون حضرت آپ سانس کو تذکیر کہتے ہین فرمایا ہان۔ مین نے کہا آپ اپنے اُستاد کی تقلید نہین کرتے۔ وہ فرماتے ہین ؎

کیا آئے تم جو آئے گھڑی دو گھڑی کے بعد ـــ سینے مین سانس ہو گی اڑی گھڑی کے بعد

مرزا صاحب کھوئے گئے اور غور کرنے لگے۔ مین نے کہا آپ کیا غور فرما رہے ہین۔ سانس کی خبر قافیہ مین تانیث واقع ہوئی ہے اسوجہ سے تحریف کی گنجائش نہین یا یہ غلطی اُستاد کے بے قبول فرمائیے یا اپنے لیے۔

مرزا صاحب نے تاویل کر کے فرمایا کہ امتداد زمانہ سے اس لفظ مین تغیر واقع ہو گیا ہی مگر یہ جواب معترض کے سکوت کے لیے کافی نہ تھا بہر کیف سوانح عمری کے انداز تحریر نے جہان ایک وطنی جنگ چھیڑی ہو وہان بڑے شاعر کے اعزاز ذاتی کو بھی بہت کچھ نقصان پہونچایا ہے اور اخبار والون نے بہت کچھ خاکہ اُڑایا ہے یہ بات مین با آواز بلند کہنے کو تیار ہون کہ لائق مؤلف نے اپنے اُستاد کے اُن شرمناک رازون کو بہت سستا بیچ ڈالا جنکو اعلیٰ حضرت نظام دکن نے بڑی قیمت دیکر مول لیا تھا۔

مرثیہ اور مبالغہ

اعتراض کرنے والے یہ بھی اعتراض کرتے ہین کہ میر انیس نے مرثیون مین صنعت مبالغہ کے طومار باندھے ہین جو اس صنف کے لیے ناموزون اور غیر مناسب ہین مگر راقم الحروف کے نزدیک یہ معترض کی غلطی ہے کیونکہ میر انیس کا مرثیہ صرف مرثیہ ہی نہین ہو بلکہ شاعری کی ہر صنف کی مثال ہو یہ ایک مجموعہ ہی جس سے ہر قسم کے مذاق شاعری کا استخراج کیا جا سکتا ہو مرثیہ کا چہرہ قصیدہ نما شاعری ہو جسمین تمام دنیا کے مسائل علمیہ اور حسن بیان

مختلفہ کا خاکہ اُتارا ہے ایک کافی حد تک مظاہر قدرت قوت شاعری صنعت
مبالغہ معرفت حقائق روحانیات خصائل انسانی شاعرانہ خودستائی گل وبلبل
بہار و خزان حسن و شباب۔ رزم و بزم کے کارنامون سے زمین و آسمان کے
قلابے ملادیے ہین۔ عرفی اور قاآنی کے قصائد کی تشبیب کو بلند پروازی کے
آسمان پر پامال کرتے ہوے فلک الافلاک سے گذر جاتے ہین ظاہر ہو کہ ایسی
اولوالعزمی اور خیال بندیون سے مقاصد مرثیت کو کوئی نقصان نہین پہونچتا
اور جن پر شاعرانہ طبع آزمائی کا مدار ہے وہ سب ضمنی باتین ہین اور اس آزادی
کے مخترع و موجد خود میر انیس ہین شاعری کی ہر صنف کا شعبہ اُنکے مرثیہ سے
یون ملحق ہو جسطرح عظیم الشان سمندر سے تمام دریاؤن کا تعلق اس اعتبار سے
تمام اصناف سخن اس کل کا جز قرار پاتے ہین اور مرثیہ کے معیار پر اُنکا کلام
پورا اُترتا ہو واقعات تاریخی اور مرویات احادیث کو صنعت مبالغہ اور تصرفات
شاعرانہ سے شاعر نے ہر جگہ بچالیا ہے یہ بات غور کرنے کے قابل ہو کہ بہن
بھائی کی گفتگو ماں بیٹے کی تقریر۔ بیٹے کی لاش پر ماں کے بین۔ بھائی کا بہن سے
رخصت ہونا عزیز و انصار کی شہادت سے اہل حرم کی بیقراری۔ بچونکی پیاس
مجاہدین کی حیرت انگیز جنگ۔ لشکر کفار کی کثرت فوج خدا کی جانبازی مخدرات
عظمے کے خیمون کا جلایا جانا۔ روز عاشورہ کی گرمی۔ امام حسین کے زخمونکی تعداد
کثیر اہل بیت کی گرفتاری سید الساجدین کی قافلہ سالاری دربار یزید کی
بداخلاقی۔ ان سب واقعات سے ثقات راویون کی کتب تاریخ مملو ہین یا نہین
میر مرحوم نے ان حادثات کا عربی علم ادب سے اُردو لٹریچر مین ترجمہ کیا ہے

اور یہ ترجمہ خیالات و جذبات کا ہی محض الفاظ کا ترجمہ نہین ہی شاعر نے اردو
علم ادب کو فصاحت کے آب حیات مین غوطہ دیکر اپنے محاورات و مصطلحات
کی قادر الکلامی دکھائی ہے اور خاندان رسالت کے مراسم اور طرز معاشرت کو
ہندوستان کے ایک شریف خاندان کی طرز معاشرت کے مطابق دکھانے کا
ارادہ کیا ہی اور پھر ان سوانح مین اپنی زبان اور شاعری کا اثر بھرا ہی یہ دیکھنا ہو
کہ اردو ادب مین انکی شاعری کے رموز کن کن جذبات کا پتہ دیتے ہین اور
فصیح عرب امام کے گھرانے کی زبان اور باہم چھوٹے بڑون کا حفظ مراتب یا خاندانی
مدارج کو کسقدر مہذب پیرایہ مین نظم فرمایا ہی اور اسی تخئیل نے کیرکٹر کی اصلی شان
دکھائی ہی کیرکٹر نگاری ایک ایسی صفت ہی جسکا امتیاز ہندوستانی شعرا مین
کمیاب ہی اسلیے میر انیس کی شاعری ابھی تک عوام کی نگاہ سے اوجھل ہی
تلوار کی تعریف اور گھوڑے کی سرعت مجاہدین کی فوق العادت بشری
کارزار کی نسبت مسلمانونکے ایک گروہ خاص کی عقیدت یہ کافی جواب دیتی
ہی کہ جنکی تلوار یا گھوڑے کی تعریف مین شاعر رطب اللسان ہی وہ کون تھے
اور کیسے تھے اگر انکے مرتبہ خاص و اعجاز امامت کی نسبت کچھ شبہ نہین تو
مبالغہ کا اعتراض ہٹا لینے کے قابل ہی۔ دشمنان اہل بیت کا نام و نشان
صفحہ ہستی سے مٹا دینا انکی معجز نمائی کا ایک ادنی کرشمہ تھا مگر وہ مشیت ایزدی
کے پابند تھے اور قدرت کو انکے صبر و استقلال پر اطمینان تھا اسلیے اُس
تین روز کی بھوک اور پیاس مین سوکھی اور اینٹھی ہوئی زبان نے امت رسول
کے لیے کوئی بددعا نہین کی اور ایک قدم بھی میدان امتحان مین طریق ہدایت

اطاعت ایزدی سے باہر نہین رکھا وہ جنت مین اُن پیچیدہ اور ہولناک راستونسے داخل ہوے ہین جسکا نقشہ روز ازل بنایا گیا تھا اور وہ ہمیشہ سے اُس راہ پر چلنے کو تیار تھے آخر قوم کے ناگوار و ناگزیر مظالم سہکر بوڑھے بچے جوان ہنستے کھیلتے شادان و فرحان اس دشوار گذار مرحلے کو طے کر گئے امتحان کی سختیون نے اُنکے دلو نمین کوئی ہراس پیدا نہ کیا۔

صاحب اختیار امام ہمام نے نوجوان گودکے پالے حسینون کی لاشون کو میدان قتال سے اہل حرم کے خیام مقدس تک لائے مین تسلیم و رضا کے منازل طے کیے اور شکایت کا ایک لفظ بھی زبان سے آشنا نہ ہوا۔ شیر خوار چاند کے ٹکڑے کو سید ردحرملہ کے تیرستم کا نشانہ بنانے کو اپنے تھرتھراتے ہوے ہاتھو نپر بلند کردیا اور پھر اُس آسمان امامت کے چمکتے ہوے تارے کی قبر اپنے ہاتھ سے بناکر خدا کا شکر بجالائے اپنے مراتب سے قطع نظر کر کے زمین قبر جناب علی اصغر سے خطاب فرماتے ہین:۔

پہلے پہل چھٹا ہے یہ مان کے کنارے واقف نہین ہے گور کی شب ہائے تار سے
اے قبر ہوشیار مرے گلعذار سے گردن چھدی ہوئی ہے بجا نا فشار سے

سید ہے لال حضرت خیرالنسا کا ہے
معصوم ہے شہید ہے بندہ خدا کا ہے

پہلے مصرعہ کی نیچرل شاعری کے الفاظ صاحبان اولاد کے دلونپر تیر و نشتر کا کام کرتے ہین ہمیشہ کے لیے اپنی ماں کی گود سے علی اصغر کا جدا ہونا درحقیقت اُس شیر خوار کی شہادت کا پہلا ہی روز تھا وہ مرے مصرعہ مین عجب نازک خیالی

صرف فرمائی ہی یون تو کوئی انسان مرنے سے پہلے قبر کی شب تاریک سے واقف نہین ہو سکتا مگر نازک خیال شاعر کا مفہوم کچھ اور ہے یعنی جوان یا بوڑھے صاحبان عقل اصول دینیہ کی رو سے عقوبات بعد الموت کا امتیاز رکھتے ہین لیکن چھ مہینے کے بچے کو قدرت کی جانب سے یہ امتیاز نہین بخشا گیا ہی پس حضرت کا یہ مقصود ہی کہ میرے نادان بچے نے کبھی یہ سُنا بھی نہین ہی کہ قبر کی شب تار ہولناک ہوتی ہے اسلیے زیادہ قابل رحم ہے۔ چوتھا مصرعہ کیا اہل دل سُننے کی تاب لا سکتے ہین اور اس سے بہتر نیچرل شاعری کی اور کیا مثال ہو سکتی ہی۔ واقعہ اصلی مین مبالغہ سے زیادہ دردناک الفاظ کا اثر پیدا کر رہا ہی بیت کی تنقید کو ایک کافی ضخامت کی ضرورت ہی۔ میرا فرزند ہی امام زادہ ہی قابل تعظیم و تکریم ہے یہ کچھ نہین فرماتے معبود حقیقی کی عبدیت کے پابند سید الشہدا فقط یہی ارشاد فرماتے ہین کہ سیّد ہے معصوم ہی شہید ہی بندۂ خدا ہی چارون صفتین اپنی قدرتی بیکسی کی گواہِ عادل ہین ایک صفت کو بھی کوئی نہین کہہ سکتا کہ شہزادہ علی اصغر کے لیے مبالغہ ہی یا مظلوم باپ نے اضطراری حالت سے بیچین ہو کر زمین کو اپنے مرتبہ امامت سے ڈرایا ہے اپنے مدارج و مراتب پر بمقابلہ رضاے الٰہی فخر و مباہات نہین کیا اور اپنے معصوم بچے کے لیے پُردرد مگر اُن معمولی الفاظ مین حفاظت کی التجا کی ہی جو ایک معمولی خدا کا بندہ بھی کر سکتا ہی۔ اس حسن بیان سے دُنیا کا کوئی شاعر جذبات صادقہ کی تصویر نہین کھینچ سکتا ان خیالات کا نظم کرنا صرف میر انیس ہی کا کام تھا تشبیہ اور بہاریہ مضامین کے پُرتکلف استعارون مین تو قریب قریب

ہر شاعر کی طبیعت رنگینیاں دکھا سکتی ہے مگر فصاحت کی بلند چوٹی پر اس راہ
سے پہونچنا ہر شخص کا کام نہیں۔

لہذا ایسے برگزیدہ بارگاہ صمدی کی حمد و ثنا میں کسی مبالغہ کو مبالغہ نہیں
کہہ سکتے میر انیس کے ہر ایک ہیرو کا بام فضیلت اسقدر بلند ہے کہ مبالغہ
کی سیڑھیوں کے ذریعے سے بھی شاعر اُس بلندی پر نہیں پہونچ سکتا اور
سارا مبالغہ اور تمام عنوان تعریف ممدوح کی شان سے پست نظر آتا ہے یہ
فقط میر انیس ہی تھے کہ انھوں نے خاندان رسالت و امامت کے مراتب کو
پہچانا۔ یہ خدمت قسام ازل نے اُنکی ذات میں ودیعت رکھی تھی وہ اُسکو
پورا کر گئے اور اُنکا تمام کلام واقعات اصلی کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں وہ اپنی
قوت شاعری سے تیرہ سو برس کے واقعات کا نقشہ اسطرح کھینچ دیتے ہیں کہ
زمین کربلا کی طنابیں کھنچکر ہندوستان کی سرحد سے ملجاتی ہیں اور چشم بصیرت
کے سامنے وہ نظارہ پیش ہو جاتا ہے۔

میر انیس نے مدح و ثنا کے گلہائے نظم ہمیشہ بزرگان دین اور خاندان رسالت
کے مقدس مزاروں پر چڑھائے ہیں دولتمندوں کے درباروں میں اُنکی نظموں کے
گلدستے باعث آرایش محفل نہیں ہوئے۔

خوشامدانہ مدح سرائی شاعروں کے جذبات اصلی کو نقصان پہونچاتی ہے
ٹینیسن نے بہت مدت تک خطاب ملک الشعرائی قبول کرنے سے انکار کیا
جسکا سبب وہ یہ بیان کرتا تھا کہ بادشاہ وقت کی تعریف میں قصیدے کہنا
پڑینگے اور اس صنف سے میری طبیعت کو لگاؤ نہیں ہے۔

میر انیس مرحوم نے سب سے پہلی مجلس اکرام اللہ خان کے امام باڑے[1] مین پڑھی یہ میر ضمیر صاحب کا دور تھا اور میر خلیق اُنکے ہمعصر تھے۔ امام باڑہ مذکور مین مقررہ مجلسین ہوتی تھین اور یہ دونون صاحب اپنے اپنے کمال کا اظہار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مجلس شروع ہونے سے پیشتر میر خلیق مرحوم نے میر ضمیر مغفور سے کہا مین چاہتا ہون کہ آج آپکے بھتیجے سے بھی کچھ پڑھوا دون یہ اشارہ میر انیس کی جانب تھا میر ضمیر مرحوم نے فرمایا بسم اللہ۔ میر انیس اپنے والد کے حکم سے ممبر پر گئے اور اپنا کلام پڑھکر اہل لکھنؤ پر اپنے انداز نظم و طرز خواندگی کا اثر پھیلا دیا اور اُسی روز سے میر انیس کو مقبولیت عام کا خلعت حاصل ہو گیا۔ نوجوان فرزند رشید نے بوڑھے باپ کو بستر راحت پر آرام کرنے کی مہلت دی اور خود میدان مین نکل آئے۔ حالات زبانی شیخ حسین بخش صاحب[2] تحریر ہوتے ہین۔

میر و مرزا کی یکجا خوانندگی

محمد واجد علی شاہ کی والدہ معظمہ ملکہ کشور صاحبہ مرحومہ نے ایک مجلس قرار دی اور اس مجلس مین دونون صاحبون کو مرثیہ پڑھنے کا حکم ہوا میر صاحب نے کہا کہ مجھے مرثیہ پڑھنے مین کچھ عذر نہین کیونکہ ذاکر امام حسین ہون مگر عذر

---

[1] اکرام اللہ خان کا امام باڑہ لکھنؤ کے محلہ نخاس مین ایک پرانی منہدم عمارت ہے۔ قدامت و عظمت کے صرف آثار باقی رہ گئے ہین لیکن اسوقت بھی بڑے بڑے نامور ذاکرون کے پڑھنے کی مجلسین اسمین ہوتی ہین۔

[2] شیخ حسین بخش صاحب ایک مقدس بزرگوار شرفاء لکھنؤ سے ہین اور خاندان میر انیس کے ارادت مندون مین ہین میر انیس کے یگانہ(?) المعظم میر علی محمد صاحب عارف کی خدمت مین اکثر اوقات بذیل حاضری کا شرف حاصل ہے اور کمال حسن عقیدت رکھتے ہین

اس امر مین ہی کہ ذاکری کی حالت مین دربار کا حفظ مراتب مجھ سے نہو سکے گا البتہ اپنی معمولی پوشاک سے حاضر ہو سکتا ہون۔ میر انیس مرحوم کی یہ درخواست منظور ہوئی۔ دیکھنے والے بیان کرتے ہین کہ جناب مرزا صاحب مرحوم قبائے درباری پر عمامہ باندھے ہوئے تھے اور میر انیس مرحوم اپنے سادہ لباس پر پنجگوشیہ ٹوپی پہنے تھے پہلے مرزا صاحب مرحوم منبر پر تشریف لیگئے اور حسب مقتضائے وقت بادشاہ کی تعریف مین کچھ نظم پڑھکر مرثیہ شروع کر دیا اُسکے بعد جناب انیس مرحوم منبر پر تشریف لیگئے اور یہ سلام شروع کیا۔

غیر کی مدح کرین شہ کے ثنا خوان ہو کر مجرئی اپنی ہوا کھوئین سلیمان ہو کر

جب میر انیس نے سلام کا تیسرا شعر پڑھا۔

زلف اکبر کو جو دیکھا سر نیزہ پر خون موئے سر کھولدیے ماں نے پریشان ہو کر

بس چلمن اُلٹ کر بادشاہ باہر نکل آئے اور بیساختہ فتح الدولہ برق سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیون فتح الدولہ مین نہ کہتا تھا کہ میر انیس لکھنؤ مین ایک ہی شاعر ہین دیکھا تمنے یہ زبان انھین کے لیے خاص ہی بعد ختم مجلس علی نقی خان کو حکم دیا کہ میر صاحب کو دروازے تک رخصت کرنے کا رسم پورا کرین۔ یہ بات غلط مشہور ہو گئی ہے کہ میر انیس نے دربار بادشاہ اودھ مین جانے سے انکار کیا چنانچہ مذکور الصدر واقعہ سے مجلس شاہی مین مرثیہ پڑھنا تو ظاہر ہے اور حسب الطلب دربار کی حاضری بھی ایک دوسری نقل سے ثابت کرونگا۔ میر انیس کچھ ایسے بداخلاق نہ تھے کہ بادشاہ وقت کے حکم کو رد کرتے اور بادشاہ کچھ ایسے ناقدردان نہ تھے کہ ایسے صاحب کمال کو رونق دربار شاہی نہ سمجھتے مگر بات یہ ہے کہ میر مرحوم نے

کوئی شاہی خدمت پسند نہ کی اور نہ کسی خاص سرفرازی کے امیدوار ہوے وہ قدرت کی جانب سے ایسا دل لائے تھے کہ جسکو مال دُنیا کی جانب رغبت نہ تھی - وہ اپنی سادی زندگی کو ایسے تعلقات سے بچاتے تھے جنمین دُنیا دی تزک و احتشام کی ضرورت ہوتی ہے - اہل دُنیا کو جن مراتب سے فخر حاصل ہوتا ہے وہ اُنکے لیے باعث تکلیف قرار پاچکے تھے کیونکہ اُنکے مزاج کی افتاد بے غرضانہ واقع ہوئی تھی اور وہ اپنے مبارک زمانہ حیات کو سنجیدگی سے پورا کرکے ملک عدم کے باشندون مین جا ملے نور اللہ مرقدہٗ -

نقل

ایک مرتبہ شاہ اودھ محمد واجد علی شاہ مرحوم نے چاہا کہ شاہنامہ کے طور پر اپنے خاندانی حالات نظم کرائین - اس خدمت کے لیے چار شاعر مشاہیر سے تجویز فرمائے - فتح الدولہ محمد رضا خان برقؔ - تدبیر الدولہ منشی مظفر علیخان اسیرؔ مرزا مہدی قبولؔ - اور ان چارون صاحبون کی رائے سے پانچوین میر انیس مرحوم اور یہ بات قرار پائی کہ تھوڑا تھوڑا حصہ تاریخ کا ان چارون شعرا پر تقسیم کردیا جائے اس التزام سے کتاب جلد تمام ہوجائیگی اور ہر ہر شاعر کی طبیعت کا رنگ بھی علیحدہ علیحدہ قائم ہوجائے گا غرض میر انیس مرحوم دربار مین طلب ہوے اور یہ تجویز پیش کی گئی میر انیس مرحوم نے بھی اخلاقاً اقرار کرلیا - بادشاہ نے علی نقی خان وزیر کیجانب اشارہ کیا کہ میر انیس مرحوم کے ہمراہ جائین اور صاحب منزل کے کمرے دکھائین جو کمرہ میر صاحب پسند فرمائین اُنکے قیام کے لیے

اسباب راحت وہان جمع کردیا جائے اور یہ کام شروع ہو جائے۔ میر صاحب کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ خدمت اِس پابندی سے لیجائیگی کہ مجھے شب و روز یہان رہنا پڑیگا تو بیدل ہو گئے اور براہ امتثال امر علی نقی خان کے ہمراہ ہوے اور مصاحب منزل کے کمرے دیکھنے لگے نواب صاحب ہر کمرہ دکھاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ یہ آپ کو پسند ہے آخر میر انیس نے پریشان ہوکر فرمایا صاحب ؎

غریبون کی کیا موت کیا زندگی　　جگہ جس جگہ مل گئی مر رہے

آخر مین میر صاحب نے کسی حیلے سے انکار کردیا اور اُس شاہنامہ کا کوئی سلسلہ شروع ہونے نہ پایا تھا کہ زمانہ نے سلطنت کا ورق اُلٹ دیا۔

آن قدح بشکست وآن ساقی نماند　/　صحبتے برخواست مے باقی نماند

مذکور شعر کی تلمیح کو اِس واقعہ سے تعلق ہے اور اِس شعر کے لیے پھر میر صاحب نے پورا اسلام لکھا ہے۔ دیکھو کلیات مطبوعہ میر انیس مرحوم۔ اِس نقل سے بھی دربار بادشاہ مین میر انیس کا تشریف لیجانا ثابت ہے۔ یہ واقعہ زبانی نواب محمد تقی خان تحریر کیا گیا ہے۔

میر صاحب گھر سے بہت کم نکلتے تھے خاص خاص تقریبون یا مجلسونکے علاوہ وہ کسی رئیس شہر کی ملاقات کو کم جاتے تھے۔ میرے والد مرحوم کو میر صاحب کے مزاج مین بہت دخل تھا۔ اکثر سہپہر کو والد کے ہمراہ غریب خانے پر تشریف لاتے تھے راقم کا موروثی مکان لب سڑک ایک عمدہ تفریح گاہ ہے اور میرے نانا حکیم نواب مرزا شوق مرحوم سہپہر کو باہر نشست فرماتے تھے اور اکثر عمائد شہر

اور اہل کمال کا مجمع اُنکی صحبت مین رہتا تھا۔ یہ دلچسپی میر انیس مرحوم کو بھی اکثر وہان پہونچا دیتی تھی۔

نقل

ایک روز میر انیس مرحوم حسب دستور غریب خانہ پر تشریف رکھتے تھے کہ ایک رئیس کی گاڑی سامنے سے گذری۔ رئیس نے کوچوان سے اشارہ کیا کہ گاڑی آہستہ آہستہ لیچلے تاکہ میر صاحب متوجہ ہون تو سلام کرین میر صاحب نے فوراً ارادہ سمجھ لیا اور اُس جانب سے مُنھ پھیر کر کسی اور شخص سے گفتگو کرنے لگے مگر کنکھیون سے دیکھتے جاتے تھے اور والد مرحوم سے پوچھتے جاتے تھے کہ حسین علی گاڑی نکل گئی جب والد نے عرض کیا کہ حضور ہان تو فرمایا لاحول ولاقوۃ کیا مین پریشان ہوا ہون والد مرحوم نے کہا کہ حضور وہ منتظر تھے کہ سلام کرلین کیا مضائقہ تھا جو آپ اُسطرف توجہ فرماتے۔ میر صاحب نے فرمایا کہ اس شخص کی صورت سے مجھے نفرت ہو اسنے سلطنت سے بے ایمانی کی ہے اور ہزارون بیگناہون کی گردن پر چھُری پھیری ہو مین کیا ہون رحمت خدا نے بھی ایسے لوگون کی جانب سے منھ پھیر لیا ہو۔ والد مرحوم فرماتے تھے کہ اس بداخلاقی پر ہمین کبھی کبھی خیال ہوتا تھا مگر اُس روز یہ راز کھل گیا اور ہماری تسکین ہوگئی۔ درحقیقت میر انیس اُن لوگون سے نفرت کرتے تھے جنھون نے دولت حاصل کرنے کیلئے ناجائز طریق عمل اختیار کیا تھا اُنکا قول تھا کہ گناہگارونکے مکروہ چہرے کو دولتمندی کی نقاب نہین چھپا سکتی اور نہ شرافت کے جوہر اصلی کو مفلسی کا مورچہ کھا سکتا ہو معمولی تواضع اور اخلاق سے دولتمندون کا مقصود یہ ہوتا ہو

کہ اُنکی ظاہری کسر نفسی پر فریفتہ ہوکر لوگ اُنکے بڑے بڑے گناہونکو بھولجائین
جو شخص جوا کھیلتا ہی یا کسی کو قتل کرتا ہی اور اُسکی عقوبت مین پھانسی کی رسّی پر
لٹکایا جاتا ہی وہ اصلی مجرم نہین ہی اصلی مجرم وہ شخص ہی جو اپنی دولت کے ذریعہ
سے غریبونکی جانون کا شکار کھیلتا ہے اور ہلاکت تدابیر سے اپنے افراد کو
نقصان پہونچاتا ہے یعنی نوع انسان کے ادنےٰ ترین طبقہ کا ایک دولتمند
اپنی لاڈلی بیٹی کے لیے ایک شریف خاندان کا سید شوہر تجویز کرتا ہی اور اِس
تدبیر سے اپنی آیندہ نسل کے لیے اِس مقدس خطاب کو مول لے لیتا ہی اپنے
خاندانی رشتہ دارون پر حقارت سے نظر کرتا ہی اور اُنکے موروثی حقوق پامال
کرنے کے لیے اپنی دولت صرف کرنے مین دریغ نہین کرتا اور غیر مستحقین کے
ساتھ سلوک و مراعات کر کے اُنکو بھیک مانگنا سکھاتا ہی وہ دُنیا کو بازیگاہ
سمجھتا ہی مگر وہ بازیگاہ جہان قومی ہمدردی کے کھیل نہین کھیلے جاتے بلکہ
ظلم و جبر کے تماشے دیکھنے کو اُسکی آنکھین کھلی ہین یہ تماشے اُسکی مستعار
زندگی کے لیے دل خوش کن ثابت ہوتے ہین۔ مگر اپنے بعد وہ اُس مکروہ
دولت کو اپنے جانشینون کے لیے چھوڑ جاتا ہی جسکو سید کاہشون اور مظالم
یا سیاہکاریون سے جمع کیا تھا اور پھر اُس عظیم الشان دولت کا ایک پیسہ بھی
اُسکے اعمال آخرت کے کام نہین آسکتا وہ سب کا سب شرابخواری اور
سیہ کاری مین صرف ہو جاتا ہے۔ اللھم الا احفظنا

نقل

ماہِ رمضان مین نماز جماعت تحسین کی مسجد مین ہوتی تھی جناب قبلہ و کعبہ

سید تقی صاحب اعلی اللہ مقامہ نماز پڑھاتے تھے اور تمام رؤساء شہر کا مجمع ہوتا تھا مصلّی اپنے اپنے خادمون کے ہاتھ مصلّے پہلے سے روانہ کر دیتے تھے کہ مقررہ مقام پر بچھا کر منتظر رہین میر انیس مرحوم جناب قبلہ وکعبہ کے ہمراہ براہ باغ[1] مسجد مین داخل ہوتے تھے صفوف نماز مرتب ہو چکین صحن مسجد نمازیوں سے مملو ہے ہر شخص آوازۂ تکبیر پر کان لگائے ہوئے ہے کہ ایک رئیس اُس مجمع مین کھڑے ہو گئے میر صاحب نے دیکھا اور ارادہ پہچان کر کسی دوسری جانب مخاطب ہوئے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ کوئی صاحب امیدوار سلام ہین میر انیس مرحوم نے ایک دوسری جانب رُخ پھیر کر فرمایا کہان دوسرے صاحب نے اشارہ کیا کہ اسطرف ملاحظہ فرمائیے میر صاحب نے تیسری جانب رُخ پھیرا اور پھر فرمایا کہ کہان ہین صاحب آخر رئیس صاحب شرمندہ ہوکر بیٹھ گئے اور میر صاحب مسکراتے ہوئے نماز کو کھڑے ہو گئے اِن رازون سے جو لوگ ناواقف ہین وہ ایک اخلاقی کمزوری بتائینگے مگر ہم اِن واقعات کو زیادہ توضیح سے بیان نہین کر سکتے کیونکہ موجودہ نسل کی دلشکنی کا خیال ہے۔

نقل

میرے والد مرحوم ہر مہینے کی سولھوین تاریخ ایک مجلس کرتے تھے اور اُسمین عجیب قسم کا متضاد مجمع ہوتا تھا فقط وہ نظارہ دیکھنے کے لیے لوگ

---

[1] میر صاحب کے مکان سے قبلہ وکعبہ کے باغ مین ایک دروازہ لگا ہے جس راہ سے میر صاحب اکثر قبلہ وکعبہ کی خدمت مین حاضر ہوتے تھے۔

مشتاق ہوکر آتے تھے یعنی میرانیس مرحوم اور مرزا صاحب مغفور اور میرعشق مبرور مع اپنے اپنے خاندانی ممبروں کے تشریف لاتے تھے اور راقم کے بزرگوں کے تعلقات و مراسم ان سب بزرگوں کو ایک جگہ جمع کر دیتے تھے کیا خوش نصیب تھے وہ لوگ جنھوں نے یہ صحبتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور ایسے مقدس اہل کمال کے دیدار سے فیضیاب ہوئے۔

نقل

شہر کے ایک رئیس زادے میر صاحب کے شاگرد تھے اور مرثیہ پڑھنے تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک روز حسب دستور مرثیہ کی مشق کر رہے تھے ایک مصرعہ کو میرانیس مرحوم نے تین مرتبہ بتایا مگر نواب صاحب سے وہ انداز ادا نہ ہوسکا میر صاحب نے مرثیہ ہاتھ سے چھین لیا اور فرمایا ایسے بیغیرتوں کو مرثیہ پڑھنا نہیں آتا ہے بیکار اپنا عیش کا وقت خراب کرتے ہو اور میرا دماغ پریشان ہوتا ہے جاؤ لپنے باوا سے کہو کہ تمھیں اس عذاب سے چھڑائیں اور رئیس کے بڑھاپے پر رحم کریں مصرعہ یہ تھا:۔

کھینچے جو کمان دے نہ امان سیل دمان کو

اس مصرعہ کے وہ تینوں لفظ جن پر مین نے نشان کر دیا ہے اُنپر زور دیتے تھے اصول خوانندگی کے ساتھ ساتھ صنعت شاعری کا اظہار مقصود تھا نواب صاحب کو بہ سبب عدم مذاق شاعری مصرعہ کی صنعت کا لحاظ نہیں رہتا تھا تو پڑھنے کی ترکیب کیونکر بآسانی ذہن نشین ہوتی۔ والد مرحوم فرماتے تھے کہ

میر صاحب اس مسجع مصرعہ کے مقفے الفظون پر زور دینے کے بعد ایک قابل وقفہ دیتے تھے وہ زمانہ نواب صاحب سے قائم نہین رہ سکتا تھا۔

نقل

ایک نواب صاحب میر انیس مرحوم کی خدمت مین مرثیہ کی مشق فرما رہے تھے اتفاق سے کھجانے کی ضرورت ہوئی ضبط نہ کر سکے دامن ہٹا کر پیٹ کھجانے لگے میر صاحب نے کنکھیون سے دیکھا اور خاموش ہو رہے مگر نواب صاحب کا کھجانے کا سلسلہ دیر تک جاری رہا تو میر صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا۔ رکھدو مرثیہ اور پہلے اچھی طرح کھجا لو۔ مرثیہ پڑھنے سے اور اس بدتمیزی سے کیا علاقہ نواب صاحب نے معافی چاہی میر صاحب نے فرمایا نہین صاحب کھجائیے اور اچھی طرح کھجائیے آپ نے مرثیہ کی تعلیم ڈھرپد اور ٹپہ کی تعلیم سمجھی ہے کہ گاتے بھی جاتے ہین اور کھجاتے بھی جاتے ہین۔

ایسے ایسے موقع ہین جہان میر انیس مرحوم کی نازک مزاجی بد تہذیبی کی متحمل نہین ہوتی وہ بڑے با اثر شخص تھے اُنکے غصے کے وقت بڑے بڑے صاحب اقتدار لوگ آنکھین نیچی کر لیتے تھے اُنکی ایک ڈانٹ نے دوشالہ اوڑھنے والون کو پائین فرش جوتون کے پاس بٹھا دیا ہے وہ ممبر پر پہونچکر اپنے جذبات غیض کو روک نہین سکتے تھے اُنپر ایک عالم محویت طاری ہوتا تھا اور اُنکا نشۂ کمال اُنکو عالم قدس کی اُس بلندی پر پہونچا دیتا تھا جہان سے اہل دول کی شان نہایت پست دکھائی دیتی تھی۔

وہ چاہتے تھے کہ دوران مرثیہ خوانی مین کوئی صاحب آئین تو جہان جگہ ملے وہین بیٹھ جائین اور اکثر فرماتے تھے کہ اگر انیس کے مشتاق ہونگے تو پہلے سے تشریف لاکر کشمکش کی زحمت اُٹھائینگے ورنہ صاحب خانہ اور بانی مجلس کی خاطر سے آنے والے قدردان انیس نہین ہین اور نہ انیس کو اُنکے حفظِ مراتب کی ضرورت ہو۔

نقل

دوران مرثیہ خوانی مین ایک رئیس مجلس مین تشریف لائے اور چاہا کہ کسی طرح مجمع کو طے کر کے منبر کے قریب پہونچ جائین میر صاحب ارادہ سمجھ گئے اور اپنی رعب دار آواز سے فرمایا کہ بس وہین بیٹھ جاؤ ایک قدم آگے نہ بڑھانا رئیس صاحب نے وہین غوطہ مارا اور جہانپہونچے تھے پاس آرام سے بیٹھ گئے یہ قبولیت کلام اور شہرت کمال کا اثر تھا۔ اُنکے کلام کے مشتاق تین تین سو میل کا سفر کر کے مشہور مجلسون مین شرکت کی غرض سے آتے تھے اور بعد ختم مجلس فوراً چلے جاتے تھے اُنمین اکثر گورنمنٹ سروس تھے جو ملازمت کی وجہ سے پابند اوقات تھے۔ قدردان سخن میر انیس کی بے اعتنائی کی پروا نکرتے تھے

غزل گوئی

میر انیس کا غزلیہ کلام صرف چند تذکرون مین نہایت مختصر پایا جاتا ہو اور اسمین بھی تواتر واقع ہے اور ظاہر ہوتا ہو کہ اہل تذکرہ نے تیمّناً اور تبرکاً تلاش کی ہے خود میر انیس نے اپنی غزلونکی اشاعت کبھی نہین چاہی اور

نہ اپنا کلام کسی تذکرہ نویس کو دیا۔ تذکرۂ سراپا سخن ایک مبسوط تذکرہ ہے اور لکھنؤ کے ایک نامی شاعر محسن علی محسن کی تالیف ہے میر و سودا سے لیکر آتش و ناسخ کے دور آخر تک کے شعرا کا مجمع ہے مگر اس مجمع مین ہمارا ہیرو نہین دکھائی دیتا یہانتک کہ میر انیس کے دو بھائی انس و مونس بھی موجود ہین معلوم ہوتا ہے کہ میر انیس کو اس عامیانہ شاعری سے نفرت ہو گئی تھی اُنکے پرواز ذہن کے لیے ایک کافی فضا کی ضرورت تھی اور اُنکے شاعرانہ خیالات تنگناے غزل گوئی مین قید تھے جو مرثیہ کے غیر محدود دائرے مین گھبرا کر نکل آئے اور اس فضاے وسیع مین اُنکو مظاہر قدرت کے ایسے نُدرت خیز نظارے محسوس ہوے جو متقدمین کی نگاہون سے اوجھل تھے۔ اُنھون نے ایک ایک کو چشم حقیقت نگر کا منظر بنا لیا ہمارا یہ مطلب نہین ہے کہ میر انیس مرحوم نے کبھی غزل نہین کہی کیونکہ غزل ہی بام شاعری کا پہلا زینہ ہے اور ابتداءً کل طبیعتون کو تغزل ہی سے لگاؤ ہوتا ہے اور اس مشق سے انسان جملہ اصناف شاعری پر قدرت حاصل کرتا ہے۔ میر انیس مرحوم اس زینہ کے ذریعے سے شاعری کے بلند ترین منازل پر پہونچے مگر پھر ترقی پسند طبیعت نے پیچھے پلٹنا گوارا نہ کیا۔ اُنکے سامنے ایک ایسا راستہ تھا جس سے وہ مقاصد شاعری کی سب سے اونچی چوٹی پر پہونچ گئے۔ عنفوان شباب کا زمانہ جو فیض آباد مین گذرا ہے اُسمین بڑے بڑے مطارحات کی نوبت آئی ہے چنانچہ میر علی حسن صاحب اشک حیدرآبادی فرماتے تھے کہ اُنکا غزلیہ کلام ہمعصرون مین بڑی قدردانی کی نظر سے دیکھا جاتا تھا مگر میر انیس نے اپنی اس صنعت

شاعری پر اظہار فخر و مباہات نہین کیا وہ اس معاملے مین بالکل خاموش تھے چنانچہ مرزا غالب مرحوم سے لکھنؤ مین جب میر انیس کی ملاقات ہوئی اور مرزا صاحب نے غزل سُننے کا شوق ظاہر کیا تو میر انیس مرحوم نے صنف غزل گوئی کا ابتذال ظاہر کر کے اکثر سلاموں کے مطلع اور شعر سُنائے جو تغزل کے رنگ مین صنف غزل سے بدرجہا بلند و مضمون خیز تھے اور مرزا صاحب سے دل لگی مین مرثیہ کہنے کی فرمائش بھی کر دی۔ میر انیس کا مقصود یہ تھا کہ غالب سا شاعر غالب بھی مرثیہ کی فکر کر کے دیکھ لے کہ یہ راستہ کسقدر دشوار گذار ہے چنانچہ مرزا غالب مرحوم نے صرف تین بند مرثیہ کے بڑی کاہش و کاوش سے لکھے ہین اور میر صاحب کے پاس اصلاح کو روانہ کیئے ہین اور اُسکے ساتھ جو خط ہے اُسکی عبارت یہ ہے:-

امتثال امر سے مجبور تھا صرف تین بند لکھکر جو غور کیا تو مرثیہ کا ہیکل ہے دا سوخت معلوم ہوتا ہے اصل بات تو یہ ہے کہ یہ آپ ہی کا کام ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ غزل کا اصلی مقصود کیا ہے لغت مین اسکے معنی ذکر معشوق و ذکر شباب کے آئے ہین۔ شق اول مقدس شعرا کے لیے رکیک و مبتذل ہے جنکا کلام بازار کے سودے کیطرح فروخت نہین ہوا اور نہ دولت کی طمع نے اُنکے استقلال کو جنبش دی۔ شق ثانی کو انھون نے مرثیون اور سلامون مین بلند خیالی سے برتا ہے۔ غزل مین کیا چیز ہے جو سلامون مین نہین پائی جاتی علم معانی و بیان کا تصرف حکیمانہ خیالات کے ساتھ ساتھ تشبیہ و استعارات کی رنگینیون سے کلام باغ و بہار ہو رہا ہے واضع فن شاعری نے مفہوم غزل کی

واقفیت کے لیے ایک کلیہ قائم کیا تھا (سخن بزبان گفتن) شاعری کی ترقی نے اُسے توڑ دیا۔ تغزل کے اصلی معنی عامیانہ شاعری مین پائے جاتے ہین فلسفیانہ شاعری کا مقصود مسائل حکمیہ ہین جب ارسطو کا فلسفہ اور اُسکے محاکات دور آخر کی ترقی سے پامال ہورہے ہین اور تحقیقات جدیدہ ایجاد و ترمیم مین مصروف ہے تو بنیاد غزل کا کمزور کلیہ کس شمار مین تھا۔ یہ راستہ وہی اختیار کریگا جسکا علم دائرہ تحقیق مین محدود ہوا ور فلسفہ وادب کے علوم متنوعہ کے ماہر مظاہر قدرت و جذبات صحیحہ کو جولانگاہ شاعری بنائے ہوئے ہین اُنکا طائر خیال فضائے عالم بالا کے سوا پستی کی جانب رُخ نہین کرتا۔

ہر صنف کے شاعرون کو ماننا پڑیگا کہ میر انیس مرحوم کے آفتاب کمال نے نصف النہار ترقی پر پہونچکر ایسی تند و تیز شعاعین زمین پر پھیلا دین جسکے سامنے تمام اصناف سخن کی روشن شمعین جھلملانے لگین اسلیے ہم بھی اُنکی غزل گوئی سے قطع نظر کرکے صنف مرثیہ پر اپنی رائے ظاہر کرینگے اورجہانتک ہماری معمولی لیاقت علمی کی رسائی ہوگی تنقید کی کوشش کرینگے انشاء اللہ تعالےٰ

تعداد مراثی

میر انیس کے مرثیون کی تعداد کوئی بتا نہین سکتا اور نہ وہ خود بتا سکے بزرگون سے سُنا ہی کہ ایک ہزار تک نوبت پہونچی ہی جناب اشہری اپنی کتاب مین بحوالہ تذکرہ آب حیات دس ہزار مرثیون کی تعداد تحریر فرماتے ہین اور اپنی ایک نظم مطبوعہ رسالہ مخزن مین ڈھائی لاکھ اشعار کی مقدار تصنیف

لکھی ہے مگر میرے نزدیک یہ تحقیقات قابل اطمینان نہین اور شاید کوئی محقق اسے قبول نہ کریگا میر انیس کی چھیتر برس کی عمر مین اگر ساٹھ سال مشق سخن کے لیے قرار دیے جائین اور ہر مہینے مین دو مرثیہ تصنیف کرنے کا پیمانہ مقرر کیا جائے تو ساٹھ برس مین چودہ سو مرثیون کے قریب تعداد تصنیف قرار پاتی ہو۔ سلام اور رباعیون کا ذکر نہین اور یہ اندازہ بالکل خلاف قیاس ہے۔ میر انیس کو دس ہزار مرثیون کا مصنف بتانا بالکل معجزہ یا کرامت کا ظاہر کرنا ہو کوئی انسان اس التزام سے اپنی حیات مین کسی کام کو انجام نہین دیسکتا دنیا کے حوادث افراد انسانی کو مجبور کرتے ہین کہ وہ وجوب و مستحبات کو ترک کر دین نہ کہ مشاغل و فرائض دنیوی ایسے محققون کی تحقیق کو مین الہامی تحقیقات کہتا ہون جو طاقت بشری سے باہر ہو اور اس دلیری پر افسوس کرتا ہون میری تحقیقات مین ایک نقل قابل بیان ہو جس سے میر انیس مرحوم کی تعداد تصنیف کا کچھ پتا چلتا ہے۔

نقل

میر سلامت علی صاحب لکھنؤ مین ایک بزرگ تھے جنکو میر انیس مرحوم کا کلیات جمع کرنے کا شوق تھا اور اُنھون نے اپنی تلاش سے میر انیس کا اکثر ایسا کلام بہم پہونچایا تھا جو خود میر انیس کے پاس نہ تھا میرے والد مرحوم فرماتے تھے کہ ایک روز مین میر انیس کی خدمت مین حسب دستور حاضر تھا کہ میر سلامت علی صاحب آئے اور میر صاحب کی تصنیفات کا ذکر چھڑ گیا میر انیس نے مسکرا کر دریافت کیا کہ کیون صاحب میرا کلیات تو اب آپ نے

جمع کرلیا ہوگا میر سلامت علیصاحب نے عرض کیا کہ حتے الامکان تو ہین نے کوشش بلیغ کی ہے پھر میر انیس نے فرمایا کہ بھلا جناب عون و محمد کے حال کے کتنے مرثیے آپکے پاس ہین - میر سلامت علی صاحب نے مطلعے پڑھنا شروع کیے دس پندرہ مطلعون کے بعد میر انیس مرحوم نے فرمایا کہ اچھا اب آپ خاموش رہین مین مطلعے پڑھتا ہون اور آپ اقرار کرتے جائیے پھر میر انیس مرحوم نے مطلعے شروع کر دیے - میر سلامت علیصاحب حیرت سے میر صاحب کا منھ دیکھ رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ یہ مرثیہ میرے پاس نہین ہے آخر میر انیس نے مسکرا کر فرمایا کہ بس اسی تحقیقات پر آپکو فخر ہے - بھائی کس پھیر مین پڑے ہو واللہ انہین کو خود معلوم نہین کہ اُسکی تصنیف کی حد کیا ہی پھر میرے والد مرحوم سے مخاطب ہو کر فرمایا میر حسن علی مجھے گمان واثق ہے کہ فیض آباد سے لکھنو تک میری تصنیف مین جناب عون و محمد کے حال کے مرثیے دو سو سے زیادہ ہو نگے کیونکہ مجھے ابتدائے عمر سے اس حال سے دلچسپی رہی ہے اور میرے کلام کا معتدبہ حصہ اسی حال مین ہے -

سبحان اللہ آج ہم دیکھتے ہین کہ مرثیہ گو کون کو دس بیس مرثیہ تمام عمر کی کائنات مین باعث فخر و مباہات ہوتے ہین وہ کیا لوگ تھے کہ جنھون نے تصنیفات کے دریا بہا دیے اور پھر اُس دریا کا کنارہ خود نہ بتا سکے آج اگر کوئی شخص سوال کرے کہ وہ سب مرثیے کہان ہین تو اسکا جواب ہمارے پاس نہین ہی -

کثرت تصنیفات سے اُنکے کلام کی حفاظت نہو سکی - آمد طبیعت کا یہ حال تھا گویا ایک دریائے مواج لہرین مار رہا ہی جس مرثیہ کو دیکھیے ہجوم مضامین

مالامال ہے طبیعت مین کسی جگہہ عجز پیدا نہین ہوتا جس زور شور سے مطلع شروع کرتے ہین اُسی قوت کے ساتھہ مقطع تک پہونچا دیتے ہین بنظر غائر کلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی وقت مین پورا مرثیہ تمام کردیا ہی ضخامت دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذہن کسی مقام پر جھکتا نہین جس سلسلے کو اُٹھاتے ہین رو مین بیس بیس بند کہتے چلے جاتے ہین جتنا آگے بڑھتے ہین نظم مین زور اور طبیعت کا جزر و مد بڑھتا جاتا ہی ہر مرثیہ ثابت ہوتا ہی کہ گھوڑے یا تلوار کی تعریف مین بند آخر ہے پھر اُسکے بعد دوسرا بند اس زبردست قوت سے شروع ہوجاتا ہی کہ پہلے بند کے محاسن کو محو کردیتا ہے۔ سُنا جاتا ہی کہ اُنکے بہت حصہ ہاے نظم ناتمام بھی رہ گئے ہین اور اکثر سے میر مونس مرحوم نے فائدہ اُٹھایا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

میر انیس کا دربار تاچھوٹی

زوجہ میر ضمیر مرحوم کی تقریب چہلم مین میر انیس مرثیہ پڑھ رہے تھے رؤساء اور اکابر شہر کے علاوہ شعراے کاملین کا بھی مجمع تھا خواجہ حیدر علی آتش اور شیخ امام بخش ناسخ بھی موجود تھے۔ میر انیس کا یہ مرثیہ رنگ دے رہا تھا

آمد ہے کربلا کے نیستان مین شیر کی

تلوار کی تعریف مین جب اس بیت کے پڑھنے کی نوبت آئی

اشراف کا بناؤ رئیسونکی شان ہے ۔ شاہونکی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

تو خواجہ آتش کی جانب مخاطب ہوکر میر انیس نے کہا کہ اس بیت کی داد آپ سے

چاہتا ہون خواجہ آتش کی آزادی اور شوریدہ مزاجی مشہور ہے یہ پہلے سے جھوم رہے تھے اور عالم وجد طاری تھا جب یہ بیت میر انیس نے پڑھی تو نصف قد سے کھڑے ہو گئے اور بآواز بلند کہا کہ کون بیوقوف کہتا ہے کہ تم محض مرثیہ گو ہو۔ واللہ ثم باللہ تم شاعر گر ہو اور شاعری کا مقدس تاج تمھارے سر کے لیے موزون بنایا گیا ہو۔ خدا مبارک کرے۔

نقل

آٹھوین محرم کو ایک مجلس میر انیس نواب علی نقی خان کے یہان پڑھتے تھے ایک روز حسب معمول مجلس شروع ہونے کا وقت آیا تو نواب صاحب نے وزیر خان چیلے کے ہاتھ میر انیس کو پیغام بھیجا کہ مین اسوقت درد سر کے سبب نہایت بیچین ہون حاضری مجلس سے معاف فرمایا جاؤن میر صاحب نے جواب دیا کہ آج میرا مزاج بھی درست نہین مناسب ہے جو مجلس موقوف رکھی جائے انشاءاللہ سال آیندہ دیکھا جائے گا۔ نواب صاحب گھبرا کر باہر نکل آئے اور میر صاحب سے معافی مانگی اور اُسی تکلیف مرض مین آخر مجلس تک بیٹھے رہے۔

نقل

ایک مجلس مین میرے اُستاد مرحوم میر نفیس اعلی اللہ مقامہ اپنا نیا مرثیہ پڑھ رہے تھے اور سامعین مین کاملین کا مجمع تھا ؎ آشفتہ گیسوے دل آرام سخن ہون ۔۔ یہ مرثیہ رنگ دے رہا تھا۔ میر انیس زیر منبر تشریف

رکھتے تھے فرزند رشید کے مضامین شاعرانہ کی داد دیتے جاتے تھے۔ انتہائے سرور سے جھوم رہے تھے۔ مجلس کے ایک گوشے مین چند شعرا آپس مین کچھ سرگوشیان کرنے لگے۔ میر انیس کا خیال اہل مجلس کی جانب رجوع رہتا تھا انکو یہ حرکت ناگوار گذری اور شبہہ ہوا کہ کلام پر کچھ نکتہ چینی ہو رہی ہی آخر رگ ہاشمی کو حرکت پیدا ہوئی اور زانو ٹیک کر نصف قد سے کھڑے ہو گئے اُن صاحبون کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ گیارہ شعر کی غزل نہین ہی جس مین کنگھی چوٹی کا ذکر کر کے دل خوش کر لیتے ہو۔ اس میدان مین شاعر قدم رکھے تو کلیجہ خون ہو کر بہ جاتا ہی۔ وہ دن گئے کہ مرثیہ گوئی پر حقارت سے نظر ڈالی جاتی تھی انیس نے اس صنف کو تمام اصناف سخن پر فوق دیدیا ہے۔ پھر صاحبزادے کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا کہ خورشید علی مین نے تمسے سو مرتبہ کہا ہے کہ ایسے نالائقون کے سامنے مرثیہ پڑھنا مضامین شاعرانہ کی توہین ہے تمنے میرا کہنا نہ مانا اور آخر کو یہ خمیازہ کھینچنا پڑا۔ سبحان اللہ میر انیس کیا باثر شخص تھے اور کیا خداداد دبدبہ رکھتے تھے کہ اتنا کچھ سُنکر بھی اہل مجلس کی زبانین بند ہو گئی تھین اور آنکھین نیچی تھین رؤسا و شرفا تالیف قلب مین مصروف تھے بیحد خوشامد و عاجزی سے اصلاح مزاج کی گئی تو فرزند رشید کیجانب مرثیہ پڑھنے کا اشارہ کیا۔ لکھنؤ مین چند شاعر ایسے بھی بیان کیے جاتے ہین جو میر انیس پر در پردہ اعتراضون کے حملے کرتے رہتے تھے اور اس مجلس مین اُنھین کیجانب میر انیس کا روے سخن تھا۔

نقل

آغا سیّد صاحب شرفاے لکھنؤ سے ایک شخص ہین اور ابتک بفضلہ زندہ سلامت ہین لکھنؤ کے محلۂ منصور نگر مین تشریف رکھتے ہین اُنکا ایک حیرتناک واقعہ مشہور ہے۔ آغا صاحب کو میر انیس مرحوم سے کمال عقیدت تھی اور روزمرہ کی حاضری داخل وضع کر لی تھی۔ ایک روز دیرینہ حقوق پہ بھروسا کرکے میر صاحب سے نئے مرثیے کے طالب ہوے۔ بھلا میر انیس اور طلب مرثیہ یہ دشوار امر تھا۔ میر صاحب نے کچھ روز بلطائف الحیل ٹالا آخر آغا صاحب کو یقین ہو گیا کہ کامیابی غیر ممکن ہی ناراض ہو گئے اور میر انیس کی خدمت مین آنا چھوڑ دیا تھوڑے دن کے بعد خبر اُڑی کہ میر انیس کا فلان نو تصنیف مرثیہ شایع ہو گیا بشتاقون نے میر انیس کی خدمت مین آکر دریافت کیا میر صاحب نے بالکل انکار فرمایا لوگون نے مرثیہ لاکر دکھادیا میر صاحب کو کمال حیرت ہوئی اور میر سلیس مرحوم پر شبہہ گذرا کہ انھون نے شایع کر دیا ہی کیونکہ انکی آزادیان اُسوقت قابل اعتراض تھین مگر جب یکے بعد دیگرے مرثیون کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہو گیا تو میر انیس کو نہایت حیرت اور صدمہ ہوا مگر کسی طرح کوئی قابل اطمینان سُراغ نہ ملا۔ ایک روز آغا سیّد صاحب خود میر صاحب کی خدمت مین آئے اور کہا کہ حضور ناحق بیگناہون پر شبہہ کرتے ہین یہ مجھ نالائق کا فعل ہی۔ میر صاحب نے کہا کہ صاحب آپکو میرا نیا مرثیہ کیونکر ملجاتا ہے اور اگر مل بھی جاتا ہی تو اس سے کیا فائدہ کہ آپ اُسکو کوچہ بکوچہ شایع کر دیتے ہین آغا صاحب نے عرض کیا کہ یہ ایک حیرت انگیز قصہ ہی اگر آپ یقین کرین تو مین بیان کرون میر صاحب نے فرمایا ضرور بیان کیجیے مین نہایت مشتاق ہون آغا صاحب نے

اپنا قصہ شروع کیا۔

جب حضور نے مجھے مرثیہ دینے سے انکار کیا تو مجھے نہایت صدمہ ہوا اُس شب کو مین بہت رویا اور اُسی حالت گریہ وزاری مین میری آنکھ لگ گئی تو مین نے دیکھا کہ ایک بزرگ نقاب پوش میرے سرھانے کھڑے ہین اور سبب رنج وغم دریافت فرماتے ہین اُس عالم مین بھی میری زبان سے یہی نکلا کہ جناب میر صاحب نے مرثیہ دینے سے انکار کیا اُن بزرگ نے فرمایا کہ تجھے میر انیس کے مرثیون کا شوق ہے تو ہم تجھے دیتے ہین۔ یہ کہکر اپنا دست مبارک میرے سینے پر پھیرا اور میری آنکھ کھل گئی مگر مجھے سخت حیرت تھی کہ الٰہی یہ کیا خواب ہے اور اسکی تعبیر کیا ہوگی کہ دفعتًا میرے دماغ پر اک روشنی پڑی اور مجھے محسوس ہوا کہ مین اپنے حافظے سے بہت بڑا کام لے سکتا ہون اور برسون کے نسیاً منسیا واقعات کی جانب سلسلۂ خیال دوڑنے لگا اُسی روز آپکے پڑھنے کی ایک مجلس تھی مین حاضر ہوا اور اپنے حافظے کے ذریعے سے تمام وکمال مرثیہ حفظ کر لیا اور اُس روز سے برابر یہ سلسلہ جاری ہے میر انیس کو جب اس رویاے صادقہ کی صداقت کا یقین ہو گیا تو گردن جھکا کر فرمایا کہ اس معاملہ مین انیس مجبور ہے مگر میر انیس کی بیچینی سے متاثر ہو کر آغا صاحب نے اس حرکت سے دست برداری اختیار کی اور میر انیس سے معافی مانگی۔

اس قصے کو لوگ مختلف طریقون سے بیان کرتے ہین۔ ایک خوش اعتقاد آدمی کے سکوت کو اُسکا حسن اعتقاد کافی ہے مگر نئی روشنی کے تعلیم یافتہ نوجوان جنکا دماغ معقولات کا خزانہ بنا ہوا ہے وہ ذرا رنگ لائین گے

یہان بھی میری طبیعت بغیر استدلال نہین رہ سکتی۔ مخلوقات عالم مین انسانی ہستیان نمایان قدرتون کی مالک ہین۔ خلّاق عالم نے اپنی شان قدرت کا مظہر انسان ہی کو بنایا ہو۔ افراد انسانی سے فوق العادت بشری واقعات کا وقوع پذیر ہونا تسلیم ہے گوشت کے لوتھڑون اور خون کے سیال مادہ سے بنا ہوا انسان علم نیرنجات کا نمونہ ہو۔ ارسطو کے اقوال مین موجود ہو کہ اُس کا ایک شاگرد جو محض جاہل تھا کتب متداولۂ فلسفہ کا حافظ تھا۔ انسان کے دماغ کا ظرف اپنے اِس مختصر پیمانہ کے خلا مین علوم متنوّعہ کے خزانے جمع کر سکتا ہو۔ دانشوران یونان کا قول ہے کہ انسان علم تسلسل خیالات کے ذریعے سے اپنے حافظے کو بڑھا سکتا ہے اور ایک خاص مشق سے جسکے اصول فلاسفہ نے اپنی تصنیفات مین قلمبند کیے ہین انسانی یادداشت ترقی پذیر ہو سکتی ہو۔ قدرت نے انسان مین قوا موذعہ یکسان تقسیم کیے ہین مگر ہر انسان اُن قوا مین مقابلتاً ایک امتیازی شرف رکھتا ہو۔ کسی کی تخئیل زبردست ہو تو کسی کا تصوّر قوی ہو۔ کسی کا ادراک و احساس مشرف ہو تو کسی کا حافظہ ممتاز ہے جو قوت انسان مین قوی الحس ہو اگر مشق کے ذریعے سے اُسمین جلا کیجائے تو حیرت انگیز ترقی حاصل ہو سکتی ہو اور اُسکی مثالین کتب تاریخ وسیر مین نمایان طور پر پائی جاتی ہین۔ ابوالفضل کے حالات مین یہ عجیب و غریب نقل موجود ہے کہ جو کوئی شاعر دربار اکبر مین قصیدہ پڑھتا تھا وہ ابوالفضل کو یاد ہو جاتا تھا اور مصنف کو شرمندہ کرنے کے لیے وہ دعوی کرتا تھا کہ میرا کلام ہو اور پھر اپنے حافظے کے بھروسے پر سارا قصیدہ زبانی پڑھکر سُنا دیتا تھا

شاعر بیچارہ محجوب ہوکر دربار سے نکالا جاتا تھا۔ جب مرزا محمد علی صائب ایران سے ہندوستان میں آئے اور بادشاہ ہندوستان کے دربار میں قصیدہ خوانی کی نوبت آئی تو اُنکو پہلے سے اِس حکمتِ عملی کی خبر ہو گئی تھی۔ قصیدہ شروع کیا اور ایک مصرعہ پڑھکر خاموش ہو گئے اور پھر حاضرین کیجانب مخاطب ہوکر کہا کہ اگر یہ قصیدہ کسی صاحب کا ہو تو مہربانی فرماکر دوسرا مصرعہ پڑھیں ورنہ اُنکے کمال کی قلعی کھل جائیگی۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے کہ اس دربار میں حافظ بھی موجود ہیں جو دوسرون کا کلام یاد کرکے اُسکے مالک بنجاتے ہیں۔ اس صورت میں صائب کو کامیابی ہوئی اور ابوالفضل کی چالاکی کا راز اہل دربار پر کھل گیا۔

یہ بھی قاعدہ ہے کہ مورخین ایسی نقلون کو منافی عقل اور ناقابل قبول سمجھکر واقعات سے خارج کر دیتے ہیں مگر یہ بہت بڑا تاریخی نقص ہے جو مورخ یا تذکرہ نویس کو مجرم ٹھہراتا ہے یہ کیا ضرورت ہے کہ جو واقعہ ہمارے نزدیک منافی عقل ہے ساری دنیا کے نزدیک ناقابل قبول سمجھا جائے۔ فرض کیجیے کہ ہمارا ذہن غلطی کرتا ہو تو اس غلطی سے واقعات تاریخی میں بہت بڑی فروگذاشت ہوتی ہے جو کتاب کو نامعتبر اور ناقابل پسند بناتی ہے یہان مجھے ایک مثال یاد آگئی جسپر اہل علم کی نگاہیں اُٹھ جائینگی۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں شہر خنسا میں پہونچکر قاآن چین کے دربار میں جو تماشے دیکھے ہیں منجملہ اُسکے ایک نقل یون بیان کرتا ہے۔

اُس رات شعبدہ باز بھی آئے وہ قاآن کے غلام تھے امیر نے اُنسے

کہا کہ ہمین کوئی عجیب تماشہ دکھاؤ اُنمین سے ایک شخص نے لکڑی کا گیند ہاتھ
مین لیا اُسمین سوراخ تھے اور سوراخون مین لمبے لمبے تسمے لٹکتے تھے شعبدہ باز
نے گیند کو آسمان کیطرف پھینکا گیند نظر سے غائب ہوگیا۔ ہم محل کے چوک مین
کھڑے تھے گرمی کا موسم تھا جب اُسکے ہاتھ مین تسمے تھوڑے سے باقی رہگئے
تو اُسنے اپنے ایک شاگرد کو اشارہ کیا وہ تسمے پکڑکر لٹک گیا اور ہوا مین چڑھنے
لگا اور نظروںسے غائب ہوگیا پھر اُستاد نے شاگرد کو پکارا وہ نہ بولا تو اُستاد
ایک چھری ہاتھ مین لیکر اُن تسمون کے ذریعے سے اوپر چڑھ گیا اوپر سے پہلے
شاگرد کا ایک ہاتھ کٹ کر گرا اور پھر دوسرے اعضا یہانتک کہ سر اور دھڑ
بھی مقتول کا زمین پر گرا۔ اُستاد پہلے نیچے اُترا اور تسمون سے پھنکارے مارتا
تھا کپڑے خون مین لتھڑے تھے۔ اُسنے بادشاہ کے سامنے زمین کو بوسہ دیا
امیر نے اُسے انعام کا حکم دیا پھر اُسنے اُن بُریدہ اعضا کو جوڑکر مُردہ انسان کو
زندہ کردیا۔

یہ نقل سفرنامہ ابن بطوطہ[۱] مین موجود ہے اور اِس تماشے کی تصدیق مختلف
ذرایع سے ہوتی ہے۔ ایڈورڈ ملٹن سنہ ۱۶ ع مین ذکر کرتا ہی کہ ملک جہانگیر وادین
اُسکے سامنے ایسا تماشہ دکھایا گیا اور سیر المتاخرین کے مصنف نے بھی اپنی
کتاب کی جلد اول صفحہ (۲۴۳) مین یہ واقعہ درج کیا ہی۔

تزک جہانگیری مین بادشاہ جہانگیر اپنی آنکھ سے اِس واقعہ کو دیکھا ہوا
بیان کرتا تھا اور اُسکی قوت مشاہدہ مسلمہ ہی اور یہ امر ثقات مین مان لیا گیا ہی

[۱] دیکھو سفرنامہ ابن بطوطہ مترجمہ خان بہادر مولوی محمد حسین ایم۔ اے جلد دوم صفحہ ۱۴۳

کہ جہانگیر میں مبالغہ کی عادت نہین - اب مترجم سفرنامہ نے جو اپنی تالیف پر حاشیہ چڑھایا ہو اُسمین صاف طور پر لکھدیا ہو - مجھے جو تزک جہانگیری کا نسخہ ملا وہ اتفاقاً علیگڈھ کا چھپا ہوا تھا اور اسلیے مجھے یہ عبارت سیر المتاخرین سے لینا پڑی - تزک جہانگیری مطبوعہ علیگڈھ کے نسخہ سے سید احمد خانصاحب نے یہ مقام نکال ڈالا ہو - کسی غیر کی کتاب مین یہ تصرف ہر طرح مذموم ہو ایڈیٹر یا محشی یا نقل کرنے والے فقط اسقدر کر سکتے ہین جیسا سیر المتاخرین کے مصنف نے یہ تماشہ نقل کر کے لکھدیا ہو - فقیر از کتابیکہ انتساخ نمودہ چنین نوشتہ اند اگرچہ معقول نیست والعہدۃ علے الراوی - غالباً سید صاحب کو اس بیجا تصرف پر اس بات نے آمادہ کیا ہوگا کہ بازیگروں کے ایسے تماشے دکھانا اُنکے کرامات و معجزات کے انکار کو ضعف پہونچاتا ہو - جب ہم سچے واقعات لکھنے کے پابند ہین تو تحریف و ترمیم کی کوئی ضرورت نہین - یہ امر مورخون کے فرائض کے خلاف ہو چنانچہ جناب اشہری نے بھی اس معاملہ مین شان تاریخ نویسی کو قائم نہین رکھا اور میر انیس کی سوانح عمری لکھنے مین نہایت مبادرت کی ہو - میری کتاب سے مقابلہ کرنے کے وقت یہ راز کھل جائیگا ؎ ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا - مورخ کے لیے صرف اتنی احتیاط کافی ہے کہ تحقیق راویان ثقات سے اور اقتباس کتب معتبرہ سے کیا جائے اور بس -

جناب اشہری نے اپنی کتاب کو بیجا طول دیا ہے اور اس اطناب کلام نے کتاب کے ذاتی مطالب پر کوئی خاص روشنی نہین ڈالی ہے - مختلف اہل قلم کی تصنیفات سے مختلف مضامین کا اقتباس کر کے کتاب کے صفحے کے

صفحے رنگ ڈالے ہین یہانتک کہ مفتی میر عباس صاحب مستری اعلی اللہ مقامہ کا قصیدہ جسکو مطالب کتاب سے کوئی غرض نہین کھینچ تان کر اُسکا تعلق بھی کتاب سے پیدا کیا گیا ہے۔

انداز ہنگام تصنیف

میرانیس جب کچھ تصنیف کرنا چاہتے تھے تو اُسوقت کا اُنکا انداز بھی سب سے نرالا بیان کیا جاتا ہے۔ وہ بستر پر دراز ہو جاتے تھے اور ایک چادر سر سے پاؤن تک اوڑھ لیتے تھے اور مُنھ بھی اُس چادر کے اندر ہوتا تھا۔ ایک ہاتھ خم کر کے اُسکی کلائی آنکھون پر رکھ لیتے تھے اور شغل جاری ہو جاتا تھا اس صورت مین کاتب کوئی دوسرا شخص ہوتا تھا اور اس خدمت کا شرف میرے اُستاد مرحوم کو اکثر حاصل ہوا ہے

نقل

مشہور ہے کہ میرانیس مرحوم نے آخر زمانہ مین ایک مدت دراز تک مرثیہ پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ اسکے اسباب واقفان راز مختلف بیان کرتے ہین اول یہ کہ فرزند رشید مین قابلیت تصنیف و خواندگی پیدا ہو گئی تھی۔ اور ایسا ہی میر خلیق نے بھی کیا تھا کہ جب میرانیس مرحوم تیار ہوے تو جناب خلیق عزلت نشین ہو گئے دوسرا سبب یہ بھی سُنا جاتا ہے کہ جب میرانیس نے پٹنے کے سفر کا ارادہ کیا تو رؤساء شہر نے روکنا مناسب نہ سمجھا وہ چاہتے تھے کہ میرانیس کے کلام اور اُنکے کمال سے دُنیا کا ہر ہر گوشہ فیضیاب ہو مگر میرانیس

اس امر کو کم ہمتی اور ناقدری پر محمول کرتے ہین اگرچہ یہ شکایت نمایان طور پر کبھی نہین کی گئی مگر دلی خیال ظاہر کیا جاتا ہے بہرکیف جو کچھ ہو مگر کئی سال تک اسکی پابندی رہی اور بڑے بڑے صاحب اقتدار حضرات نے زور ڈالا لیکن میر صاحب انکار ہی کرتے رہے - آٹھ دس برس کے بعد پھر میر انیس نے مرثیہ پڑھنا شروع کیا ہو اُسکے بھی دو سبب بیان کیے جاتے ہین - میرے والد مرحوم فرماتے تھے نواب غضنفر الدولہ مرحوم نے جناب قبلہ و کعبہ سید تقی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ سے سفارش چاہی اور قبلہ و کعبہ نے میر صاحب کو مجبور کر کے آمادہ کیا اور دوسرا سبب یہ ہے - محمد مرزا صاحب اُنس اور جناب عشق مرحوم نے جناب کلن[1] صاحب کو آمادہ کیا وہ اپنے نانا صاحب کی خدمتمین حاضر ہوے اور عرض کیا کہ مین نے منت مانی تھی کہ حضور کو صحت ہوگی تو ایک مجلس کرونگا اور حضور ہی کو پڑھواؤنگا شاید اُس زمانے مین میر انیس کی طبیعت کچھ ناساز ہوگئی تھی اور اُنکی صحت پر یہ مشورہ مشتاقون مین طے ہو چکا تھا جب میر صاحب صحیح و تندرست ہوے تو کلن صاحب اپنے نانا کی خدمت مین حاضر ہوے اور یہ کیفیت بیان کی میر صاحب نے بہت غصہ کیا اور فرمایا کہ اگر تمنے میری صحت کی مجلس مانی ہو تو مجلس کرو میرے پڑھنے کی کوئی ضرورت نہین - آخر مین میر انیس مرحوم اپنے نور چشم کی ضد اور ہٹ سے مجبور ہو گئے اور اقرار کر لیا - اُسوقت تک کئی سال کے ترک کے بعد جو مرثیہ میر انیس نے امام باڑہ افضل محل مرحومہ واقع ڈیوڑھی

[1] جناب کلن صاحب جناب پیارے صاحب رشید کے بھائی اور میر انیس مرحوم کے نواسے ہین

آغا میر مین پڑھا ہی اُسکا مطلع یہ ہے ع جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے
یہ بھی بیان کیا جاتا ہی کہ اس مرثیہ کا قریب قریب نصف حصہ میر انیس نے ایک
شب مین تصنیف فرمایا ہی مضامین شاعرانہ کے ساتھ ساتھ فکر بدیہی و سجل
کی بھی شہرت ہوئی۔ اور یہ ذکر نواب محمد حسین خانصاحب کی صحبت مین بھی
آیا اُسوقت میر نواب صاحب مونس بھی اُس صحبت مین تشریف رکھتے تھے
میر مونس نے فرمایا کہ مشاقون کے نزدیک ایک شب مین سو پچاس بند مرثیہ
کے کہہ لینا کچھ حیرت انگیز بات نہین ہی۔ غمازون نے یہ فقرہ میر انیس کے کان
تک بھی پہونچا دیا۔ خدا جانے کس عنوان سے اس قصہ کو بیان کیا کہ میر انیس کو
چھوٹے بھائی کیطرف سے کسیقدر ملال پیدا ہو گیا۔ نواب میر محمد حسین خان
صاحب کی سالانہ مقررہ مجلس کے لیے میر مونس نے نیا مرثیہ کہا اور میر انیس
مرحوم کی خدمت مین بغرض اصلاح حاضر ہوے اُسوقت میر انیس دیوانخانہ
کے حوض مین غسل فرما رہے تھے گرمی کی فصل تھی اور ارادت مندون کا مجمع
تھا میر مونس تسلیم کر کے بیٹھ گئے۔ میر انیس نے فرمایا کیون میر نواب اسوقت
کہان آئے عرض کیا کہ اصلاح کے لیے حاضر ہوا ہون مجلس کا زمانہ قریب ہی
مسکرائے اور فرمایا اچھا مرثیہ پڑھو مین سُنتا ہون۔ میر مونس نے مرثیہ شروع
کر دیا میر انیس غسل کرتے جاتے تھے کلائیون کو مل رہے تھے اور معلوم ہوتا
تھا کہ کسی گہرے خیال مین ڈوبے ہوے ہین۔
پچیس تیس بند مسلسل سُننے کے بعد فرمایا لاؤ مرثیہ مجھے دو میر مونس نے
ہاتھ بڑھا کر مرثیہ دیدیا۔ میر انیس نے مرثیہ کو دو تین مرتبہ حوض مین غوطہ دیکر

اُسی کے اندر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اس مرثیہ مین ہے کیا جسے اتنی بڑی مجلس مین پڑھنے کا ارادہ کیا ہے لاحول ولا قوۃ کیا دماغ پریشان ہوا ہی یہ کہکر جوش سے باہر تشریف لائے اور زنانہ مکان مین چلے گئے میر مونس سکتے مین بیٹھے رہگئے کچھ تصنیف کے ضائع ہونے کا ملال اور کچھ بڑے بھائی کی ملامت کا اثر غرض عجب مخمصہ تھا کہ قابل بیان نہین تھوڑی دیر کے بعد میر ابو محمد[1] صاحب کھیلتے ہوے گھر سے باہر آئے میر مونس صاحب کو دیکھکر کہا چھوٹے دادا مزاج کیسا ہی میر مونس نے جواب دیا بیٹا چھوٹے دادا مرگئے وہ ہین کہان میر ابو صاحب اس اشارے کو نہ سمجھے کیونکہ وہ اُسوقت کم عمر تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد میر محمد صاحب سلیس باہر تشریف لائے اور کہا چھوٹے عمو چلیے باواجان بُلاتے ہین میر مونس مکان مین تشریف لیگئے دسترخوان بچھا ہوا تھا اور میر انیس مرحوم اپنے چھوٹے بھائی کا انتظار کر رہے تھے میر مونس سے فرمایا مین جانتا ہون کہ مرثیہ کا غم تمھین بہت ہی مگر خیر آؤ کھانا تو کھالو میر مونس تعمیل حکم مین مصروف ہوگئے میر انیس مسکراتے جاتے تھے اور مونس سے باتین کرتے جاتے تھے اثنائے

---

[1] میر ابو محمد صاحب عرف میر ابو صاحب میر محمد سلیس مرحوم کے صاحبزادے اور میر انیس مغفور کے پوتے ہین انکو کمسنی سے دادا نے پالا اور اُنھین کے پاس رہتے تھے میر انیس مرحوم انکو بہت چاہتے تھے اور اُس محبت کا اثر چالیس برس کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ دفعتہً اِنکے کمال نے شہرت حاصل کی ابھی صرف تین چار برس کا عرصہ گذرا ہے کہ انکی تصنیف نے اہل شہر کو اپنی جانب مخاطب کر لیا اور اہل علم کی نگاہین اِنکے کمال کی طرف دفعتہً اُٹھ گئین اور خدا کے فضل سے حیرت انگیز ترقی کی مرثیہ مین اپنے دادا کی زبان کے جوہر دکھادیے۔ یہ صاحب یادگار خاندان میر انیس ہین جنھین زمانے کا ہمنے ذکر کیا ہے اُسوقت یہ بہت کم عمر تھے۔

گفتگو مین کوئی پہلو تقریر کا پیدا کر کے فرمانے لگے بھائی اتنا غم کیون کرتے ہو
ماشاءاللہ جوان آدمی ہو کیا بڑی بات ہو مجلس کو کئی روز باقی ہین دوسرا مرثیہ
کہو میر مونس نے عرض کیا کہ حضور خوب جانتے ہین کہ مجھ مین اسقدر قوت شاعری
نہین۔ میر انیس نے فرمایا کہ پھر کس بھروسے پر کہدیا تھا کہ سو پچاس بند ایک وقت
مین کہہ لینا کچھ بڑی بات نہین میر مونس کو اپنا قول یاد آیا اور نہایت محجوب ہوئے
پھر ہاتھ جوڑ کر عرض کیا واللہ باللہ جو یہ بات مین نے کسی خاص ارادے سے
کہی ہو۔ نواب میر محمد حسین خانصاحب کی صحبت مین علے سبیل تذکرہ میری زبان
سے نکل گیا تھا خدا کے لیے معاف فرمائیے بڑے بھیا مین تو آپ کا خادم ہون
میری جانب سے ایسی بدگمانی۔ میر انیس نے فرمایا کہ یاد رکھنا اگر تمھاری تعلیون
کی یہی کیفیت رہی تو خورشید علی کی جوتیان ہونگی اور تمھارا سر

سعادتمند بھائی نے گردن جھکالی اور میر انیس مرحوم نے سینے سے
لگا لیا۔ کھانے سے فراغت کرنے کے بعد میر انیس پلنگ پر تشریف لے گئے
ایک بھائی اور دو فرزندونکو حکم ہوا کہ پلنگ کے قریب کرسیون پر بیٹھین۔ جو بند
مسطر کشیدہ کاغذ ہر ایک کے ہاتھ مین دیا گیا اور سلسلۂ تصنیف شروع ہو گیا
اسطرح پر جو مرثیہ تصنیف کیا گیا ہے اُسکا مطلع یہ ہے ؎

مجلس افروز ہے مذکور وفاداری حُر

اس مرثیہ کو میرے اُستاد مرحوم سے بہت تعلق ہو قرأت کے متعلق جسقدر بند ہین وہ
تمام وکمال میر نفیس مرحوم کے ہین باقی میر انیس مرحوم اور میر مونس کا بھی ذاتی
کلام ہو بہرکیف اس انتظام سے یہ مرثیہ ایک شب مین تصنیف کیا گیا ہو۔

لطیفہ

نواب زبدۃ الدولہ بہادر مجھ سے فرماتے تھے کہ مین ایک روز لکھنؤ سے کلکتہ آتا تھا اور اُسوقت تک اودھ روہیلکھنڈ ریلوے جاری نہ ہوئی تھی کلکتہ اور پٹنہ کے جانے والے لکھنؤ سے گھوڑون کی ڈاک پر پہلے کانپور جاتے تھے اور کانپور سے براہ ریل الہ آباد تک اور الہ آباد سے گھوڑون کی ڈاک پر مغلسرا اور مغلسرا سے پھر ریلوے لائن ملجاتی تھی چنانچہ مین کانپور پہونچا تو مین نے دیکھا کہ میر انیس مرحوم اور میر مونس مغفور اسٹیشن پر تشریف رکھتے ہین میر مونس کی خدمت مین مجھے اچھی طرح نیاز حاصل تھا اور میر انیس مرحوم مجھے نہین پہچانتے تھے۔ میر نواب صاحب مجھے دیکھکر خوش ہوگئے اور پوچھا کہان جاتے ہو مین نے عرض کیا کہ کلکتہ۔ فرمایا خوب ملاقات ہوگئی چلو پٹنہ تک ساتھ رہیگا بڑے بھیا عظیم آباد تشریف لیے جاتے ہین میر انیس مرحوم نے میر نواب صاحب سے پوچھا میر نواب یہ کون صاحب ہین۔ میر نواب نے عرض کیا کہ جنرل ذوالفقار الدولہ کے صاحبزادے ہین آپ کا نام میر سید محمد[1] اور خطاب زبدۃ الدولہ ہے میر صاحب مسکرا لئے اور کہا جب ہی مرغ زرین بنے ہوے ہین صاحب بادشاہی متوسلین سے ہین۔ سید محمد صاحب فرماتے تھے کہ مین اُسوقت ایک چینی اطلس کا لبادہ پہنے تھا جسکا ریشم دھوپ کے عکس سے چمک رہا

[1] زبدۃ الدولہ عرف میر سید محمد صاحب رسالدار خلف جنرل ذوالفقار الدولہ برادر سلطان کلکتہ مین تشریف رکھتے ہین۔ راقم الحروف جب اپنی ملازمت کے سبب سے کلکتہ مین قیام پذیر تھا اُسوقت اکثر تشریف لاتے تھے اور الطاف بزرگانہ فرماتے تھے۔ ایک خوش مزاج زندہ دل شخص ہین اور اولوالعزم ہین دور شاہی کے اکابر مین یادگار ہین دام ظلہ العالی۔

تھا اس مناسبت سے میر انیس نے یہ پھبتی اُڑائی تھی آخر سوار ہوئے ریل پر
مخالف ذکر نے اور میر صاحب کے اصرار سے مجھے پٹنہ مین قیام کرنا پڑا بعد ختم
مجلس تیسرے روز کلکتہ روانہ ہوا۔

لطیفہ

میر انیس مرحوم تپ مین مبتلا تھے جناب مفتی میر عباس اعلی اللہ مقامہ
عیادت کو تشریف لائے نبض دیکھکر فرمایا کہ اب تو بخار خفیف ہو گیا ہی میر انیس
مرحوم نے فرمایا اک مشت استخوان کی ناتوانی دیکھکر ایسا خفیف ہوا ہے کہ
شاید اب کمبخت منھ نہ دکھائے گا۔

لطیفہ

ایک ملازم کو کسی کام کو بھیجا واپس آنے مین دیر ہوئی میر صاحب مرحوم
غصے مین بھرے بیٹھے تھے کہ ملازم واپس آیا میر انیس مرحوم نے فرمایا کہ کہان
مرگیا تھا نوکر نے ایک عجیب و غریب قصہ شروع کیا یعنی چوک سے ایک برات
جاتی تھی اُسکے دو اونٹ آپس مین لڑ رہے تھے راستہ بند تھا راہگیر ایک
جانب سے دوسری جانب عبور نہین کر سکتے تھے میر صاحب مسکرائے اور فرمایا
تو صاف کیون نہین کہتے کہ جنگ جمل کا تماشہ دیکھ رہے تھے

مفتی میر عباس مغفور اور جناب انیس مین شکر رنجی

قبلہ و کعبہ مفتی میر عباس صاحب شستری اور جناب انیس مرحوم مین نسبت

قلبی تھی کسی بات پر کچھ بدمزگی واقع ہوئی اُس حالت مین جناب مفتی صاحب نے
ایک رقعہ میر انیس کے پاس روانہ کیا۔ انیس مرحوم نے لفافہ خط پر یہ شعر لکھدیا

رنجان دلم را کہ این مرغ وحشی　　ز بامیکہ برخواست مشکل نشیند

مفتی صاحب نے ایک پورا قطعہ اس زمین مین لکھکر میر صاحب کے پاس روانہ
کیا ہے جس سے مفتی صاحب کی محبت کا راز ظاہر ہو رہا ہے۔ مین چند شعر
اُس قطعہ کے ناظرین کی دلچسپی کے لیے لکھے دیتا ہوں۔

وہو ہذا

تو گفتی کہ دل ہست چون مرغ وحشی　　ز بامیکہ برخواست مشکل نشیند
تو اے گل نئی مرغ وحشی انیسی　　چہ باشد کہ گل با عنادل نشیند
تو فرزند مشکلکشائی پس این مرغ　　ہم آسان نشیند نہ مشکل نشیند
دلت بود جائے من و نیست باور　　کہ بر جائے من کینہ در دل نشیند
تو گفتی میازار دل را کہ این مرغ　　ز بامیکہ برخواست مشکل نشیند
سرت گردم[1] آزار عاشق چہ باشد　　بجز این کہ بر در چو سائل نشیند
وگر از در خود جدائیش نشانی　　بمحراب کوئے تو مائل نشیند
ز خشم تو میگریم و چشم دارم　　بشوید غبارے کہ در دل نشیند
بجز آہ و افغان ز مجنون چہ خیزد　　وزان دم کہ لیلےٰ بہ محمل نشیند
خیال تو با ماست خواہی نخواہی　　ز بیرون چو برخواست داخل نشیند

[1] اس خطاب سے انتہائے غلبہ محبت مترشح ہے اور ایسے مخصوصین کے قلم سے نکلے ہوئے
لفظ میر انیس کی عظمت و وقعت دکھاتے ہین۔

بسا حیرت از زنگ کز ناقصی چند   بر آئینۂ عقل کامل نشیند
چو پیدا است شو د حق ناز فشانے   ز نقشے کہ بر فرد باطل نشیند
تو با بستہ نشین و بگداز دل را   ز با دور تا صد مراحل نشیند
امیر است کاندر جنان بر ارائک   بنزدیکم او نیز بے غل نشیند
علی را نگہ کن کہ از این تجسم   پس از آن کہ گردیدہ بسمل نشیند
بقاتل بگوید سخن با مدارا   ز روئے عدالت مقابل نشیند
دہد کاسۂ شیر ہرگز نخواہد   کہ در قید لب تشنہ قاتل نشیند
بدہ شربت وصل ما خاکیان را   کزان آتش شوق در گل نشیند
تو آخر جگر گوشۂ مرتضائی   ثنا بر محب تو بیدل نشیند
ز فضل و کمال تو برخواست شورے   چرا کینہ با این فضائل نشیند
سرشکے نہ ریزد فغانے نہ خیزد   اگر پیش تو صد کس بمحفل نشیند
کسے خسرو ملک شیرین بیانی   چہ شیشہ ز ہر ہلاہل نشیند
سخن مختصر اینکہ ایرانیان را   ثنا بر چنین کینہ در دل نشیند
تو چون بحر در جوش لب تشنہ ہستید   بدریا رود یا بہ ساحل نشیند

نقل

نواب مبارک محل مرحومہ نے نجف مبارک واقع لکھنؤ کے متعلق جو وثیقہ مقرر کیا اُسمیں چالیس روپیہ ماہوار نسلاً بعد نسلٍ میر انیس کا بھی تھا اور سال میں ایک مجلس میر انیس مرحوم وہاں پڑھا کرتے تھے اور اس وثیقہ کی تقسیم

متولیانہ طور پر حکیم بندہ مہدی خان مرحوم سے متعلق تھی جب مجالس مقررہ مین عامیانہ مجمع ہونے لگا تو میر صاحب نے اُس مجلس مین خود پڑھنا چھوڑ دیا اور کسی صاحبزادے کو بھیجدیتے تھے۔ یہ بات متولی صاحب کو ناگوار ہوئی۔ ایک مجلس کا اشتہار جاری کیا اور میر انیس مرحوم کی خوانندگی سے اُس مجلس کو نامزد کیا مگر انیس مرحوم کو کوئی خاص طور پر اطلاع نہین کی گئی۔ عین وقت پر میرانیس کی خدمت مین سواری بھیجی گئی میر صاحب نے جانے سے انکار کیا متولی صاحب کے خلاف مزاج ہوا اور رقم وثیقہ موقوف کردی میرانیس نے کچھ پروانہ کی اور نہ کوئی شکایت۔ بلکہ اکثر صاحبون نے جو میر صاحب سے اسکا ذکر کیا تو جواب دیا کہ انیس کی جوتی کا ایک ستارہ گر گیا۔ ایک مدّت کے بعد حکیم بندہ مہدی خانصاحب اپنی اس حرکت سے نادم ہوے اور نواب اہتمام الدولہ کو میرانیس کی خدمت مین بھیجکر اپنے معاملے کی صفائی چاہی اور معافی مانگی۔ میر صاحب نے فرمایا مجھے کوئی شکایت حکیم صاحب سے نہین ہے اگر وہ ماہواری وثیقہ کو جاری کرنا چاہتے ہین تو من ابتدائے موقوفی تا تاریخ اجرا پہلے چڑھی ہوئی رقم بھیجدین اُسکے بعد تنخواہ جاری ہو جائے۔ چونکہ رقم معتد بہ ہوتی تھی لہذا یہ صورتِ معاملہ حکیم صاحب کو پسند نہ آئی اور خاموش ہو رہے اُسکے بعد وہ زمانہ آیا کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد حکیم محمد رضا خان مرحوم متولی نجف مبارک ہوے اُنھون نے بھی عالیجناب مرزا محمد عباس علیخان بہادر کے ذریعے سے تنخواہ سابق کو جاری کرنا چاہا میرانیس مرحوم انتقال کر چکے تھے اور میر نفیس مستحق موجود تھے مرزا صاحب موصوف نے میر نفیس کی خدمت مین

حکیم صاحب کا پیغام پیش کیا میر نفیس مرحوم نے بھی وہی جواب دیا کہ اُسوقت سے اسوقت تک اگر کل رقم ادا کیجائے تو کیا مضائقہ ہے۔ اب یہ معاملہ بہت اہم ہوگیا تھا آخر کچھ بھی نہو سکا۔ البتہ مرزا محمد جعفر صاحب اوج نے اپنے والد کے بعد اپنے موروثی حقوق امام باڑہ میر باقر سوداگر سے جو کچھ معین تھے بچارہ جوئی عدالت وصول کر لیے اور استحقاق دکھا دیا۔

نقل

جناب میر نصاحب قبلہ فرماتے تھے کہ مین نے بنارس کی ایک مجلس مین اس خاندان کے پانچ صاحبونکو ایک ہی وقت مین سُنا ہو۔ پٹنہ سے واپسی کا موقع تھا حسب وعدہ بنارس مین ایک مجلس پڑھنے کے لیے میر انیس نے ایک روز قیام فرمایا تھا۔ یہ مجلس قاضی میر یار علیصاحب کے امام باڑہ واقع تیلیا نالے مین منعقد ہوئی تھی اور اُسوقت یہ پانچ بزرگوار رونق محفل تھے میر انیس مرحوم۔ میر انس مرحوم۔ میر مونس مغفور۔ میر نفیس مبرور۔ میر وحید مرحوم پہلے میر وحید صاحب نے پیش خوانی کی۔ پھر میر نفیس پھر جناب مونس اور پھر میر مہر علی صاحب انس۔ چونکہ یہ برابر کے بھائی تھے اور فن مرثیہ گوئی کی بابت نازو انداز برادرانہ رہتے تھے مقتضاے وقت نے مجبور کیا کہ کوئی کسر اُٹھا نرکھین اور ایسا ہی ہوا مرثیہ نے خوب رنگ دیا اور آخر مین گریہ بھی بیحد ہوا جب میر انیس مرحوم سے صاحب خانہ نے درخواست کی تو میر صاحب نے عذر کیا اور فرمایا کہ آل مجلس ہو چکا میر انس ماشاءاللہ خوب پڑھے اب میری کچھ ضرورت

نہین ہے مگر صاحب خانہ نے دست بستہ عرض کیا کہ یہ سب لوگ حضور ہی کے مشتاق ہین انکو اس سعادت سے محروم نہ رکھیے آخر میر صاحب مجبور ہوگئے اور فرمایا لوگ نہایت کسلمند اور خستہ ہین حوائج ضروری سے فراغت کرین اور حقہ کا دور شروع کیجیے نصف گھنٹہ کا وقفہ دیکر میر صاحب منبر پر تشریف لیگئے اور پھر ایسا پڑھے کہ اہل مجلس گذشتہ واقعات کو بالکل بھول گئے۔ یہ نقل زبانی میر نضا صاحب[1] لکھی گئی ہے۔

نقل

لکھنؤ کے مشہور شاعر شیخ امداد علی بحر میر انیس کی خدمت مین اکثر تشریف لایا کرتے تھے اور اپنا کلام سُنایا کرتے تھے چونکہ میر انیس کو غزل گوئی سے تعلق نہ تھا اسوجہ سے داد دینے مین کم توجہی فرماتے تھے۔ ایک روز ایک مطلع میر صاحب کے سامنے پڑھا جسکی شہرت مشاعرہ مین ہوئی تھی اور امیدوار داد ہوے میر صاحب سُنکر خاموش ہورہے شیخصاحب نے دوبارہ واہ چاہی میر صاحب کو اُنکی اس حرکت سے غصہ آگیا اور فرمایا کہ مین نہین سمجھتا اس مطلع کی تعریف اہل مشاعرہ نے کیا سمجھکر کی ہے اسمین تو ایک ترکیب خلاف محاورہ واقع ہوئی ہے مطلع یہ ہے ؎ حور پیکر ترے کشتہ کی قضا آتی ہے ٭ دامن تیغ سے جنت کی ہوا آتی ہے

[1] سید مصطفے علیخان عرف میر نضا صاحب خلف تکریم الدولہ نواب اصغر علیخان نبیرہ اکرام الدولہ مرزا حسین خان وکیل الدولہ مرزا علیخان ہمشیرہ زادہ محمد واجد علی شاہ اودھ بنارس کے محلہ درگاکنڈ مین تشریف رکھتے ہین راقم سے کلکتہ مین پرنس مرزا رضا علی بہادر عرف سلطان مرزا صاحب کے مکان پر سنہ ۱۹۱۰ع مین نیاز حاصل ہوا تھا۔

میر صاحب کو یہ اعتراض تھا کہ دامن تیغ خلاف محاورہ ہے بلکہ دامن شمشیر چاہیے شیخ صاحب نے کلام اعجام کی بہت کچھ ورق گردانی کی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا شیخ صاحب میر صاحب سے اکثر یہ بھی کہا کرتے تھے کہ حضور میرا دیوان ایک مرتبہ ملاحظہ فرما کر اصلاح سے مزین فرما دیں تو مجھے اطمینان ہو والد مرحوم فرماتے تھے کہ میر صاحب ٹال دیا کرتے تھے اور جب شیخ صاحب چلے جاتے تھے تو میر صاحب اکثر فرماتے تھے کہ واللہ جو اس شخص کی شاعری میری سمجھ میں آتی ہو کچھ عجب مہمل کلام ہے اور پھر کوئی مطلع یا کوئی شعر پڑھ دیا کرتے تھے مثلاً ؎

غم سے ہوئے ہیں بال ہمارے سفید بحر — سر میں پھپھوندی لگ گئی آنکھوں کی سیل سے

نقل

داروغہ اچھے صاحب ایک بزرگ لکھنؤ جناب انیس مرحوم کے شاگرد تھے اور دربار انیس کے حاضر باشوں میں داخل تھے سال بھر کے بعد ایک مجلس بڑی دھوم دھامی کرتے تھے اور تمام رؤسا شہر اور شرفا، و کاملین سے وعدہ لیتے تھے اور مرثیہ خوانی کا بڑا دعویٰ تھا مقررہ مجلس میں میر انیس کا نیا مرثیہ پڑھے۔ میر انیس مرحوم بھی موجود تھے۔ داروغہ صاحب نے اپنی دانست میں مرثیہ خوانی کے خوب خوب جوہر دکھائے اور بڑے فخر و مباہات سے مرثیہ تمام کیا مجلس ختم ہوگئی۔ والد مرحوم فرماتے تھے کہ اُس روز جو میں حسب دستور میر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو میر انیس نے مجھ سے فرمایا کہ آپ نے داروغہ صاحب کا پڑھنا دیکھا میں نے بھی تعریف کی میر انیس مرحوم کا چہرہ

غصہ سے سرخ ہو گیا اور پھر فرمایا بھئی تم ایسا کہتے ہو۔ میرے مرثیہ کی ہڈیاں پسلیاں توڑیں۔ میرے مضامین پر ظلم کیا۔ میرے قلب پر جو کچھ صدمہ گذرا ہو اُسکو میں ہی خوب جانتا ہوں۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ داروغہ اچھے صاحب کی فنس آ گئی پھر مجھ سے فرمانے لگے کہ دیکھیے یہاں بھی مجھ سے داد لینے آئے ہیں جیسے ہی داروغہ صاحب فنس سے اُترے میر انیس نے فرمایا کہ اچھے صاحب آج کی مجلس یادگار پڑھے ہو میں حیران ہوں کہ میرے خیالات شاعری کے لیے تم میں جذبات خواندگی کہاں سے پیدا ہو جاتے ہیں داروغہ صاحب نے تسلیم کی اور بیٹھے۔ میر انیس نے پھر سلسلہ تعریف شروع کیا۔ داروغہ صاحب کھڑے ہو گئے اور پھر ایک فرشی سلام کیا۔ اس ترکیب سے دس پانچ مرتبہ داروغہ صاحب کو اُٹھ بیٹھ کرنا پڑی۔ پھر میر انیس مرحوم نے جناب نفیس کو بُلوایا اور اُنسے مخاطب ہو کر تعریف شروع کی کیوں بھئی خورشید علی تم نے اچھے صاحب کا پڑھنا سُنا۔ جناب نفیس نے بھی تعریف کی۔ اب داروغہ صاحب اپنے جامہ میں نہ سماتے تھے پھر صاحب نے میر نفیس سے فرمایا کہ خدا جانے آجتک اس مرثیہ کو میں کیا پڑھا اور تم کیا پڑھے مرثیہ کے جوہر تو آج داروغہ صاحب کے پڑھنے سے کھلے ہیں۔ داروغہ صاحب اس مبالغہ پر اور بھی پھول گئے اور حقیقت امر کو کچھ خاک نہ سمجھے۔

آخری مجلس

میر انیس مرحوم نے آخری مجلس جناب شیخ علی عباس صاحب وکیل کے مکان پر پڑھی ہے اور اسکے بعد کوئی مجلس نہیں پڑھی۔ اخی المعظم جناب عارف

جناب سید محمد صاحب خویش جناب نفیس میر محمد تقی صاحب شاگرد رشید جناب نفیس شیخ حسین بخش صاحب۔ یہ سب حضرات اس تحقیق پر متفق اللفظ شہادت دیتے ہین اور جناب اشہری نے جو آخری مجلس کا پڑھنا نشیمن محل مین لکھا ہے یہ اُنکی الہامی تحقیقات ہے۔

سفر حیدرآباد دکن

اب یہ لکھنا بھی ضروری ہے کہ فاضل شاعر نے زمانۂ شاہی تک لکھنؤ سے نقل و حرکت نہین کی اور رؤسا لکھنؤ نے جو کچھ قدردانی کی میر صاحب نے اُسی پر اکتفا کیا۔ اوّل اوّل میر صاحب کے لیے مرثیہ خوانی ذریعہ معاش نہ تھی اور اُنکے اجداد نے اس فن کو اس غرض سے اختیار نہین کیا تھا کیونکہ میر صاحب کے بزرگون کا سلسلۂ ملازمت خاندان بہو بیگم صاحبہ سے تھا اور اُنکی مالی حالت بقدر ضرورت درست تھی مگر زمانہ اپنے تغیرات سے انسان کے ارادونکو دوسرے راستون کی جانب کھینچ لیتا ہے اسوجہ سے انتزاع سلطنت کے بعد میر انیس کو بھی سفر کرنا پڑا۔ افضل الدولہ کے وقت مین حیدرآباد سے کئی مرتبہ میر انیس کی طلبی کا پیغام آیا مگر وہ زمانہ اور تھا میر صاحب نے انکار کردیا آخر ۱۸۵۹ء مین اول مرتبہ میر انیس نے پٹنہ کا سفر کیا اور پھر ۱۸۶۰ء مین دوسری مرتبہ نواب قاسم علیخان کی طلب سے عظیم آباد گئے اور ۱۸۷۱ء مین جبکہ ارسطوجاہ غفران پناہ کے خلف الرشید مولوی سید شریف حسین خانصاحب حیدرآباد مین تھے تو اُنکی تحریک سے نواب تہوّر جنگ بہادر نے میر انیس کو طلب کیا اب بھی

اُنکی پابندی وضع گھرسے نہ نکلنے دیتی تھی مگر چند معززین کی سفارش سے مجبور ہوکر حیدرآباد تشریف لے گئے۔ میرانیس کی قدردانی اہل دکن نے اندازہ سے زیادہ کی کہ خود میرانیس کو جسکا گمان نہ تھا یہ بات جو میرانیس کے ذہن مین جم گئی تھی کہ ممالک غیر کے لوگ میرے کلام کی قدر نہین کرسکتے۔ یہ خیال قابل اعتراض نہین ہوا اسلیے کہ میرانیس کو جن باتو نپر ناز تھا اور جس شاعری پر وہ فخر و مباہات کرتے تھے اُسکے لیے نصاب و لغات کی ضرورت نہ تھی اور نہ وہ باتین علم وفضل پر مبنی ہین بلکہ محض زباندانی درکار ہے لکھنؤ مین بھی اُنکے جوہر زبان کے پرکھنے کی قابلیت عموماً پیدا نہین ہوئی بلکہ چند خاندان مخصوص ہین جنکو اہل زبان کہنا چاہیے اور وہی میرانیس کی زبان کی داد دے سکتے ہین جب ۱۹۰۵ء مین اپنے سلسلۂ ملازمت کے ذریعے سے حیدرآباد پہونچا ہون تو اُسوقت مین اس کتاب کے لکھنے کا ارادہ کرچکا تھا حیدرآباد پہونچنے پر مین اس کام مین منہمک ہوگیا کہ اکابر دکن سے میرانیس کے سوانح کی تحقیقات کرون جب مین اپنے والد کے ہمراہ ۱۹۰۱ء مین حیدرآباد مین تھا اور دفتر رکاب سعادت کی باریابی کا شرف حاصل تھا اُسوقت سے تمام ارکان دولت کی خدمت مین نیاز حاصل ہی لہٰذا حقوق دیرینہ پر نظر کرکے نواب ناظم الدولہ محبوب یار جنگ مرحوم کی خدمت مین حاضر ہوا اور اپنا ارادہ ظاہر کیا نواب صاحب مرحوم نے کمال شفقت سے امداد کا وعدہ کیا اور حیدرآباد کے قیام مین اکثر دن اور راتین ایسی گذرین جو اس متبرک فرض مین صرف ہوئین نواب صاحب اپنی گاڑی بھیجکر دوپہر کو بُلواتے تھے اکثر دوپہر کا کھانا نواب صاحب کے ساتھ کھانیکا اتفاق

ہوتا تھا اور اُسکے بعد یہ کام شروع ہو جاتا تھا نواب صاحب خود بھی میر انیس سے حسنِ عقیدت رکھتے تھے اسوجہ سے اس کام مین بڑی دلچسپی ظاہر کرتے تھے افسوس اس کتاب کے ختم ہونے سے پیشتر نواب مرحوم کا دورِ حیات ختم ہو گیا اور میری اکثر امیدین خاک مین مل گیئن غفر اللہ تعالےٰ لہٗ شانہ۔

میر انیس مرحوم جب حیدر آباد تشریف لے گئے تو براہ راست ریلوے لائن جاری نہین تھی۔ بہت دور تک گھوڑا گاڑی کی ڈاک پر سفر کرکے براہ گلبرگہ میر صاحب داخل بلدہ ہوے ہین۔ اس سفر کی زحمت سے میر انیس مرحوم بیمار ہو گئے تھے اور تپ مین مبتلا تھے لہذا اُس روز مجلس پڑھنے سے انکار کیا اتفاق سے حیدر آباد مین یہ خبر اُڑ گئی کہ میر انیس کے علالت مزاج کا صرف بہانہ ہے میر صاحب حیدر آباد آئے ہی نہین نواب تہور جنگ نے عرض کیا کہ حضور منبر پر تشریف لیجائین اور صرف ایک رُباعی پڑھ کر اُتر آئین تو کمال عزت افزائی ہو گی کیونکہ دشمنون نے میری رسوائی کے لیے آپ کے تشریف نہ لانے کی خبر تمام شہر مین اُڑا دی ہے۔ میر صاحب نے فرمایا مجھ مین بالکل قوت نہین ہے اور نہ میرے ہوش وحواس درست ہین۔ محبوب یار جنگ فرماتے تھے کہ مین نے یہ صلاح دی کہ کسی حکیم حاذق سے میر صاحب کا معالجہ رجوع کرو تاکہ غلبہ تپ کم ہو اور کچھ بھی طاقت پیدا ہو جائے تو پھر لوگ خوشامد کرکے اپنا مطلب پورا کرینگے۔ یہ صلاح پسند ہوئی اور کئی حکیمون کے نام پر استخارہ دیکھا گیا۔ ڈاکٹر مرزا علی[۱] صاحب کے نام پر استخارہ واجب آیا۔ میر صاحب ڈاکٹر کا نام

[۱] ڈاکٹر مرزا علی حسین صاحب مرحوم نواب محبوب یار جنگ مرحوم کے خالو تھے اور فن ڈاکٹری مین کمال دستگاہ رکھتے تھے اور ملازم بادشاہ بھی تھے

سُنکر متعجب ہوے اور کہا مین نے کبھی ڈاکٹر کا علاج نہین کیا نہ مجھے احتیاط ہے نواب صاحب نے کہا کیا مضائقہ ہی میر صاحب نے فرمایا سُنتا ہون کہ ڈاکٹر اپنے معمولات مین شراب کو ہر ایک مرکب کا جزو اعظم سمجھتے ہین مین اُن کی دوا کا استعمال نہین کرونگا۔ محبوب یار جنگ نے کہا کہ حضور ڈاکٹر صاحب میرے خالو ہین مسلمان ہین آپ کسی قسم کا شک نکرین ڈاکٹر کا لفظ اُنکے نام مین بحیثیت پیشہ ہی ورنہ اُنکے تمام عقائد مسلمانون کے ہین۔ نواب صاحب کے اِس بیان سے میر صاحب کا شک جاتا رہا ڈاکٹر صاحب نے تپ کا زور توڑنے کو کوئی دوا دی میر صاحب کو تھوڑی دیر تک پسینہ آتا رہا اور پھر بخار یکلخت اُتر گیا اگرچہ کسل تھا مگر معززین ارکان سلطنت کی خوشامد سے مجبور ہو کر مجلس مین تشریف لائے۔ ذیل کی دو رباعیان فی البدیہہ تصنیف فرما کر پڑھین اور منبر سے اُتر آئے ؎

رباعی

اللہ و رسول حق کی امداد رہے — سرسبز یہ شہر فیض بنیاد رہے

نواب ایسا رئیس اعظم ایسے — یارب آباد و حیدر آباد رہے

رُباعی

موجود ہی جو کچھ جسے منظور ہی یہان — علم و عمل و عطا کا دستور ہے یہان

مختار الملک و بندگان عالی — رحمت رحمت پہ نور پر نور ہے یہان

ایک مرتبہ میر انیس نے حیدر آباد کی مجلس مین مرثیہ کے اختصار کا قصد کیا سامعین نے تقاضہ کیا حضور خدا کے لیے ہم سب جانین لڑائے ہوے ہین میر انیس مرحوم کو غصہ آگیا اور فرمایا کیا خوب آپ کی جانین لڑی ہین تو مین کیا کرون میری تو جان پر بنی ہوئی ہے۔

حیدرآباد کی ایک مجلس مین میر صاحب صرف بارہ بند پڑھ کر اُتر آئے تھے آجتک وہ سین لوگون کی نظرون مین پھر رہا ہے اور ذکر کرتے ہین کہ اُن بارہ بندونکے پڑھنے کی شان کبھی نہ بھولے گی اِس سے زیادہ کوئی ملک اور کیا قدردانی کریگا کہ میر صاحب نے صریحی اہل دکن کو نافہم و نادان سمجھا مگر اُنھون نے کچھ اِس بات کا خیال نہ کیا اور میر صاحب کے کلام کی داد ایسی دی کہ آجتک کسی شاعر کے لیے نصیب نہ ہوئی۔ واقعہ اِس طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

میر صاحب مرثیہ کے بارہ بندون تک پہونچے تھے کہ دفعتاً خیال گذرا کہ سامعین کو پوری توجہ نہین ہے بس بیدل ہو کر حاضرین پر ایک غائر نظر ڈالی مرثیہ توڑ کر زانو پر رکھ لیا اور ایک حسرتناک آواز سے فرمایا (ہائے لکھنؤ تجھے کہان سے لاؤن) پھر ناسازی طبیعت کا بہانہ کر کے منبر سے اُتر آئے اگرچہ اُسکے بعد خوب خوب پڑھے اور اہل دکن نے خوب خوب داد دی اور آخر مین خود میر انیس مرحوم کو حضرات دکن کی سخن فہمی کا اعتراف ہوا مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ ایک نئے شہر مین پہونچکر انسان انواع واقسام کے وہم و شک مین مبتلا ہو جاتا ہے پھر میر انیس سا نازک مزاج۔ میر صاحب کو یہ خیال کہ مصرعہ زبان سے نکلے اور سامعین متاثر ہو جائین اور وہان ہر شخص حیرت و استعجاب مین مبتلا کہ اللہ اکبر کہان میر انیس اور کہان حیدرآباد یہان اظہار جوہر زبان مدنظر وہ لوگ رسم مدح و ثنا سے بیخبر ذاکر کا رُعب معززین کا مجمع داب انجمن تہذیب و اخلاق کی پابندی۔ اِن اسباب نے ناظرین کو مرعوب اور میر انیس کو بیدل کر دیا مگر آخر مین فاضل شاعر کے کمال نے اپنی معجز بیانیون سے سرزمین دکن کو

لکھنؤ بنا کر چھوڑا اور فصاحت کلام کا سکہ بٹھا دیا جو آجتک جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔

ایک مرتبہ حیدر آباد کے ایک رئیس اعظم مجلس مین تشریف لائے چونکہ صاحبان دکن اُنکے اعزاز خاندانی اور شان دولتمندی سے واقف تھے اسلیے ہاتھوں ہاتھ منبر کے قریب پہونچا دیا ہمعصرون نے سر وقد تعظیم کی اور میر صاحب نے فقط اتنا ہی کہا کہ بسم اللہ۔ یہ امر رئیس مذکور کے خلاف مزاج ہوا اور اپنے مصاحبین سے خفیہ طور پر سازش کی کہ میر صاحب کچھ پیغمبر نہین ہین جو خواہ مخواہ انکی عظمت کا خیال کیا جائے یہ میری تعظیم کو کھڑے نہین ہوسے تم لوگ انکی تعریف نہ کرنا وہ بیچارے مجبور تھے روزگار کا معاملہ اگر پابندی حکم آقا نہ کرتے تو کیا کرتے میر صاحب اس سرگوشی کو تاڑ گئے مگر اُس شیر بیشۂ فصاحت کو کسی کی تعریف کی کب پروا تھی وہان کلام کی تاثیر سمجھے کہ دلمین ساری ہوتی تھی انسان کا قلب کس شمار مین ہے اب وہ وقت آگیا کہ میر صاحب منبر پر تشریف لے گئے اور چند رباعیون کے بعد ایک سلام شروع کیا ؎

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتوان پیدا ہوے
اُڑ گیا جب رنگ رُخ سے استخوان پیدا ہوے

اس پہلے شعر پر نواب کو کسی قدرتی دباؤ سے جنبش پیدا ہو گئی دوسرا شعر پڑھنے سے پہلے میر انیس مرحوم نے نواب صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا سُنیے یہ آپکے سُننے کا شعر ہے ؎

نوبت جمشید و دارا و سکندر اب کہان
خاک تک چھانی نہ قبرونکے نشان پیدا ہوے

فاضل شاعر کی نگاہین بجلی بنکر نواب کے سینے مین در آئین اور وہ بد اخلاقی کا

خیال جو تعصب کے فولادی تارون سے جکڑا گیا تھا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا منھ پھیلا کر چلا اُٹھے ماشاءاللہ سبحان اللہ۔ یہ بات حضور ہی کے لیے ہے جب خود بدولت نے آواز لگائی تو پھر وابستگان دامن دولت بھی برس پڑے کیونکہ بہت دیر سے بھرے بیٹھے تھے۔ یہان تیسرا شعر شروع ہوا اور نوابصاحب پر مسمریزم کا عمل پورا ہو گیا ؎

خاکساری نے دکھائین رفعتو نیرّ رفعتین اس زمین سے واہ کیا کیا آسمان پیدا ہوئے

بس اب پورا رنگ جم چکا تھا اور مجلس بیچین ہو رہی تھی اس سلام کو اس واقعہ سے کسقدر حیرتناک مناسبت ہے مطلع تو خیر ایک اعلیٰ درجے کی بلاغت شاعری کا نمونہ ہے مگر دوسرا تیسرا شعر نواب صاحب کی تنبیہہ کا تازیانہ ہے شاعر کا خیال یہ ظاہر کر رہا ہے کہ دولتمندون کو اہل کمال کے سامنے رفعت و سرفرازی حاصل نہین جیسا کہ اسوقت شاعر اپنے کمال کے ذریعے سے اہل مجلس کی نشست سے بلند ترین منزل پر بیٹھا ہے اور سرمایہ دولت پر غرور کرنیوالونکو اُسکی عظمت کمال مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنی شان ریاست کو تھوڑی دیر کے لیے فراموش کر کے جوہر کمال کے قدردان بن جائین۔ بس یہانتک تو اس سلام مین تلمیح شاعرانہ پائی جاتی ہے۔ اب چوتھا شعر اپنے غمناک مضمون اور دردبھری لفظون سے معین گریہ اہل عزا ہے ؎

بودونابود علی اصغر کا کیا کیجئے بیان بیزبان دنیا سے اٹھے بیزبان پیدا ہوئے

نقل

ایک مرتبہ بعد ختم مجلس صاحب خانہ نواب تہور جنگ بہادر میر صاحب کو

قفس مین سوار کرنے کے لیے دروازے تک تشریف لائے جب میر صاحب
قفس مین بیٹھ گئے تو نواب ممدوح نے میر انیس کی نعلین اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر
قفس مین رکھ دین اس حرکت پر اکثر اکابر شہر اور ارکان سلطنت نے اعتراض
کیا خصوصًا خاندان مختار الملک مرحوم کے کئی ممبرونکو سخت ناگوار ہوا نواب
تہور جنگ بہادر نے اس اعتراض کا کیا خوب جواب دیا ہے۔

سر سالار جنگ مرحوم جس زمانہ مین لندن تشریف لیگئے تھے اُسوقت
ملکہ آنجہانی سے ایک پرایوٹ ملاقات کی نقل یون بیان کیجاتی ہے۔

ملکہ آنجہانی ایک بڑے ہال مین چہل قدمی کررہی تھین اور موجودہ پرنس
آف ویلز کو گود مین لیے تھین مختار الملک مرحوم سے باتین کرتی جاتی تھین کہ
اتفاق سے پرنس آف ویلز کا جوتہ فرش پر گر پڑا مختار الملک مرحوم نے
فوراً اُٹھا لیا اور اُس کمسن بچے کے پاؤن مین اپنے ہاتھ سے پنہا دیا یہ واقعہ
معترض کو یاد دلا کر نواب صاحب نے فرمایا کہ مین نے میر انیس کا جوتہ حسن عقیدت
سے اُٹھایا ہے اور پرنس آف ویلز کا جوتہ خوشامد سے اُٹھایا گیا تھا اب اس
فرق کو ارباب بصیرت دیکھ سکتے ہین۔

مین سلسلۂ واقعات مین اوپر بھی بیان کرچکا ہون کہ میر انیس مرحوم کی
لائف فسانہ خیز واقعات سے خالی ہی مجکو واقعات بہم پہونچانے مین جو کچھ
کاہش ہوئی وہ میرا ہی دل جانتا ہے اگر ایسی مجبوریان نہ ہوتین تو اسوقت تک
ہندوستان کے اہل قلم خاموش نہ بیٹھتے میر انیس کے متعلق اسوقت تک جو کچھ
لکھا گیا ہو وہ نہایت مختصر ہے اور اُن خیالات کو بایوگرفی سے کوئی علاقہ نہین

البتہ جناب اشہری نے میرانیس کے واقعات کو سوانح عمری کے طور پر لکھا ہو مگر افسوس ہو کہ وہ کتاب اعتبار کے قابل نہین اور واقعات اکثر غلط ہین۔ اب مین نہین کہہ سکتا کہ میرے ہمعصر اہل قلم میری اس کوشش کے متعلق کیا فیصلہ کرینگے بہرکیف واقعات وسانحات کا سلسلہ ختم کرکے اب مین ایک دوسرے فرض کی جانب رجوع ہوتا ہون مین نے اس کتاب کو دو حصّون پر منقسم کیا ہے اول حصہ مین سوانح عمری اور دوسرے حصہ مین میرانیس مرحوم کے کلام پر ریویو یہ پہلا حصہ اپنے ہیرو کی مقدس زندگی کے انجام پر انجام پاتا ہے۔

۲۴ رمضان ۱۲۹۱ھ کا منحوس دن تھا جس روز میرانیس درد سر اور تپ مین مبتلا ہوے اس سے پیشتر اُنکو سواے ضعف پیری کے اور کسی مرض مزمن کی شکایت نہ تھی تپ رفتہ رفتہ بڑھتی گئی اور چند روز کے بعد ورم جگر کی شکایت لاحق ہوئی اس درمیان مین لکھنؤ کے مشہور اطبا کا علاج جاری رہا ہو حکیم مرزا محمد جعفر مرحوم حکیم شیخ علی محمد مرحوم حکیم میر باقر حسین مرحوم ساکن محبوب گنج شاگرد رشید مرزا محمد علی مرحوم۔ ان اطبا نے حاذق نے اپنی کوششون سے کوئی کسر باقی نہ رکھی کیونکہ میرانیس مرحوم ہر دلعزیز تھے اور اُنکی زندگی عموماً ممالک غیر اور خصوصاً اہل لکھنؤ کے لیے نعمت غیر مترقبہ تھی مگر موت جسکا نام ہو یہ وہ مسئلہ ہو جسکی تحلیل فلاسفۂ یونان اور دانایان فرنگ سے بھی نہ ہو سکی علم سائنس کے حیرت انگیز کرشمے دکھانے والے بھی اس طلسمی راز کو دریافت نہ کرسکے افسانۂ زندگی کے ابتدائی باب پر بطریق عنوان جلی قلم سے جو لفظ لکھا گیا ہے وہ موت ہو آہ موت وہ صرف تین حرف کا لفظ جو انسانی زندگی پر اپنا خوفناک اثر

ڈالتا ہے ایسا معنی خیز لفظ تلاش کرنے سے دوسرا کسی لغت مین نہین مل سکتا اِس افسانہ کی ابتدا سے انتہا تک جسقدر ضخامت ہے اُسکا ایک ایک ورق اِسی ہولناک لفظ کی دہشت سے بھرا ہوا ہے اور برسون کی خوشگوار زندگی کے واقعات اِس ٹریجک سین پر ختم ہو جاتے ہین اور یہ ڈراپ سین پھر اُٹھایا نہین جاتا خالق برحق کے سایہ رحمت مین جاتا اور حور و بہشت کی آرزو مین جان گنواتا ابن آدم کے لیے ایک مبارک روز ہے مگر بڑے بڑے مستقل مزاج پاکیزہ نفس نیک اعمال انسان اُس تاریکی مین جاتے ہوے گھبرا جاتے ہین جہان اُنکو اپنی زندگی کی دلفریب تصویر سایہ کیطرح دوڑتی نظر آتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے فنا ہو جاتی ہے نفس کے وہ مضبوط تار جو حوادث عالم سے گتھیان ہو کر بھی نہین ٹوٹتے۔ عالم نزع کی آخری ہچکی کے ایک جھٹکے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہین مداخل و مخارج زندگی سے جنس کمال کی یادگار چھوڑنیوالے ہی قابل قدر ہین جو اور ونکو کتاب زندگی کا سبق دے جاتے ہین جن واقعات کی تعمیل ملائکہ مقدس کے ہاتھ مین ہے وہ اپنے مالک حقیقی کے حکم کی تعمیل کرنے مین مجبور ہین۔ خدا کے بنائے ہوے علمون کے عالم اُسمین کچھ دست اندازی نہین کر سکتے۔ شیخ الرئیس ہو یا شفائی خان دونون کو خاموشی سے دیکھنا پڑتا ہے کہ اُنکا مریض بستر مرگ پر دم توڑ رہا ہے اور اُنکے آب حیات مین منتقی نسخے کچھ کام نہین دیتے یہ وہ ناکامیان ہین جنکی خبر کتاب مقدس آسمانی مین موجود ہے۔ اذا جاء اجلہم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون۔ قانون قدرت کے وہ کلیہ جنکو مقدس برگزیدگان درگاہ صمدی کی دُعائین بھی نہین

توڑ سکتین تو پھر لقمان کے نباتات کس شمار مین ہین ؎

ہر آن کہ زاد بنا چار بایدش نوشید
زجام دہر مے کُلّ من علیہا فان

میرانیس کا مرض بڑھتا گیا اور آخر مین اسہال کبدی اور تپ دق کے مرض مین ۲۹ شوال روز دوشنبہ قریب مغرب اپنے مکان واقع چوبداری محلہ مین انتقال فرمایا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

قبلہ وکعبہ جناب غفران مآب کے امام باڑہ مین قبلہ وکعبہ سید بندہ حسین اعلی اللہ مقامہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے باغ واقع سبزی منڈی مین دفن ہوے جسکا ذکر مین اوپر کر چکا ہون۔ میرانیس مرحوم کی موت سے جو ہنگامہ عالم مین پیدا ہو گیا اُسکے لکھنے کی ضرورت نہین کیونکہ ایسے اہل کمال کا دُنیا سے گذر جانا کچھ معمولی حادثہ نہ تھا۔ اخبارون نے مہینون رسم تعزیت مین کالم کے کالم سیاہ کیے۔ دُنیا کے شعرا نے تاریخین کہین اُن تاریخون کا مجموعہ اگر اس کتاب مین جمع کیا جاے تو ایک دفتر ہو جائے گا اسلیے صرف دو تین مادے میرانیس کی تاریخ انتقال کے لکھے دیتا ہون جس سے ناظرین کو تاریخ وفات کا پتہ چل جائے اور بس۔

مولوی علی میان کامل مرحوم — انیس عالم وحدت ولاے آل عباست

سید حسین مرزا عشق مرحوم — بادا انیس عشق حسین اندرین مزار

یہ بھی ظاہر کر دینا میرا فرض ہی کہ سب سے زیادہ جس تاریخ کی شہرت ہوئی وہ جناب مرزا دبیر مرحوم کی تصنیف ہو اور اُسکا مصرعہ مادہ یہ ہے۔ طور سینا بے کلیم اللہ منبر بے انیس۔ پوری تاریخ کلیات مطبوعہ مرزا صاحب مین موجود ہی۔

اس مادّہ مین مرزا صاحب مرحوم نے صنعت زبر و بیّنہ کا دعویٰ کیا ہے لیکن گروہ شعرا کو اسمین کلام ہے کیونکہ زبر و بیّنہ کے قاعدے سے سن مقصود کا استخراج نہین ہوتا۔ مرزا صاحب کے فاضل صاحبزادے نے اپنی تصنیف مقیاس الاشعار مین تاویلاً تصحیح کی ہے مگر واقفان فن کی تسلی نہین ہوئی

جب فاضل شاعر بستر مرگ پر خدا کے اس آخری حکم کا انتظار کر رہا تھا کہ جسکی تعمیل ملک الموت کے سپرد کیگئی ہے تو اسکو دنیا اور سامان دنیا سے کچھ دلچسپی نہ تھی اور وہ دنیا کو اسی نظر سے دیکھ رہا تھا جیسا کہ اپنی تصنیفون مین بے ثباتی عالم اور مسئلہ موت پر استدلال کیا ہے عالم نزع کے وہ آخری شاعرانہ خیالات جو چند منٹ مین فنا ہو جانیوالی قوتون کی تراوش ہین اور پھر اسکے بعد موت کی ناگزیر خاموشی نے سخن آفرینیون کا خاتمہ کر دیا وہ بھی لکھ دینے کے قابل ہین۔ رباعی

دردِ و الم ممات کیونکر گذرے — یہ چند نفس حیات کیونکر گذرے
پیری کی بھی دوپہر ڈھلی شکر الٰہی — اب دیکھیں لحد کی رات کیونکر گذرے

رباعی

وہ موج حوادث کا تھپیڑا نہ رہا — کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی کے انیس — جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

رباعی

آخر ہے حیات کوچ کرتا ہون مین — رخصت اے زندگی کہ مرتا ہون مین
اللہ سے لو لگی ہوئی ہے میری — اوپر کے دم اسواسطے بھرتا ہون مین

شعر

آخر ہو عمر زیست سے اب دل بھی سیر ہے — پیمانہ بھر چکا ہے چھلکنے کی دیر ہے

آخر مین یہ بات بھی ذکر کر دینے کے قابل ہی کہ اس خاندان کے اخلاف بھی اپنے بزرگونکی موروثی شاعری کے بدستور مالک ہین اور خدا کے فضل سے انقلاب زمانہ اس سلسلہ کو اسوقت تک قطع نہین کرسکا۔ اخی المعظم میر علی محمد صاحب عارف اپنے مورث اعلیٰ میر نفیس مرحوم کے قائم مقام اس راہ مین اپنے بزرگون کے قدم باقدم ہین۔ جوہر زبان کے قدرتی فیضان کے علاوہ ایک مستعد اور ذی علم خاندانی یادگار ہین۔ برادر مکرم میر خورشید حسن صاحب عروج عرف دولھا صاحب اُستاد مرحوم کے فرزند رشید اپنے والد بزرگوار کا نام روشن کرنے والے ہین اگرچہ ابتدائی عمر کے جذبات شباب نے انکو بہکا کر دلفریب دُنیا کے مختلف راستون پر لگا دیا تھا اور اہل الرائے کے نزدیک اُنکی حالت قابل اطمینان نہ تھی مگر اُنکی حیرت انگیز ترقی نے یہ ثابت کردیا کہ ودیعت قدرت کے وہ جوہر جو خاندانی خون کے ذریعے سے نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتے ہین وہ ہمیشہ کے لیے فنا نہین ہو سکتے بلکہ کسی خاص وقت تک گہن مین آنے والے آفتاب کیطرح پوشیدہ رہتے ہین اب اُس آفتاب کمال کی روشنی دُنیا کے ہر گوشہ مین پھیلنے لگی اور اپنے والد مرحوم کے انتقال کے بعد اُنھون نے یہ دکھا دیا کہ صاحبان غیرت اس طرح کایا پلٹ سکتے ہین سلمہ اللہ تعالےٰ۔

مخدوم و مکرم جناب پیارے صاحب قبلہ رشید بھی اس خاندان کی ایک قابل قدر یادگار ہین اُنکو حسباً اور نسباً فصاحت زبان اور شاعری کا ارث ملا ہی۔

برادر مہربان میر اوحد صاحب جلیس کی ذات بھی اس خاندان مین قابل قدر ہی مگر صفحہ ۲۰ مین ضمناً انکے جوہر خاندانی کا ذکر کرچکا ہون اسلیے اس موقع پر اُسکے اعادہ کی ضرورت نہین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تنقید

درحقیقت میر انیس مرحوم کے کلام پر نقّادی ایک اہم کام ہی مین اوپر بھی لکھ آیا ہون کہ ہجوم مضامین و افراط جذبات شاعرانہ کے ساتھ ساتھ سلاست زبان اور لفظون کی دلفریبی نقّاد کی طبیعت مین انتشار پیدا کر دیتی ہی ایک ایک لفظ کی نسبت دل پر جو اثر پڑتا ہے اُسکو مشرح اور مفصل بیان کرنے مین ذہن قاصر ہی۔ زبان کی لطافت اور خیالات کی باریکیون کو صاحب مذاق سلیم ہی خوب سمجھ سکتا ہی اسلیے میر انیس کے مجموعۂ تصنیفات سے صرف چند نظمون کی تنقید پر اکتفا کرونگا اور نیچرل مذاق کے نمونے پیش کر دونگا۔ واقعات عالم مظاہر قدرت و مناظر حقیقت خصائل و خصائص انسانی کو شاعرانہ پیرایہ مین بیان کرنیکے لیے میر انیس کا معجز نگار قلم فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتا ہی مغرب کے اہل قلم اور یورپ کے ٹالسٹائی جنکی تصنیفات اسوقت نیچرل فلاسفی کا ذخیرہ مانی جاتی ہی اور ہندوستان کے انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانون نے اُس تخیّل کو وظیفہ مین

داخل کرلیا ہے وہ حیرت انگیز نظرون سے دیکھین گے کہ ہندوستان کا مقدس شاعر کیسی کیسی موشگافیان کرتا ہے مختلف مضامین کے گوہر نایاب ایک لڑی مین پروکر یہ خوشنما ہار پبلک کے سامنے پیش کیے دیتا ہون۔

صبح کا نظارا

وہ صبح اور وہ چھاؤن ستارون کی اور وہ نور
دیکھے تو غش کرے ارنی گوے کوہ طور

پیدا گلون سے قدرت معبود کا ظہور
وہ جا بجا درختون پہ تسبیح خوان طیور

گلشن خجل تھے وادی مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولون کی باس سے

مصرعہ اول مین تین جگہ (وہ) کا لفظ لائے ہین جس سے درجہ بدرجہ مصرعہ کی قوت اور شوکت کو ترقی دی ہے ستارون کی چھاؤن سے نورانی کیفیت کا اظہار ہے یعنی عالم صبح کی نورانی کیفیت قدرت کا نور ہے اور انوار الٰہی کوہ طور پر باعث غشی جناب موسیٰ تیسرا مصرعہ ظاہر کرتا ہے کہ صبح کا وقت چونکہ عبادت کے لیے خاص ہی اسلیے گلون سے بھی قدرت معبود کا ظہور ہے چوتھے مصرعہ سے کل عبادت کی تکمیل فرماتے ہین بیت مین نازک خیالی دکھائی ہی یعنے باوجود ان رنگینیون اور دلفریبیون کے جنگل کی تعریف ہی باغ نہین ہی اسلیے فرماتے ہین کہ جنگل کی کیفیت دیکھکر گلشن خجل تھے اور باغون سے زیادہ یہان کی فضا فرحت خیز تھی ؎

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا
دُرّاج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا

وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوشنوا
خنکی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے

اس بند کو بھی اسی انتظام سے شروع کرتے ہین یعنی مصرعۂ اوّل مین تین جگہ (وہ) کا لفظ موجود ہے اور یہ فصاحت شاعری کے لوازم مین سہانا سا یہ (سام محاورہ کی جان ہو اور اہل زبان کی پہچان ہے جوش گل نالۂ مرغان خوشنوا صبح کی ہوا۔ سبز سبز کی تکرار۔ ان دلفریب لفظون کا محل استعمال شاعری کی رنگینی خیال کا پتہ دیتا ہے اور یہی وہ نظارے ہین جن پر سینزی سے لکھنے والون سے قلم نہین اٹھایا جا سکتا۔ چھٹا مصرعہ تشبیہہ تام ہے اور استعارہ کی جان ہے تیسرا بند بھی اسی التزام سے شروع ہوتا ہے ؎

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
پھولون پہ جا بجا وہ گہرہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخون کا بار بار
بالائے سرو ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہان تھے زہر گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

تمام بند صنعت مراعات النظیر سے بھرا ہوا ہے اور پھر شوکت الفاظ کا یہ حال ہو کہ کسی جلیل القدر بادشاہ کی سواری کے آگے کڑکا ہوتا چلا جاتا ہو کوئی استعارہ مضامین ذاتی سے خالی نہین۔ شبنم کے قطرے گہرہائے آبدار نہین تو اور کیا ہین سبزہ زار شاخ بار بار بلبل ہزار زہر زہرا یہ الفاظ کس بے تکلفی سے استعمال ہوے ہین کہ بادی النظر مین صنعت مراعات النظیر کا امتیاز نہین ہوسکتا۔ یہ سب

فیضانِ قدرت ہی بہت دُور تک عالم صبح کی کیفیت اور گل صحرائی کی دُلفریبان بیان کرتے ہوے گلہاے ریاض نبوت کی بیح سرائی سے پیوند نظم پیدا کیا ہے (اللہ ری خزان کے دن اُس باغ کی بہار) اِس سے بہتر براعت استہلال عرفی وخاقانی کے قصائد مین بھی غیر ممکن ہے بعد اُسکے نمازیون نے نماز صبح کیلیے مصلّے بچھادیے جناب علی اکبر نے اذان دی جناب زینب اپنے نورِ چشم بھتیجے کے لحن اذان اور حسن قرأت کے متعلق فرماتی ہین ؎

یہ حسن صوت اور یہ قرأت یہ شدّ و مد ۔۔۔ حقّا کہ افصح الفصحا ہے انھین کا جد
گویا ہے لحن حضرتِ داؤد با خِرَد ۔۔۔ یارب رکھ اِس صدا کو زمانہ مین تا ابد

شعبے صدا مین پنکھڑیان جیسے پھول مین
بُلبُل چہک رہا ہو ریاض رسول مین

مصرعۂ اول مین فصاحت کے ساتھ بلیغ الفاظ کے طرز نظم کی تعریف محال ہو چوتھا مصرعہ دُعائیہ ہو جو ایک معصومہ مقدسہ اپنے پیارے بھتیجے کے حق مین استعمال فرماتی ہین محبت کے آب حیات اور انجام کار کے مآل مین ڈوبا ہوا ہو گویا دُعا کے ساتھ یاوسی اور مرگ جوانی کی تلخکامی ظاہر ہو رہی ہے بیت مین خوش آوازی کے متعلق عجب نازک تشبیہہ کا تصرف ہوا ہے تمام خاندانِ رسالت کا مجمع اُس سے ریاض رسول کا استعارہ۔ یہ سب شاعر فطری کی سحر نگاریان ہین ایک مقام پر نمازیون کی تعریف فرماتے ہین ؎

قرآن کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز ۔۔۔ بسم اللہ آگے جیسے ہو یون تھے شہِ حجاز
سطرین تھین یا صفین عقب شاہ سرفراز ۔۔۔ کرتی تھی خود نماز بھی جنکی ادا پہ ناز

صدقے تھے سحر بیاض پہ ہیں السطور کی
سب آیتیں تھیں مصحف ناطق کے نور کی

جماعت نماز کو کھلے ہوئے قرآن سے تشبیہ دینا باعتبار وجہ تشبیہ در باعتبار عظمت کسقدر مناسب ہے اور اس تشبیہ کے بعد کس چیز میں فوقیت و اولویت باقی تھی جس سے امام جماعت کو تشبیہ دیجاتی اسلیے فرماتے ہیں بسم اللہ آگے جیسے ہویوں سے تھے شہ حجاز۔ انھیں دو مصرعوں پر استعارہ کے مناسبات و لوازم کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ بیاض میں سطور سطر بن آیتیں مصحف ناطق نور کسی چیز کو چھوڑا نہیں ہے مضامین بلند کی ترتیب نظم کے لیے الفاظ مناسب و فصیح کا الہام ہوتا تھا ؎

ہتھیار ادھر لگا چکے آقائے خاص و عام　　تیار ادھر ہوا علم سید انام
کھولے سرونکو گرد تھیں سیدانیان تمام　　روتی تھیں تھامے چوب علم خواہر امام
تیغیں کمر میں دوش پہ شملے پڑے ہوئے
زینب کے لعل زیر علم آکھڑے ہوئے

اس بند میں ایک نظارہ کی تمہید اور بیت میں جناب عون و محمد کا نقشہ کھینچکر دکھایا ہے اور چھٹے مصرعہ میں زیر علم آکھڑے ہوئے کا اشارہ یہ ہے کہ صاحبزادے اپنے زعم میں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ علمداری کا عہدہ موروثی آج ہمیں ملے گا اسلیے تیار ہیں ؎

گردانے دامنوں کو قبا کے وہ گلعذار　　مرفق تک آستینوں کو اُلٹے باافتخار

آب کوثر سے دھوئی ہوئی زبان اور عالم بالا پر پہونچا ہوا خیال شاعر کو ملے تو اسطرح

سین لکھا جاتا ہے بیان واقعی فصاحت مین ڈوبا ہوا ہے فصاحت کا لفظ میری تحریر مین تنقید کے متعلق ہزارون جگہ استعمال ہوگا مگر پھر بھی اُس سے کم جسقدر عملی طور پر میر انیس نے اپنی تصنیفات مین استعمال کیا ہے۔

دوسرا بند بھی انھین موتیون سے بھرا ہوا ہے اور صاحب کمال مصور یا جادو نگار شاعر اس تصویر کے ارادونکو اپنے زوردار قلم کے ذریعہ سے نہین دکھا سکتا۔

گہ مان کو دیکھتے تھے کبھی جانب علم - ایک مصرعہ مین ایک نظارہ ختم ہوا اور دوسرے مصرعہ مین جذبات دلی کا اظہار - نظرے کبھی یہ تھے کہ نثار شہ امم تیسرا چوتھا مصرعہ اضطراری حالت ظاہر کرتا ہے یعنے دیکھیے منصب علمداری کسے ملتا ہو آخر مین بیچین ہوکر مادر گرامی سے پوچھتے ہین -

کیا قصد ہے علی ولی کے نشان کا　　اماں کسے ملے گا علم نانا جان کا

چھٹے مصرعہ مین ایک اور بار یک پہلو ہو یعنے دعوی کیا ہو کہ علم نانا جان کا اس سے مراد ومقصود یہ ہو کہ ہمارے نانا کا علم ہے تو بہر طور ہمین مستحق ہین - اس تخئیل سے مصنف نے استقرار حق ظاہر کیا ہو کیونکہ جناب زینب یہ تو جانتی ہین کہ صاحبزادے طالب ارث ہین اور اُنکا خیال بیجا نہین مگر مظلوم بھائی کی مصلحت کا لحاظ رکھکر بچونکے ارادون سے ناراض ہوکر تنبیہ فرماتی ہین -

زینب نے تب کہا کہ تمھین اس سے کیا ہے کام　　کیا دخل تجکو مالک ومختار ہین امام

چونکہ بچے ہین یہ بھی خیال ہو کہ کوئی طفلانہ حرکت نہ کر گذرین اسلیے منع فرماتی ہین دیکھو نہ کرنا بےادبانہ کوئی کلام - یعنے امام حسین سے طلب علم کی بابت درخواست نہ کر بیٹھنا -

بگڑونگی مین جو لوگے زبان سے علم کا نام ۔ سعادتمند فرزندونکو اپنی ناراضی سے دھمکاتی ہین
لو جاؤ بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے　　کیون آئے تم یہان علی اکبر کو چھوڑ کے
شاعر نے سلسلۂ تقریر مین برہمی مزاج جناب زینب کو رفتہ رفتہ قوت دی ہے ۔
سر کو ہٹو بڑھو نہ کھڑے ہو علم کے پاس　　ایسا نہ ہو کہ دیکھ لین شاہ فلک اساس
کھوتے ہو اور آئے ہوے تم مری حواس　　بس قابل قبول نہین ہے یہ التماس
رونے لگو گے پھر جو برا یا بھلا کہون
اس ضد کو بچپنے کے سوا اور کیا کہون

تخییل شاعرانہ کی تعریف کیجائے یا عناصر فصاحت کا بیان ہو کس کس چیز کیطرف نقاد کی طبیعت رجوع ہو کچھ سمجھ مین نہین آتا چارون مصرعون مین بزرگانہ تنبیہ پائی جاتی ہے مگر بیت مین تو غضب ہی کیا ہے (رونے لگو گے پھر) اس فقرہ نے بچپن کی شان دکھادی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر ایسا ہوا ہے آخر کم سن ہین سعید ہین رشید ہین خاندان رسالت کے بچے ہین مادر گرامی غصہ کرین تو جواب نہین دے سکتے بکمال غیرت و ادب کا مقتضا یہ ہے کہ رودین ۔ رو دینا بھی مان کو گوارہ نہین اسلیے فرماتی ہین کہ رونے لگو گے پھر اور پچھلے مصرعہ سے تسکین دیتی ہین کہ نہین رونا نہین تم بچہ ہو نا سمجھ ہو تمھاری ہر ایک ضد مقتضائے عمر ہے عمداً نہین ہین جانتی ہون تمھین یہ منظور نہین کہ خلاف مرضی امام کوئی خواہش کرو لہذا اپنے ارادونکو واپس لیلو اور اسکے ساتھ ہی منچلے بچون کا خیال خاندانی شجاعت کیجانب منتقل کردیا جاتا ہے ۔

نرغہ مین تین دن سے ہے تشنگانا کالال　　امان کا باغ ہوتا ہے جنگل مین پائمال

پوچھا یہ کہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال	میں لٹ رہی ہوں اور تمھیں منصب کا ہے خیال

غمخوار ہم مرے ہو نہ عاشق امام کے
معلوم ہو گیا مجھے طالب ہو نام کے

اس طرزِ نظم میں کچھ شاعری کی رنگینیاں نہیں ہیں بلکہ فصاحت زبان کے ساتھ واقعات اصلی اور جذبات حقیقی کی تصویر کھینچی ہے برہمی مزاج کے تیوروں سے والدۂ مضطر نے فرزندان رشید کے ارادے پھیر دیے اور جو طفلانہ خیال بچوں کی طبیعتوں کو اُبھار رہا تھا اس نصیحت و پند نے اُسے ضائع کر کے اطاعت و فرمان برداری کی طرف مائل کر دیا اور جوش محبت سے جان نثاری کے ولولہ پیدا ہو گئے۔

ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام	غصہ کو آپ تھام لیں اے خواہرِ امام
واللہ کیا مجال جواب لیں علم کا نام	کھل جائیگا مرینگے جو یہ با وفا غلام

فوجیں بھگا کے گنج شہیداں میں سوئینگے
تب قدر ہوگی آپ کو جب ہم نہ ہوئینگے

گو جناب زینب کا مقصود تو یہی تھا کہ فرزندوں کو خیال مرگ پر آمادہ کریں اور اوپر کے چند بندوں میں غزوات جناب امیر کا ذکر کر کے جوش شجاعت خاندانی کو متحرک کر دیا تھا مگر پھر بھی ماں کا دل ہے جب دیکھا کہ کمسن بچے جان نثاری پر آمادہ ہیں تو دل بےچین ہو گیا۔

بس کہہ کے یہ ہٹے جو سعادت نشان پسر	چھاتی بھر آئی ماں کی کہا تھام کر جگر
بیٹے ہو اپنے مرنے کی پیارو مجھے خبر	ٹھہرو ذرا بلائیں تو لیلوں میں نوحہ گر

کیا صدقے جاؤں ماں کی نصیحت بُری لگی
بچو یہ کیا کہا کہ جگر پر چھری لگی

یہ زبان اور یہ خاندان امامت کے حرم مقدس کی گفتگو اور یہ خیالات کا اُتار چڑھاؤ میرانیس کا حصہ ہے۔ اب جناب سید الشہدا اپنی بہن سے مخاطب ہو کر بھانجوں کی نسبت اپنا خیال ظاہر فرماتے ہیں۔

نو دس برس کے سن ہیں یہ جرأت یہ ولولے
اقبال کیونکر انکے نہ قدموں پہ منھ سے ملے
بچے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی منچلے
کس گود میں بڑے ہوئے کس دودھ سے پلے

بیشک یہ ورثہ دار جناب امیر ہیں
پر کیا کروں کہ دونو کی عمریں صغیر ہیں

بچوں کی شجاعت موروثی کی تعریف کرنے کے بعد کم عمری کی جانب اشارہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اُنکی عمریں قابل علمداری نہیں (اب جسکو تم کہو اُسے دیں فوج کا علم) کیا رازداری ہے اور فاضل شاعر نے سلسلۂ کلام میں کیا پُر اسرار پیچیدگیاں پیدا کی ہیں اور سلسلہ تقریر اور مرتبت کے پایہ سے گرنے نہیں پاتا ہر ایک ختم ہو جانے والے خیال کو آنے والے واقعہ سے کیا دلچسپ تعلق ہے یہ عذر تو ہو چکا ہے کہ بچے کمسن ہیں اسلیے قابل علمداری نہیں پھر بھی عاشق زار بہن کی خوشنودی خاطر کیلیے دریافت فرماتے ہیں کہ (اب جسکو تم کہو اُسے دیں فوج کا علم) اس مصرعہ میں وہ پہلو ہیں اور دونوں کو انداز خوانندگی سے تعلق ہے اگر پڑھنے میں (تم) کے لفظ پر فورس دیا جائے تو بچے مستثنےٰ ہو جاتے ہیں اور اگر (جس) کے لفظ پر قوت ڈالی جائے تو بچے بھی داخل

مستحقین ہین۔ پہلا مفہوم تو یہ ہے کہ بچے تو کم سن ہین اسکے علاوہ تم علمداری کے لیے کسیکو پسند کرتی ہو۔ اور دوسرا مقصود یہ ہی کہ بچے کمسن ہین مگر باوجود صغرسنی ہین تمھاری مرضی کا پابند ہون اگر تم چاہو تو انکو علم ملسکتا ہے فقط شاعر کا خیال یہ ہے کہ بھائی کو بہن کی دلشکنی کسی طرح گوارہ نہین مگر جناب زینب چونکہ پابند مصلحت امام ہین اسلیے (کی عرض جو سلطان نصف آسمان حشم)

فرمایا جب سے اُٹھ گئین زہراے باکرم　　اُسدن سے تمکو مان کی جگہ جانتے ہین ہم

بیت مین میر انیس نے اُس اجمال کی تفصیل کردی ہے جسکی بابت مین نے اس بند کے مصرعہ اول مین اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔

مالک ہو تم بزرگ کوئی ہو کہ خرُد ہو　　جسکو کہو اُسی کو یہ عہدہ سپُرد ہو

یہان خرُدونکو بھی مستثنیٰ نہین کیا ہی شاعر کا مقصود یہ ہے کہ امام کو اپنی تقریر سے بہن اور بھانجون کی خاطر شکنی گوارہ نہین۔ مگر جناب زینب آخر کس بھائی کی بہن ہین اُنکو خلاف مرضی امام کوئی راستہ اختیار کرنا منظور نہین اس لیے عرض کرتی ہین۔

بولی بہن کہ آپ بھی تو لین کسی کا نام　　ہی کسطرف توجہ سلطان خاص و عام
قرآن کے بعد ہی تو شہ دین کا ہی کلام　　گر مجھ سے پوچھتے ہین شہ آسمان مقام
شوکت مین قد مین شان مین ہمسر کوئی نہین
عباس نامدار سے بہتر کوئی نہین

یہان بہن نے اپنے پیارے بھائی کے دلی ارادے کا ترجمہ کردیا اور شاعر کے قلم نے وہی فیصلہ کیا جسمین بہن کی اطاعت اور بھائی کی مصلحت کا راز نہان تھا

اب جناب زینب اپنے چھوٹے بھائی کو شایان علمداری ظاہر کرنے کے بعد جناب امام حسین سے چند خصوصیات کے متعلق تعریف کرتی ہین۔

عاشق غلام خادم دیرینہ جان نثار فرزند بھائی زینت پہلو وفا شعار
راحت رسان مطیع لمووار و تابعدار جرار یادگار پدر فخر روزگار
صفدر ہے شیر دل ہے بہادر ہے نیک ہے
بیمثل سیکڑون مین ہزارون مین ایک ہے

بنظر غائر دیکھا جائے تو فاضل شاعر کے تمام شاعرانہ خیالات نیچرل فلاسفی سے مرتب ہین۔ اس بند مین شاعرانہ خیال کی معجز نگاری قابل غور ہے جناب زینب نے چھوٹے بھائی کی تعریف کے متعلق جتنے لفظ استعمال فرمائے ہین وہ سب تعداد مین اُنیس ۱۹ ہین اور اُن سب مین ایک بھی ایسی صفت نہین جو صفت اضافی یا مبالغۂ شاعرانہ پر محمول کیجائے ایک بہن کے دو بھائی ہین مگر امام حسین اور جناب عباس مین جو فرق ہے وہ اس طرح سرائی سے ارباب تحقیق پر واضح ہو جاتا ہے اور صاحبان بصیرت خاندان امامت کے مدارج سے آگاہ ہو جاتے ہین اور پھر چھٹے مصرعہ نے پانچون مصرعون پر فوقیت پیدا کی ہے یعنے فرداً فرداً ان اوصاف کے جمع ہونے پر (بیمثل سیکڑون مین ہزارون مین ایک ہے) اس مصرعہ نے ترقی کا عنوان ظاہر کیا ہے اور یہی نازک خیالیان ہین جس سے میرانیس کی شاعری نے خاص نوعیت پیدا کی ہے۔

گرمی روز عاشورہ

گرمی کا روز جنگ کی کیا کیجئے بیان ڈر ہے کہ مثل شمع نہ جلنے لگے زبان

وہ لون کہ الحذر وہ حرارت کہ الامان   رن کی زمین تو سرخ تھی اور زرد آسمان
آب خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

پہلے یہ بات ظاہر کرنے کی ضرورت ہی کہ شاعر نے محض اظہار شاعری کے لیے یہ سبجکٹ نہین لیا ہی جسطرح خیالی داستانون یا مثنویون مین ایک فرضی بحث قائم کرکے تشبیہ و استعارات کی رنگینیان دکھائی جاتی ہین اُس سے قطع نظر کرکے اس مقام پر محض واردات و مرویات سے تعلق پیدا کیا ہے کتب معتبرہ احادیث مین وارد ہو گیا ہی کہ روز عاشورہ کی گرمی کی مثال معرکۂ کربلا سے قبل و بعد کی تاریخ مین نہین پائی جاتی جسمین مصالح قدرت کے رازون کی جھلک ہی واقعہ اصلی بیان کرنے مین اگر صنعت مبالغہ کو شاعر کہین مصرف مین لایا ہی تو اس بات کو مطالب حدیث سے کوئی علاقہ نہین بلکہ فن شاعری سے تعلق ہی اور یہ تخئیل ضمنی ہے۔ اتنا ظاہر کردینے کے بعد اب ہم مقاصد اصلی کی جانب رجوع ہوتے ہین اس بند کے تین مصرعون مین فصل گرمی کی تمہید کے بعد چوتھا مصرعہ ایک منظر واقعی ہے شدتِ گرمی اور تمازتِ آفتاب مین افراط حرارت سے زمین کا سُرخ ہو جاتا اور بخاراتِ ارضی کے صعود سے عالم بالا پر زردی کا پہونچنا یہ قدرتی سین دکھایا گیا ہی اس شاعری کی نزاکت سوائے اُسکے کہ جسکے دل مین نیچرل مذاق کا احساس ہو دوسرا محسوس نہین کرسکتا بیت مین گرمی کی ایک کیفیت کے بیان کرنے ہی پر اکتفا نہین فرماتے بلکہ لوازم شاعری کے تصرف سے عناصر اربع کو جمع کردیا ہے آب و خاک و باد و آتش گویا فصلی تغیر نے عناصر مین تہلکہ ڈالدیا تھا

مصرعون کی سجاوٹ مین بے تکلف لفظونکا استعمال صنائع شاعری کے رازونکو
کھُلنے نہین دیتا اور مقتضائے فصاحت بھی یہی ہو کہ اجتماع الفاظ سے صنعت
مراعات النظیر وغیرہ کے لیے کوئی خاص کوشش ممیز نہ ہو۔

وہ لون وہ آفتاب کی حدت وہ تاب تب | کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوے تھے لب | خیمے جو تھے حبابونکے تپتے تھے سب کے سب

اُڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

مضامین شاعرانہ سے زیادہ قوت تخئیل مضامین قدرتی کیجانب مائل ہوتی ہے
دوسرے مصرعہ مین حدت تموز آفتاب سے زمین و آسمان کے خلا مین تیرگی پیدا
ہونا ایک عجب حکیمانہ تحقیق ہے جب دھوپ کڑی ہوتی ہے تو اُسکے جسم کی غلاظت
سے ایک قسم کا سایہ پیدا ہو جاتا ہے اُس سایہ سے دن کا کالا ہونا شاعر کی مراد
ہی تیسرے مصرعہ مین ساحل کا خشک ہونا ایک معمولی خیال شاعری ہو جسکو
اکثر شعراء متقدمین لکھ گئے ہین مگر ساحل کو لب نہر علقمہ بنا کر اِس استعارہ سے
علامت شدت تشنگی کو ثابت کرنا میر انیس کا ذاتی مضمون ہے مضامین مستعمل
قدماء کو بھی نئے قالب مین ڈھالتے ہین اور اپنی شاعری کی نوعیت ظاہر کر دیتے
ہین اس مرثیہ مین گرمی کا بیان ایسا لکھا ہے کہ ایک ایک مصرعہ قابل
تنقید ہے مگر بخیال طول اجمالاً ذکر کرون گا۔

کوسون کسی شجر مین نہ گُل تھے نہ برگ و بار | ایک ایک نخل جل رہا تھا صورت چنار
ہنستا تھا کوئی گُل نہ لہکتا تھا سبزہ زار | کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخ باردار

گرمی وہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتّے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے

اس بند میں مناسبات لفظی و رعایت لفظی کے علاوہ مرثیت کا کسقدر لحاظ رکھا ہے یعنی گرمی کے بیان کے ساتھ ساتھ ہر چیز سے حزن و ملال کا عالم پیدا ہو رہا ہے جو مقتضائے وقت اور بنیاد مرثیت ہو۔

سرخی اُڑی تھی پھول سے سبزی گیاہ سے
پانی کنوئیں میں اُترا تھا سایہ کی چاہ سے

نیچرل شاعری میں فصاحت اور سادگی زبان میں معنی خیزی اور بلندی مضامین قابل غور ارباب کمال ہے۔

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منھ نکالتے تھے سبزہ زار سے

دونوں مصرعوں میں جنگل کی گرمی کا سین کھینچا ہے درحقیقت ایسا ہی ہوتا ہے عجب حیرت کی بات ہو کہ فاضل شاعر کی شاعری واقعات کی پابند ہو کر بھی اپنی دلفریبی کم نہیں ہونے دیتی۔

آئینہ مہر کا تھا مکدّر غبار سے
گردون کو تپ چڑھی تھی زمین کے بخار سے

پہلا مصرعہ مضامین ذاتی کا نمونہ اور پھر مسئلہ فلسفہ شدت گرمی میں ہوا بند ہونیکی وجہ سے زمین کے غبار کا بلندی پر چڑھ کر بند ہو جانا اور اُس سے آفتاب کی نورانی حالت میں تکدّر پیدا ہونا یہ سب مناظر قدرت ہیں۔ دوسرے مصرعہ میں بخار سے مراد بخار ارضی ہو یعنی بخارات ارضی کے صعود سے آسمان کو تپ چڑھی تھی فلسفیانہ خیال ہی

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پہ

یہ ترجمۂ حدیث ہی جسپر ناواقفوں کو مبالغہ کا وہم پیدا ہو جاتا ہے اور جو علم تاریخ سے

بے خبر ہین اس قسم کے مضامین پر اعتراض کر بیٹھتے ہین میرانیس کی نظمون مین بسبب حسن بیان و فصاحت زبان ضمنی اور واقعی باتون مین کم امتیاز ہوتا ہو۔

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشان
منھ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان
تہ پر تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان
پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

اس بند مین فاضل شاعر نے قوت بلاغت دکھائی ہے دیکھو اپنے انداز شاعری سے قطع نظر کر کے جب وہ تشبیہ و استعارہ کی طرف رجوع ہوتے ہین تو اسمین بھی کسقدر بلند جاتے ہین اور باوجود بلند پروازی کسی جگہ کلام مین اغلاق و معنی بندی کا بھدا پن نہین پایا جاتا۔ اسکے آگے کے دو بند اور اسی انداز کے ہین۔

آئینہ فلک کو نہ تھی تاب تب کی تاب
چھپنے کو برق چاہتی تھی دامن سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجونکو اضطراب
کافور صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبد چرخ اثیر مین
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر مین

مختصر تعریف یہ ہو کہ وہ سب کچھ کرسکتے تھے اور ہر رنگ پر قادر تھے اور اُنکی تصنیفات سے کم و بیش ہر رنگ کے نمونے اقتباس کیے جاسکتے ہین مگر ہر رنگ مین اُنکی شاعری کا مدار فلسفۂ قدرت کے اصول پر ہے۔

آب رواں سے منھ نہ اُٹھاتے تھے جانور
جنگل مین اُڑتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر

یہ اضطراری حالت ایک اصلی نظارہ ہے کہ ایسی شدت کی گرمی مین پرندا ایک

مقام پر اطمینان سے نہین بیٹھ سکتے۔

مردم تھے سات پردونکے اندر عرق مین تر | خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ مین | پڑ جائین لاکھ آبلے پائے نگاہ مین

معلومات علمی اور قادر الکلامی کی یہ کیفیت ہے کہ ہر استعارہ اپنی بلاغت کو فصاحت کے لباس مین پیش کرتا ہے۔

اُس دھوپ مین کھڑے تھے اکیلے شہِ امم | نہ دامن رسول تھا نہ سایۂ علم
اُودے تھے لب زبان پہ تھے کانٹے کمر مین خم | شعلے جگر سے آہ کے اُٹھتے تھے دمبدم

بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات مین لکنت زبان کو

بس یہ میرانیس ہین کسی اور قلم مین یہ طاقت نہین کہ امام مظلوم کی تصویر اس طرح کھینچ سکے۔ مرثیت جسکا نام ہے مضامین آفرینیون مین بھی وہ پہلو چھوٹنے نہین پاتا اور کس حسن سے مقاصد مرثیت کیجانب گریز کرتے ہین۔ ہر اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ خدا کا ہاتھ کام کرتا تھا اور جو باغ خلد کے روح افزا پھول اُن کو ملتے تھے وہ خاندان رسالت کے مقدس مزارون پر چڑھا دیتے تھے یہ تمازت آفتاب اور یہ گرمی کی شدت یہ قحط آب اور یہ انقلاب سب امام حسین ہی کے لیے تھا یہ بات براعت استہلال سے پیدا ہے اور پہلا مصرعہ یہ راز ظاہر کر رہا ہی دوسرے مصرعہ سے ثابت ہی کہ عظمت وجبروت شان امامت کا مقتضا یہی تھا کہ سید الشہدا کے لیے یہی دو متبرک چیزین سایہ کرنے والی تجویز کیجاتین (دامن رسول وسایۂ علم) اور ان دونون کے نہ موجود ہونے سے حسین مظلوم کی

مظلومی اور بیکسی کا اظہار ہے بیت مین پانچوین مصرعہ کا قافیہ ممکن نہین کہ کوئی نازک خیال شاعر اس سے بہتر پیدا کر سکے وہ اہل ولا کہ جنکو رسول اور آل رسول سے دلی محبت ہو اس ایک بند کے مضمون حسرت و یاس سے اُس راہ خدا مین سر دینے والے کی ہمت و شجاعت کا اندازہ کر لین گے۔

اظہار اختیارات امامت

کہدون تو خوان لیکے خود آئین ابھی خلیل　　چاہون تو سلسبیل کو دم مین کرون سبیل
کیا جام آب کا ہمین تو دیگا اذ لیل　　بے آبرو خسیس ستمگر دنی بخیل
جس پھول پر پڑے ترا سایہ وہ بو نہ دے
کھلوائے فصد تو تو کبھی رگ لہو نہ دے

کہدون اور چاہون دو مصرعون مین دو مقابلہ کے لفظ جمع ہوے ہین دیکھنے مین تو معمولی لفظ ہین مگر تحکم و استغنا کی شان دکھانے کو جامع اور محیط ہین چوتھے مصرعہ مین بخل و خست کی ہجو کر کے بیت مین دنائت طبیعت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ پورے بند مین بلاغت و فصاحت کو سمویا ہے چھٹے مصرعہ کا مضمون بالکل اچھوتا ہے۔

تلوار کا میان سے نکلنا

کاٹھی سے اسطرح ہوے وہ شعلہ خو جدا　　جیسے کنار شوق سے ہو خوبرو جدا
مہتاب سے شعاع جدا گل سے بو جدا　　سینے سے دم جدا رگ جان سے لہو جدا
گرجا جو رعد ابر سے بجلی نکل پڑی

محمل مین دم جو گھٹ گیا لیلیٰ نکل پڑی

اِس حالت کو متعدد مرثیون مین نظم فرمایا ہے مگر افراط مضامین خداداد ہو فصاحت آگینی اور مناسبات لفظی کے ساتھ ساتھ ہر جگہ نئی تشبیہون سے کام لیا ہو اِس بند مین افتراق کی جتنی چیزین مشتبہ بہ ہین اُن سبکو باہم مفارقت کے لیے کتنی سرعت ونزاکت کی ضرورت ہو یہ شاعر کا مقصود ہے اور پورا بند تغزل کے گہرے رنگ مین رنگا گیا ہے۔ کہنہ مشق شاعرون کی غزلون مین بھی ایسے دلفریب لفظون کی بیچپیان کم دیکھنے مین آتی ہین۔

تلوار کی تعریف

گرمی مین برق تیغ جو چمکی شرر اُڑے
جھونکا چلا ہوا کا جو سن سے تو سر اُڑے
پرکالۂ سپر جو اِدھر اور اُدھر اُڑے
روح الامین نے صاف یہ جانا کہ پر اُڑے

ظاہر نشان اسم عظیمت اثر ہوے
جو جو عمل لکھا تھا وہی پر سپر ہوے

سیف مین جسقدر محاسن ہین تنقید کے لیے اُتنے لفظ بھی تلاش کرنا غیر ممکن ہین قافیہ کے ساتھ ردیفون کا تعلق اور با محل تصرف میر مرحوم کا حصہ ہو کوئی ردیف قافیہ سے غیر مانوس نہین معلوم ہوتی جو ضرورت شعری کے لیے بے ربطی ظاہر کرے۔

آئی چمک کے غول پہ جب بیسر گرا گئی
دم مین جمی صفون کو برابر گرا گئی
ایک ایک قصر تن کو زمین پر گرا گئی
سیل آئی زور شور سے اور گھر گرا گئی

آپہونچا اُسکے گھاٹ پہ جو مر کے رہ گیا
دریا لہو کا تیغ کے پانی سے بہ گیا

مثنوی یا مرثیہ یہانتک کہ قصیدہ بیا ایسی صنفین ہین جنہین معاملہ بندی کے سبب سے شعرا صرف قافیہ پر اکتفا کرتے ہین مگر ہندوستان کا زبردست شاعر انیس اس معاملے مین مجبور نہین وہ اپنی شاعری کا مقصود ان پابندیون مین بھی نثر کے فصیح جملون سے زیادہ وضاحت و صراحت سے بیان کر سکتا ہے اور اُسکی قوت خیال اس دشوار گذار راہ مین بھی آزادی سے کام کر رہی ہے اور کیسی کیسی شور زار زمینون کو سیر حاصل بنا دیا ہے چوتھے مصرعہ سے اس بند مین بیت کو رلیط ہر اور استعارہ کا خاتمہ ہو گیا ہے یہ سہل الممتنع شاعری کی مثالین ہین سلسلۂ مناسبات لفظی کہین قطع ہونے نہین پاتا۔ دوسرا بند بھی اُسی لگاؤ سے شروع ہوتا ہی کیا خداداد قوت شاعری ہے اور کیا کامل مشق ہے۔

اس آبرو پہ شعلہ فشانی خدا کی شان
پانی مین آگ آگ مین پانی خدا کی شان
خاموش اور تیز زبانی خدا کی شان
استادہ آب مین یہ روانی خدا کی شان

لہرائی جب اُتر گیا دریا چڑھا ہوا
تیرون تھا ذوالفقار کا پانی بڑھا ہوا

دوسرے مصرعہ کی قوت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چوتھا مصرعہ ہونے کا حق اسے حاصل تھا مگر کسکے لیے اُس شخص کے لیے کہ جسکی ترقی خیال کے کوئی حد قائم ہو وہ تیسرے اور چوتھے مصرعہ کو بتدریج ترقی دیتے چلے گئے اور پھر اپنے عنوان نظم کے موافق بیت کو چوتھے مصرعہ سے وابستہ کر دیا اس بند کے چارون مصرعہ

جو رنگینی صنعت استعارہ فلسفہ فطرت کی تشریح ہین - یہ تخئیل ارادی نہین ہو
سکے لیے شاعر ایک خاص دل و دماغ لیکر پیدا ہوتا ہے بیت کے کئی باریک پہلو
ل نقادی ہین مگر اُنیر وہی تنقید لکھ سکتا ہے جو میر انیس سا نازک خیال ہو اس
ت کے متعلق پے در پے آنے والے خیالون نے قوتِ نقادی کو منتشر کردیا ہے
ا کثرت محاسن کے لیے افراط الفاظ کی ضرورت ہو اسلیے ہیچمدان احسن کو
ا بے بضاعتی اور کم علمی پر افسوس ہوتا ہے ۔

دریاے آب ذوالفقار مین جب لہر آئی تو دریا اُتر گیا یعنی لوگون کی نظرون سے
ں دریا کی عظمت جاتی رہی یا دریا خود شرم سے اُتر گیا - پانی کا نیزون بلند ہونا
مت پیمائش مقدار آب ہو اور بذریعہ صنعت ایہام یہ مقصود ہوگا کہ وہ ضربین
ا لفون کے نیزون پر پڑی ہین اُنکے لیے مضمون واقعی ہے دوسری صورت
ا ہے (لہرائی جیب) لہر آنا اصطلاح زبان اُردو مین شوق پیدا ہونا ہے یعنے تلوار کو جب
ں و خونریزی کا شوق پیدا ہوا تو روانی آب شمشیر سے چڑھا ہوا دریا اُسکی نظرو نسے
گیا کیونکہ اُسکا پانی امام حسین کی قوتِ اعجازی سے نیزون بڑھ گیا تھا اب چوتھے
مرعہ سے اس بیت کے مضمون کو متعلق کیجیے تو اور کچھ لطف پیدا ہوتا ہو ؎
ستادہ آب مین یہ روانی خدا کی شان - آب استادہ اور آب سیال تو متضاد
فتین ہین مگر لہر آنے سے روانی پیدا ہوتی ہو کیونکہ لہر آنا پانی کا متحرک ہونا ہے اور
رک ہونا جوش سے مراد ہو پس یہ نازک مفہوم قابل غور ارباب کمال ہو جسکے
ن کو الفاظ نہین ملتے اور بھی ایک نازک پہلو خیال مین آتا ہو یعنے دریا مین
پیچ و تاب پیدا ہوا اور دریا کو لہر آئی تو طوفان آب تیغ کا نظارہ کرکے دریا

شرمندہ ہو کر گھٹ گیا یا اُتر گیا اسوجہ سے کہ ذوالفقار کا پانی نیزون چڑھا ہوا تھا اور دریا اس ترقی سے مجبور تھا میر انیس مرحوم کے اس مصرعہ کو انداز خوانندگی سے زیادہ تعلق ہے اُسکے موشگاف لفظون مین نہین ادا ہو سکتے خط قوسی ڈیلش فل اسٹاف کاما نقاط فاصل۔ اِن علامات کے ذریعے سے اُن اداؤنکا بیان دشوار ہے جو خوانندگی سے علاقہ رکھتی ہین اور اس خاندان کے مرثیونکو اس خاندان کے انداز خوانندگی سے بہت کچھ تعلق ہے یہ لوگ اپنی شاعری کے جذبات قوت خوانندگی کے ذریعے سے ظاہر کرتے ہین اور اُنکی شاعری اس ترکیب سے مختلف معنی پیدا کرتی ہے چنانچہ میرے اُستاد مغفور اپنے اکثر مصرعے اور بیتین مختلف انداز سے پڑھتے تھے اور تغیر انداز خوانندگی سے تغیر معنوی پیدا ہو جاتا تھا اسکی مثالین اُنکی تصنیفات مین بہت ہین مین یہان ایک بیت کی مثال پر اکتفا کرون گا۔

ہتھیار پھینک پھینک کے بھاگے لڑائی سے تیغین تو اپنی آکے اُٹھالو ترائی سے

صورتِ اول تو ظاہر ہے کہ امام حسین بھاگنے والے مخالفون سے رحیمانہ خطاب فرماتے ہین اور اُنکی نامردی اور بزدلی پر نفرت کرکے اجازت دیتے ہین کہ جو ہتھیار تم چھوڑ کر بھاگ گئے ہو وہ تو اُٹھا لیجاؤ اور دوسرے انداز خوانندگی سے بالکل اسکے خلاف معنی پیدا کیے ہین اور وہ یہ ہین کہ گویا اسوقت تک اس خطاب مین انتقام کی جھلک ہی اور سید الشہدا کا غصہ فرو نہین ہوا اسلیے فرماتے ہین کہ اگر بہادر ہو تو جو تیغین فراری کی حالت مین چھوڑ گئے ہو بھلا اُنکو تو اُٹھا لو یعنی ممکن نہین کہ اُٹھا لیجا سکو اگر ہمارے سامنے وہ اس بیت کو دونون صورتونسے

نہ پڑھ چکے ہوتے اور ہم بجائے خود مرثیہ مین اُس مقام پر نظر ڈالتے تو ہمارا ذہن کبھی اس باریکی کی جانب منتقل نہ ہوتا اسیطرح اُنکے مورث اعلےٰ مجدد مرثیہ گوئی کی تصنیف ایسے رازون سے بھری پڑی ہے درحقیقت اظہار جذبات شاعری بغیر تصرف علم اشارات[1] غیر ممکن ہے۔

آیا خدا کا قہر جدھر سن سے آگئی
کانوں مین الامان کی صدا رن سے آگئی
دو کر کے خود زین پہ جوشن سے آگئی
کھنچتی ہوئی زمین پہ توسن سے آگئی
بجلی گری جو خاک پہ تیغ جناب کی
آئی صدا زمین سے یا بوتراب کی

درحقیقت معرکۂ جدال امام حسین قہر خدا ہی تھا کیونکہ اس معرکہ مین سید الشہدا پابند رضائے الٰہی تھے اور حکم جہاد منجانب اللہ تھا اس صورت مین حضرت کی ہر ضرب کو قہر خدا سے تعبیر کرنا اصلی خیال ہے اور قہر خدا سے امان مانگنا بھی فرض ہے اسکا گواہ مصرعۂ ثانی ہے تیسرے چوتھے مصرعہ مین کس التزام سے بتدریج تلوار کے کاٹ کی تفصیل فرماتے ہین اور زمین تک پہونچکر منادی کی خوبی پانچوین مصرعہ کے ایک لفظ سے ظاہر ہے یعنی (خاک) صنعت ایہام کی نزاکت دیکھیے

لشکر اعدا کے ایک پہلوان کی تصویر

بالا قد و کلفت تن و مند و خیرہ سر
رو مین تن و سیاہ درون آہنین کمر
ناوک پیام مرگ کا ترکش اجل کا گھر
تیغین ہزار ٹوٹ گئین جسپہ وہ سپر

---

[1] علم اشارات مین نے یہان موشنس کا ترجمہ کیا ہے۔

دل مین بدی طبیعت بد مین بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

فصاحت خداداد کا یہ ثبوت ہی کہ حسب پیمایش اصول عروض صدر و ابتدا عروض وضرب وغیرہ کے ٹکڑون کی ترتیب مین کہین جھول پیدا نہین ہوتا اور حتی الوسعہ حرفونکا دبنا اور گرنا بھی وہ مکروہ سمجھتے ہین خواہ ایسے ہی حرف کیون نہون جنکا سقوط عروضیون کے نزدیک جائز ہے۔ بڑے بڑے فصیح البیان اس میدان مین مجبور ہو جاتے ہین اور اول سے آخر تک کسی نظم کو ایک پایہ کا ثابت کر کے دکھانا جس سے عجز طبیعت اور کمزوری تصنیف ظاہر نہو بڑی قوت وار فکر ونکا کام ہے۔

میرانیس نے اکثر مرثیون مین ایسی مصوری کی ہے اور یہ باطن دشمن اسلام مگر قوی اور کریہہ منظر پہلوانون کا کیرکٹر لکھنے کے وقت اُسکے خصائل خصائص کی نوعیت دکھانے مین اعلے درجے کی کامیابی حاصل ہوئی ہے اور ہر جگہ مدح یا ذم (جو کچھ اُسکو کہہ سکین) کے نئے لفظ استعمال ہوتے ہین اُنکا خزانہ کبھی خالی نہین ہوتا اُنکو اُردو زبان پر کافی عبور تھا اُنکے کلام مین تلاش کیے جائین تو بہت لفظ ایسے ملین گے جو بالکل اچھوتے ہین اور اُس بادشاہ سخن کا جاری کیا ہوا ہے۔

تفاخر شاعرانہ

کھنچ جائے شکل حرب وہ تدبیر چاہیے
حاسد بھی سب مقر ہون وہ تقریر چاہیے
تیزی زبان مین صورت شمشیر چاہیے
فولاد کا قلم دم تحریر چاہیے

نقشہ کھنچے گا صاف وم کارزار کا
پانی دوات چاہتی ہے ذو الفقار کا

اس بند مین شاعرانہ بلند پروازی جدّت مضامین رنگینی خیالات کی خوبیان ہین اور اسکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور اپنے رنگ مین لکھ بھی سکتا ہے مین اُن مقامون پر زیادہ زور دینا چاہتا ہون جہان میرانیس نے اپنی ذاتی اور فطری شاعری سے کام لیا ہے اور محاسن زبان اُردو کو سہل الممتنع شاعری مین برتا ہے اور باوجود سادگی نظم ابتک اُس سلمائے شاعری کا حسن دلفریب زیر نقاب ہے

ندائے غیب

بس اب نکر وغا کی ہوس اے حسین بس | دم لے ہوا ہین چند نفس اے حسین بس
گرمی سے ہانپتا ہی فرس اے حسین بس | وقت نمازِ عصر ہے بس اے حسین بس
پیاسا لڑا نہین کوئی یون اژدحام مین
اب اہتمام چاہیے اُمّت کے کام مین

دُنیا مین کوئی چیز ایسی نہ تھی جو امام کے جذبات شجاعت کو روک سکے سوا اُس حکم کے کہ جسکی تعمیل مین سیّد الشہدا نے اپنے چھوٹے چھوٹے بچّون اور پیارے عزیزون کی قربانی چڑھائی یہ ایک مضمون حدیث ہو اب میرانیس کے اثرات الفاظ پر نظر ڈالو اور عالم روحانی کا مشاہدہ کرو تو اُس آواز کا اثر مجبور کرتا ہے کہ ملائک مقدس کی صدائین میرانیس کے لب ولہجہ مین اُتر آئی ہین۔ بس ایک پابند اعمال صالح کے لیے فضیلت وقت نماز کا ضائع ہونا کسقدر متکلف و موذی خیال ہے جسنے شجاع عرب کے غیض وغضب پر غالب آکر تعمیل حکم کی جانب

محو کر دیا اور جو تلوار ابھی ملک الموت کو مدد دے رہی تھی نیام مین رکھ لیگئی اور جو ہاتھ چند منٹ پیشتر شجاعت کی اعجازی طاقت دکھانے مین مصروف تھے بکمال ادب معبود حقیقی کی درگاہ مین مغفرت اُمت کے لیے مصروف دُعا ہو گئے اللھم صل علے محمد و علی آل محمد اس مقام کو ہر شاعر یا مرثیہ گو حسب واقعہ اصلی لکھنے پر مجبور ہوگا مگر یہ خیال اور یہ لفظ اسکو نہین ملسکتے جو ایک مجاہد مظلوم کی آخر وقت کی تصویر دکھانے کا آئینہ ہین اور میر انیس کے الفاظ مین آسمانی تاثیر کی روح پھونکی گئی ہے اب مین وہ غم انگیز نظارہ دکھاتا ہون جسپر ملائک مقدس آسمانی نے بھی خون کے آنسو بہا ہین

جنگل سے آئی فاطمہ زہرا کی یہ صدا اُمت نے مجکو لوٹ لیا وا محمدا
اسوقت کون حقِ محبت کرے ادا ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا

اُنیس سو ہین زخم تنِ چاک چاک پر
زینب نکل حسین تڑپتا ہے خاک پر

الفاظ استغاثہ کی قوت و تاثیر کو صرف وہی لوگ امتیاز کر سکتے ہین جو نزاکت زبان کے بیش بہا جواہر کے پرکھنے والے ہین مگر چھٹے مصرعہ کا اثر کن لفظون مین بیان کرون۔ یہ میرے امکان سے باہر ہے اس مصرعہ مین میر انیس کے الفاظ خود پکار رہے ہین کہ کوئی دررسیدہ ماں اپنے پیارے جگر مظلوم و بیکس فرزند کی امداد کے لیے استغاثہ کرتی ہو اور اُس استغاثہ مین جناب زینب کو مخاطب کرنا ایک قدرتی اصول کا دکھانا ہے کہ اُسوقت واماندگان معرکہ کربلا مین سید الشہدا سے محبت کا تعلق رکھنے والے زن و مرد مین کون کون باقی تھا سلسلہ کلام اور ترتیب واقعات کے قائم رکھنے کے لیے دوسرے بند مین امام مظلوم کی عاشق زار

بہن کے اضطراب و اضطرار دل کا نقشہ کھینچا ہے اور مضطرب الحال بہن نے بھائی کی لاش تک پہونچنے کے لیے والدہ مقدسہ کے حکم کی تعمیل کس صورت اور حالت سے کی ہے۔

پردہ اُلٹ کے بنتِ علی نکلی ننگے سر
لرزان قدم خمیدہ کمر غرق خون جگر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر
اے کربلا بتا ترا مہمان ہے کدھر
امان قدم اب اُٹھتے نہین تھتہ کام کے
پہونچا دو لاش تک مرے ہاتھونکو تھام کے

چوتھے مصرعہ کا مقصود عجب رقت خیز ہے میرانیس جس میدان مین شاعری کرتے ہین اُسکی وسعت دکھاتے ہین چونکہ یہ موقع بین کا ہی اسلیے لفظون مین وہ اثر بھر دیا ہے جس سے اہل دل کا قلب قابو مین نہین رہ سکتا۔ کربلا مین کسی مسلمان کی حمیت انسانی اس قابل نہ تھی کہ وہ امام حسین کی خدمت مہمانی سے مخاطب کیا جاتا اسلیے کربلا یا زمین کربلا کو مخاطب فرماتے ہین اور اس خطاب سے قدرتی مظلومی اور بیکسی کا اظہار کیا ہی بیت مین بند اول کے چھٹے مصرعہ کا جواب ہی اور یہ التزام میرانیس کا حصہ ہے۔

خاتمہ

بس اے انیس ضعف سے لرزان ہی بند بند
عالم مین یادگار رہین گے یہ چند بند
ٹپکے قلم سے ضعف مین کیا کیا بلند بند
عالم پسند لفظ ہین سلطان پسند بند
یہ فضل اور یہ بزم عزا یادگار ہے
پیری کی طاقتین ہین خزان کی بہار ہے

اس بند مین اپنے طرز شاعری کا ایک لفظ استعمال فرمایا ہے یعنی (ٹپکے) باوجودیکہ اس مقام پر نکلے بھی ایک ہموزن لفظ موجود تھا اور کیا عجب ہی کہ کوئی دوسرا شاعر نکلے ہی لکھتا مگر میر انیس کا مابہ الامتیاز فرق باقی نہ رہتا یہ فصل یعنی فصل پیری پیری کی طاقتین اور اُسکے مقابل کا ٹکڑا خزان کی بہار یہ تلاش انیس ہی اب مرثیے کے ہر مقام کی قوت دیکھنا چاہیے اُکسی جگہ دل و دماغ مین ضعف و عجز پیدا ہونے نہین پاتا اکثر شعرا کا رنگ طبیعت کسی خاص (سبجکٹ) پر زور دکھاتا ہے مگر میر انیس کا قلم ہر رنگ مین فصاحت کے چمن کھلاتا ہی میر انیس کا مرثیہ مطلع سے مقطع تک وہ جواہر نگار ہار ہے جسمین کسی سلیقہ شعار سادہ کار نے مختلف جواہر کو حسب موقع نصب کر دیا ہو اور وہ گلدستہ ہی جس مین مختلف رنگ و بُو کے پھول کام مین لائے گئے ہین مگر بحیثیت مجموعی ہر ہر پھول بجاے خود دلفریب ہے۔

دوسرے مرثیے کا انتخاب

اس مرثیے کے عنوان مین ابوالفضل عباس کی شہادت کے بعد امام حسین کی حالت کی تصویر کھینچی ہے۔

بھائی وہ مرچکا ہی کہ تھا جسکے دم سے گھر | سیدھی نہین ہوئی ابھی ٹوٹی ہوئی کمر
اب طالب رضاے وغا ہی جوان پسر | تو کون مین برچھیون کے ہی پیمبر کا جگر

پیری مین اس جوان کو بھی کھوئین تو کیا کرین
کیون منصفو کہو جو نہ روئین تو کیا کرین

بڑھتا ہے ہاتھ جوڑ کے جب شہ کا نور عین | خیمے کو تکتے لگتے ہین منھ پھیر کے حسین

ان دونون مصرعون مین ایک سین دکھایا گیا ہے جسکو سٹنس (علم اشارات) سے تعلق ہے اور یہ وہ نکتہ ہے جسپر آج یورپ کے فسانہ نگارونکو ناز ہے جب جناب علی اکبر بارادۂ رضا سے جہاد بڑھتے ہین تو سید الشہدا اپنے فرزند کی توجہ دوسری جانب مائل کرنے کے لیے خیمہ کی جانب تکنے لگتے ہین تیسرے مصرعہ مین امام مظلوم کے خیال کی توضیح ہے اور چوتھے مصرعہ مین شاعری کا نازک پہلو پیدا ہوا ہے لفظ (عباس) پر زور دینے سے یہ مقصود ہے کہ عباس کی مرگ سے تو اہلبیت کی یہ حالت ہی۔ اب اگر تم شہید ہوے توکیا حال ہوگا۔ اس صورت مین (یہ) کا لفظ اسم اشارہ سمجھا جائےگا اور اگر (یہ) کا لفظ کلمۂ استعجاب سمجھا جائے تو تغیر معنوی ہوکر شاعری ایک دوسرا رُخ پیدا کرتی ہے یعنی اس کثرت سے رنج و ملال اہلبیت پر طاری ہے کہ تمھاری مفارقت کسی کو گوارہ نہ ہوگی پھر بیت مین اس خیال کا دفع دخل فرماتے ہین۔

بھائی جہان سے جانب خلد برین گئے   پُرسے کو بھی چچا کے تم اتبک نہین گئے

پھر کرینا جناب علی اکبر کے ارادہ کا پھیرنا منظور ہے شاعر نے اس بند مین عجب مسٹری دکھائی ہے جسکو ماہران فن خوب سمجھ سکتے ہین۔ یہ خیال لفظون مین بیان کرنے کے قابل نہین اور نہ الفاظ جذبات اصلی کی تصویر کھینچ سکتے ہین یون تو ایک سادہ بند ہے جسمین رنگینی مضامین اور تکلفات شاعری کو بالکل دخل نہین مگر میر انیس اسی تخئیل سے میر انیس کہلائے اور انھین نازک خیالیون نے کلام کو گران قدر بنا کر مقبول خاص و عام کرایا عام اس سے کہ کوئی قوت امتیازیہ ان باریکیون تک پہونچے یا نہ پہونچے مگر یہ سُریلا نغمہ سب کے کانون کو بھلا معلوم

ہوتا ہے اسکے آگے اور دو بند اسی تمہید سے مسلسل ہین اور یہ میرانیس کی شاعری کا خاصہ ہو کہ جس مبحث کو لیتے ہین اُسمین کوئی گوشہ چھوڑتے نہین اور اُن کا اُن تھک خیال زمین و آسمان کے فضاے وسیع مین کسی جزو شاعری کی نسبت فروگذاشت نہین کرتا۔

اصغر کو دیکھو عابد بیکس کی لو خبر۔ بچون سے سبکو محبت ہوتی ہو اور یہ ایک قدرتی لگاؤ ہے اسلیے امام علیہ السلام کا خیال ہے کہ علی اصغر کی محبت سے جناب علی اکبر اپنی زندگی عزیز سمجھین گے یا جناب زین العابدین کی بیماری یا دلانے ہوگی رانڈون کے تم پسر ہو یتیمون کے ہو پدر۔ ان دونون صورتون مین بھی زندگی کی ضرورت ہو۔

گھر بھاگتے ہین باپ کا ذی مرتبت پسر۔ ان سب اشارون سے وہی مقصود ہو جو ایک مصرعہ سے پیدا تھا مگر میرانیس کے جوش خیالات کے لیے کوئی پیمانہ مقرر نہین۔ یہ دریاے فصاحت کی موجین ہین جنکا سلسلہ قطع نہین ہوتا اور نہ کوئی ان لہرون کا شمار کرسکتا ہے۔

کسکو یہ داغ پیر فلک نے دیا نہین سر پر کسی کے باپ ہمیشہ جیا نہین

اس بیت مین تکرار حرف دخیل سے جو فصاحت پیدا ہوگئی ہے اُسپر عموماً شعراء کی نظرین نہین پڑتین اور بادی النظر مین ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے مگر اس التزام مین جو کاہش ہوتی ہے اُسکو مصنف کے دل سے پوچھنا چاہیے۔

تمنے بھی کم سِنی مین جب ہم ہوئے یتیم
مان بھی نہ تھی یہ اور تھی اک آفت عظیم
پرہر بلا مین حافظ و حامی رہا کریم
ہم دونون بھائیونکے جگر غم سے تھے دو نیم

رانڈونکو یہ الم ہو کہ منھ موڑے جاتے ہین
ہم تو جہان مین تمنا پسر چھوڑے جاتے ہین

معاملات مین سلسلۂ گفتگو کی شایستگی اور حالت اضطرار مین قابل تسکین تفہیم جس سے دلجمعی کامل کا اظہار رہو اور مضامین عالی مین بلند خیالی یہ میرانیس کی خدمت تھی اُنھون نے اپنے فرائض کو پورا ادا کیا قسام ازل نے اُنکی زبان کو چشمۂ کوثر سے طاہر و مطہر کیا تھا اور وہ وہان سے اِس منصب پر ما مور ہو کر آئے تھے اور یہ کارپردازان قضا و قدر کا انتخاب تھا۔ پھر اُنکی تعریف انسانی طاقت سے باہر ہے یہان فقط ہنگامۂ رخصت جناب علی اکبر مین میرانیس نے اپنی زبان کے جوہر دکھائے ہین۔ اور چھٹے مصرعہ سے دوسرے بند کا مصرعہ اول متعلق کر کے خاندان امامت کا لٹریچر دکھایا ہے۔ یہان ایک باریک پہلو کی جانب ناظرین کی توجہ مائل کرونگا کوئی باپ بیٹے کے منھ پر بیٹے کی تعریف نہین کرسکتا اور نہ کوئی فرزند رشید باپ کی زبان سے اپنی مدح سرائی کے قصیدے سُنکر خوش ہوسکتا ہے یہ بات کسیقدر تہذیب و اخلاق کی شان سے علیحدہ ہو مگر یہ رازداری قابل لحاظ ہو کہ سچی تعریف جو بیٹے کے لیے قابل تسلیم اور باپ کے لیے باعث افتخار ہے اور اِس تقریر سے مقصود پیدا کیا گیا ہے۔

کنبے کی جان باپ کا اقبال گھر کا نور
یوسف جمال صاحب توقیر ذی شعور

دونون مصرعون مین صنعت تقابل بھی موجود ہے انتہائے فصاحت کے ساتھ علم معانی و بیان کا مذاق چھوٹنے نہین پاتا۔

جرار بردبار دلاور سخی غیور
آنکھون کی روشنی جگر و قلب کا سُرور

یہ وہ لفظ ہین جو ہر شاعر کو معلوم ہین مگر ضرورت کے وقت میر انیس ہی کے قبضۂ قدرت مین ہے۔ خورد و کلان کو آج سعادت حصول ہین۔ پانچوان مصرعہ ظاہر کرتا ہو کہ خود امام علیہ السلام کو بھی دیدار جناب علی اکبر باعث فخر و سعادت تھا تو ایسی صورت مین مرتبۂ امامت اور عظمت بزرگی کو نقصان پہونچتا ہے مگر چھٹے مصرعہ مین معجز نگار شاعر نے اپنی الہامی تخئیل سے یہ راز آشکارا کر دیا ہے تم ہو تو اہلبیت مین گویا رسول ہین۔

نعمت ہے زیست خلق مین ایسے سعید کی   پیدا ہو نور رخ سے ضیا صبح عید کی
ہو سب کو آرزو رخ روشن کے دید کی   تصویر ہو رسول خدائے مجید کی
کیونکر جدا نگاہ سے بیٹا کرین تمھین
آنکھین یہ چاہتی ہین کہ دیکھا کرین تمھین

واقعات اصلی اور محبت پدری کو کیا شاعرانہ رنگ مین رنگتے چلے جاتے ہین اور بیت مین تو زبان کی دلفریبی کا خاتمہ کر دیا ہے قافیون کا تعلق ردیف سے جزو مالاینفک ہو باپ کی زبان سے محبت مین ڈوبے ہوئے لفظ میر انیس نے فصاحت خداداد کی سان پر چڑھائے ہین۔

راحت کے دن ہین آمد فصل شباب ہے   پہلا ابھی کتاب جوانی کا باب ہے

شاعری کا مذاق سلیم تشبیہ و استعارہ مین بھی موجود ہے یورپ کے فسانہ نگارون نے یہ خیال اپنے ناولون مین جا بجا صرف کیا ہے اور ایسے ایسے فقرے انگریزی لٹریچر مین بیش بہا جواہر سمجھے جاتے ہین مگر میر انیس کی نظمون مین سب کچھ مل سکتا ہے ذرا غور سے دیکھو۔ انیس اور آنریبل لارڈ لٹن کی تخئیل کا فرق دیکھو

یورپ کا ناولسٹ کہتا ہے کہ ہماری ہیروئن کے صحیفۂ عمر کا اٹھارھواں باب شروع تھا جس سے مراد ہے کہ اُس حسینہ کی اٹھارہ سال کی عمر تھی اور میر انیس کے خیال مین یہ افضلیت ہے کہ عالم شباب کے اٹھارہ سال پورے ہونے پر بھی کتاب جوانی کا پہلا باب شروع تھا اسکا نام ہے نازک خیالی جدت ترقی۔

اکبر تمھاری قدر نہین ہے کسیکو آہ — اس حسن کا بشر نہین دیکھا خدا گواہ
ہوتے جو لوگ احمد مرسل کے خیر خواہ — تمکو سمجھتے ثانی پیغمبر آلہ

یہ سلسلہ اُس تقریر سے متعلق ہے جس سے بحث کی جارہی ہے مگر تیسرے مصرعہ مین ایک اشارہ سے مرثیت پیدا ہوئی ہے یعنی تمام معرکۂ کربلا مین ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو خیر خواہ رسول ہوتا اور جناب علی اکبر کو ہمشکل رسول سمجھکر اُنکی عزت اور قدر کرتا یہ خیال امام علیہ السلام کی مجبوری اور بیکسی پر دلیل قاطع ہے وہ جادۂ حق سے منحرف تھے جو خون ناحق شہدائے کربلا کا مظلمہ روز جزا کے لیے اپنی گردنوں پر لیگئے اور حرص و طمع کی طوفان خیز آندھیون نے چراغ امامت گل کردیا اللھم الاحفظنا امام علیہ السلام نے جس فصاحت کے ساتھ فرزند رشید کی تعریف کا خطبہ پڑھا ہے اُسکا جواب جناب علی اکبر کی زبان سے سُنکر کوئی منصف جج فیصلہ نہین کرسکتا کہ کون حق پر ہے اور کسکی طرفداری کیجائے۔

اکبر کا رنگ اُڑ گیا سُنتے ہی یہ کلام — کی عرض ہاتھ جوڑ کے شہ سے کہ یا امام
فرزند ارجمند ہین سجاد نیک نام — اکبر تو ہے حضور کا ادنی سا اک غلام

اس امر سے فزون کوئی شرمندگی نہین
آقا کے بعد موت ہے پھر زندگی نہین

بس ضرورت یہانتک تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ جناب علی اکبر نے اپنی خواہش کے موافق پدر بزرگوار کو جواب دیدیا اور ارادۂ مرگ ظاہر کردیا مگر میرانیس کا قلم جس سلسلہ کو اُٹھاتا ہے فصاحت و بلاغت کے باغ لگاتا ہے جو سخن آفرینیاں اور نازک خیالیاں اس تقریر کے سلسلہ مین سیّد الشہدا کی زبان سے دکھائی گئی ہین اُس سے زیادہ جناب علی اکبر کے جواب مین موجود ہین حفظ مراتب پدری۔ رنگینیِ خیالات۔ جدّت مضامین۔ بلاغت تشبیہ و استعارہ۔ اور پھر میرانیس کی زبان۔

بندے ہزار ہم سے نثارِ سرِ حضور ... دُنیا ہو اور آپ ہون اے کبریا کے نور
روشن جو ہی جہان اسی دم کا ہی سب ظہور ... ذرّہ ہر اک ہی نورِ قدم سے چراغ طور
ظلمت زدائے خلق شہِ دین کی ذات ہی
دُنیا مین آفتاب نہ ہو جب تو رات ہے

رونق زمین کی ہے کہ امام زمان ہین آپ ... سایہ ہی جسکا عرش پہ وہ آسمان ہین آپ
بحر جہان مین باعثِ امن و امان ہین آپ ... شیرازۂ صحیفۂ کون و مکان ہین آپ
فرزند کی ابتری ہے جو دفتر کشا نہ ہو
کیونکر بچے جہاز اگر ناخدا نہ ہو

افضل ہے کون سبط رسالت مآب سے ... دنیا مین ہے تو یہ برکت جناب سے
سرسبز ہے زراعتِ عالم سحاب سے ... ذرّون کی زندگی ہے فقط آفتاب سے
چھٹ کر پدر سے باپ کے پیارے کہان رہین
جب آسمان نہ ہو تو ستارے کہان رہین

دم سے حضور کے ہی غلامونکی ہست و بود ... مولا ہین اس جہان مین در رحمتِ ودود

اے چشمۂ عطا و کرم بحر فیض وجود　　دریا اگر نہ ہو تو حبابون کی کیا نمود
سب خلق شاہ دین سے طلبگار عون ہے
جب نوح غرق خون ہو تو کشتی کا کون ہے

ہر بیت کی تشبیہ کی خوبی اور ہر ایک مثال کی جدت قابل غور ہے خیال ایک ہی ہے مگر مختلف پیرایہ مین تشبیہات جدیدہ سے مزین فرمایا ہے خدا کی شان ہے کہ افراط مضامین اور کثرت محاسن پر بھی طبیعت کی کمزوری اور ذہن کی کوتاہی کہین ظاہر نہین ہوتی اسکے بعد جناب علی اکبر اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ خیمہ مین تشریف لیگئے ہین اور سید الشہدا اہلبیت سے رخصت طلب ہین یہانپر خاندان امامت کے مرد و عورت کا ایک غمناک سین دکھایا ہے۔

اکبر پھوپھی کو دیکھکے بولے کہ ہے غضب　　لو آفت آئی رن کو چلے شاہ تشنہ لب
دوڑے سرون کو کھولے ہوئے اہلبیت سب　　بانو گری تڑپ کے قدم پر بصد تعب
بیٹے نے تھامے ہاتھ شہ کربلائی کے
زینب نے سر لگا دیا سینے سے بھائی کے

لندن کے نامی آرٹسٹ اس گروپ کے موشنس کو فن تصویر کشی کی قوت سے نہین دکھا سکتے جو نظارہ میر انیس کے قلم نے پیش کیا ہے اس صورت مین بھی عالم ناتمام رہتا ہے آگے کے ایک بند نے واقعات کا پورا نقشہ دکھایا ہے۔

شانے پہ منھ کو رکھکے پکارے شہ زمن　　امان کی تم سے پوچھنے آئی ہو اے بہن
بولی یہ ہاتھ جوڑکے بانوئے خستہ تن　　آقا ابھی تو زندہ ہے اکبر سا صف شکن
دکھ درد مین پدر کے پسر کام آتے ہین

آپ اِنکے ہوتے کسلیے میدانین جاتے ہین

چونکہ ساری انجمن مین اضطراب و انتشار پھیلا ہوا ہے اِسلیے میرانیس کی شاعری بھی اُس انتشاری حالت کی تصویر کھینچتی ہے۔ اب عالم تصور مین واقعات اصلی کا مشاہدہ کرنے والے جذبات فطرتِ انسانی کے ساتھ ساتھ مقدس خاندان امامت کے اخلاص و محبت کو ملاحظہ فرمائین گے اور خاندان امامت کا طرز معاشرت بھی ملحوظ خاطر رہے تو میرانیس کی تخئیل گذر جانے والی صدیون کا فاصلہ ایک سکنڈ مین طے کریگی اور وہ نظارہ سامنے آجائیگا چونکہ فراق امام علیہ السلام کے جگرسوز واقعہ سے ایک ہنگامہ برپا ہوگیا ہے اہلبیت سر کھولے ہوے امام کے گرد ہین جناب علی اکبر باپ کے تھرتھراتے ہوے ہاتھ تھامے ہین جناب شہربانو حضرت کے قدمون پہ گری ہوئی ہین بہن کا سر بھائی کے سینے پر ہے اور بھائی کا مُنھ بہن کے شانے پہ ہے یہ شاعری اگر الہامی نہین تو اور کیا ہے فقط یہ نہین سمجھ لینا چاہیے کہ میرانیس زبان ہی پر قادر تھے۔ مین تو علاوہ فصاحت زبان اور محاسن شاعری کے خیالات پر زیادہ ریویو کر رہا ہون کیونکہ زبان تو اُنکی مسلم ہے مگر خیالات اُنکے بلند پروازی کے سبب سے عوام کی نظرون سے دُور ہین وہ مرثیہ گو شاعر ہین اور عام طبیعتین ایسی شاعری کیطرف رجوع نہین ہوتین اسلیے لوگون کو اُنکے مرثیہ دیکھنے کا اتفاق بہت کم ہوتا ہے قدردانان سخن مذاق تغزل کی جانب زیادہ مائل ہین اساتذہ کے دیوان ہر نوجوان کی میز پر موجود ہونگے مگر میرانیس کا مرثیہ فیصدی دس اہل علم کے کتبخانون مین نہ نکلے گا۔ مجکو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اُن شوقینون کو اسکی خبر نہین کہ میرانیس کا مرثیہ تمام اصناف سخن کے مذاق کا ذخیرہ ہے

شہ نے کہا نہین مجھے اسکا نہین خیال | ہے تمکو حاجرہ کی طرح صبر مین کمال
اپنے چمن کو دیکھ کے ہوتے ہین سب نہال | خود چاہتا ہو تمین کہ یہ گل ہو نہ پائمال

شادی کے دن ہین اس غریب الوطن کی ہے
صدمہ مجھے یہ ہے کہ ریاضت بہن کی ہے

چونکہ سید الشہدا کو بذریعہ علم امامت یہ خبر تو تھی ہی کہ مجھ سے پہلے علی اکبر شہید ہونگے اسلیے جناب شہر بانو کے صبر کی تعریف فرما کر ان کا دل بڑھاتے ہین اور بہن کا پاس پرورش بھی منظور ہے اُنسے بھی کچھ کہوانا چاہتے ہین یہ رمز کس شاعر کے کلام مین پائی جاتی ہے بالکل سادے سادے بند ہین اگر رو مین پڑھے جائین تو سوائے معاملہ بندی کے سامعین کو کوئی خاص جدت خیال محسوس نہ ہوگی مگر صاحب مذاق سلیم کے دل سے اِن نکات کا لطف پوچھنا چاہیے۔ شاعری کے طومار باندھکر زمین و آسمان کے قلابے ملا دینا جسقدر آسان ہے اُسیقدر میرانیس کی سادی شاعری کا فلسفہ دشوار ہے۔

بولی وہ عندلیب چمن پرور بتول | طرہ وہی ہے سب پہ ہمیشہ چڑھے یہ پھول
اے نخل باغ فیض و گل گلشن رسول | داغ گل ریاض تمنا ہے دل قبول

شادی سدا نہین چمن روزگار مین
روئے خزان ہین وہ جو ہنسا ہو بہار مین

اس بند کا مذاق شاعری کچھ اور ہے جہان قوت بلاغت دکھاتے ہین وہان پرواز ذہن عالم بالا سے بھی بالا لایا ہے اس ارادہ مین مرزا غالب کا مذاق پیدا ہو گیا عندلیب چمن پرور کی ترکیب نے عجب انداز بلیغ ظاہر کیا ہے۔ تیسرے مصرعہ مین

چار اضافتین اور چوتھے مین تین ہین مگر تواتر و نکات و اضافات سے مصرعون کے ڈھلاؤ اور سلاست مین کوئی نقصان نہین پہونچتا نہ اغلاق پیدا ہوتا ہے اور داغ گل ریاض تمنا بدل قبول کی داد تو مرزا غالب کی روح سے لینا چاہیے یہ دشوار پسندیان ہین جنکو سلاست زبان کے تیزاب نے پانی کر دیا ہے اس رنگ مین چار مصرعے موزون کرنے کے بعد بیت کے لیے ایک خاص مضمون تلاش کیا گیا ہے جس سے پیوند نظم مین مغائرت نہین ہونے دی ہے

کیجے کنیز کی نہ ریاضت کا کچھ خیال | صدقے گل ریاض نبی پہ ہزار لال
بھائی پہ آ بنی تو بھتیجے کا کیا خیال | انکو بھی صدقے ہونے کی ہے آرزو کمال

ہان دل یہ چاہتا ہے کہ دم بھر جدا نہ ہون
کام آئین غیر جب تو یہ کیونکر جدا نہ ہون

بند کے بند صنعت مراعات النظیر سے بھرے پڑے ہین مگر روانی طبیعت اُن کا عقدہ کھلنے نہین دیتی ۔

گر کر قدم پہ شہ کے یہ بولا وہ نوجوان | بس اب رضا جہاد کی دین قبلۂ زمان
صدمہ ہوا پھوپی کے جگر پر کہ الامان | کانپے جو پاؤن گرنے لگی تھرتھرا کے مان

خون گھٹ گیا امام زمان زرد ہو گئے
اچھا کہا مگر ہمہ تن درد ہو گئے

(اچھا) خدا جانے کن کن اہم سوالات کے جواب مین یہ لفظ استعمال ہوا ہے جسمین دنیا بھر کے ہوشمند بھرے ہوئے ہین میرانیس ملک عدم سے اس مصرعے کے پڑھنے کو واپس کیے جائین تو (اچھا) کے اشارات پر تنقید لکھنے کا موقع مل سکتا ہے مرثیہ مین

رخصت کا مقام نہایت دشوار و اہم ہے اور اس موقع پر بڑے بڑے قادر الکلاموں کی قلعی کھل جاتی ہے مگر یہ قلعہ میر انیس کی شاعری نے فتح کیا اور اپنی نسل کے لیے یادگار چھوڑ گئے۔

سراپا

پھیلی ہوئی ہو دشت میں لفِ رسا کی بُو
کچھ بو ہے گیسوؤں کی تو کچھ کربلا کی بُو
غل تھا یہ بو ہو سلسلۂ مصطفائی کی بُو
مٹی ہے اسکے سامنے مشکِ ختا کی بُو
حلقے نہیں یہ گیسوئے عنبر سرشت کے
دیکھو کھلے ہوئے ہیں دریچے بہشت کے

پیدا ہو زلف رُخ سے منور سے شانِ شب
نکلا ہے آفتاب میانِ سوادِ شب
یہ لطف صبح عید و شب قدر میں ہو کب
ہو اک طرف تو چین و خطا پیچ میں حلب
رستا نہ بھول جائے مسافر ہجوم میں
اک شب کا فاصلہ ہو فقط شام و روم میں

کیوں زلف کی ثنا میں اُلجھتے ہیں مو شگاف
سُلجھا ہوا بیان ہو تو مضمون ہو صاف صاف
تعقید سر بسر ہے فصاحت کے بر خلاف
باریک اس سخن کی ہیں باتیں خطا معاف
فکریں رسا ہیں جنکی بیان وہ بھی پیچ ہیں
رستا تو بال بھر کا ہے اور لاکھ پیچ ہیں

اس مذاق پر بیں تنقید کی ضرورت نہیں دکھتا کیونکہ یہ شاعری کی رنگینیاں ہیں اور تشبیہ و استعارات میں جدت پسند طبیعت کی بلند پروازی کا عموماً اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اور اس رنگ سے ہر شخص کو دلچسپی ہے۔

تعریف ابرو

ہو آسمان عز و شرف پہ فلک جناب
ابرو ہین وہ ہلال تو پیشانی آفتاب
منظور شمسی و قمری کا ہی گر حساب
ہان دیکھ لین رخ خلعت ابن بو تراب

یارب ہین سمجھ گئے مطلب انیس کا
اُنتیس کا یہ چاند ہی وہ چاند تیس کا

میر انیس کو عامیانہ مضامین سے کسقدر نفرت ہی جس موقع کو عرب و عجم اور ہند کے مشاہیر شعرا نے قصیدوں اور غزلوں مین پامال کیا ہے اُسمین بھی اُنکی طبیعت توارد سے نفرت کرتی ہے ۔

جاگے ہین رات کے تو نقاہت ہی اسقدر
ڈورے جو سرخ ہین تو یہ ہی نیند کا خمار
مستانہ ہو کے طور پہ جھپکتے ہین باربار
آنسو ہین یا صدف مین ہین دُر ہائے آبدار

روئے ہین فرقت شہ عالیجناب مین
نرگس کے پھول تیر رہے ہین گلاب مین

سلسلۂ تنقید مین یہ چند بند لکھنے سے میری غرض یہ ہی کہ وہ لوگ دیکھین جنھین رنگ تغزل سے زیادہ دلچسپی ہی میر انیس کی طبیعت کسی رنگ مین قاصر و عاجز نہین ہے جو مرثیہ مین ایسے گوشے پیدا کر سکتا ہو اُسکو غزل کہنے کی کیا ضرورت ہے ۔

کیفیت میدان جنگ

تھا نہر علقمہ کے قرین بحر خون کا اوج
کٹے آگے پیچھے دست بریدہ بسان موج

سر صورتِ حباب نمایان تھے فرد زوج   طوفان آب تیغ مین ڈوبی ہوئی تھی فوج
بھاگیں تو گھاٹ تیغ کا مابین راہ تھا
خشکی مین فوج شام کا بیڑا تباہ تھا

ایسے قوت و استعارے دیکھنے مین نہین آتے لوازم و مناسبات استعارہ مین کسی چیز کو نہین چھوڑتے مصرعہ اول سے چھٹے مصرعہ تک کوئی مصرعہ تلازمہ دریا سے خالی نہین مگر فصاحت زبان کی بے تکلفی کے سامنے ہر مشکل آسان معلوم ہوتی ہے۔

تلوار کی تعریف

پھول اُڑ گئے پھل اُسکا جو پہونچا سپر کے پاس   نکلی ادھر سپر سے کہ آپہونچی سر کے پاس
سر سے اُتر گئی دل بیدادگر کے پاس   دل سے جگر کے پاس جگر سے کمر کے پاس
کھولا کمر کا بند تو در آئی زین مین
زین سے گئی فرس مین فرس سے زمین مین

حیرت تو یہ ہے کہ ان باتو نکو سیکڑون مرثیون مین نظم فرمایا ہے مگر جدت خیال کا لطف ہر جگہ نیا ہے۔

چم خم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب و تاب   آتش کسی جگہ کہین بجلی کہین سحاب
سیلی تھی اک پری کے شکم پر کہ اُسکی تاب   تیزی زبان مین وہ کہ فرشتہ کو دی جواب
جوہر سے اُسکا جسم جواہر نگار تھا
گویا گلے مین حور کے ہیرے کا ہار تھا

تیسرے مصرعہ مین تشبیہ کی جدت اور چھٹے مصرعہ کی صنعت قابل غور ہے۔

پیاسی بھی خون فوج کی اور آبدار بھی ‏ ‏ غل تھا کہ ایک گھاٹ پہ پانی بھی نار بھی
بجلی بھی ابر تر بھی خزان بھی بہار بھی ‏ ‏ تلوار بھی سپر بھی چھُری بھی کٹار بھی

پانی نے اُسکے آگ لگادی زمانے مین
اک آفت جہان تھی لگانے بجھانے مین

طبیعت کی یہ کیفیت ہو کہ بحر زخار موجین مار رہا ہے فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہو کہ جو محاسن بادی النظر مین محسوس نہین ہوتے وہ مانند عناصر الفاظ مین مخلوط ہین یہ شاعری کی علت غائی ہے۔

پیاسی بھی خون فوج کی اور آبدار بھی۔ باوجود تشنہ خون ہونے کے آبداری تلوار کی تعریف ذاتی ہے مصرعۂ ثانی کے مضمون کو مرثیہ اول کی تنقید مین بھی مین نے لیا ہی پانی مین آگ مین پانی خدا کی شان۔ مگر یہان باوجود مطابقت مضمون جدت خیال ظاہر ہے یعنی گھاٹ کے لفظ نے اُسکے مناسبات کے ساتھ فرق پیدا کردیا ہی بجلی بھی یعنی چمک وجہ شبہ ابر تر بارش خون خزان مقتولون کی جان کی بربادی بہار گلہاے زخم کی تازگی یا جوہرون کی گلکاری بیت کی خوبی اُسیطرح ہو زخمیون پر غلبۂ تشنگی اس کیفیت سے زمانہ مین آگ لگادینا لگانا بجھانا اُردو کی اصطلاح ہو اور اصطلاحی صورت مین ایک معمولی بات ہو مگر کثرت زخم سے آگ لگانا اور پھر آب دم شمشیر سے بجھانا صنعت ایہام اور حسن معنوی پیدا کرتا ہے۔

اس ہنگامۂ جدال وقتال مین ایک تازہ وارد پہلوان فوج شام کی ہزیمت دیکھکر افسران لشکر سے مجاہد کا نام دریافت کرتا ہے۔

بولا شقی کہ فوج کا لڑکے سے ہی یہ حال ‏ ‏ ٹوٹے ہین مورچے صف لشکر ہی پائمال

تب شمر نے کہا کہ یہ ہو شیر حق کا لال — طفل و جوان و پیر ہین اس گھر کے بیمثال
سر پہ ہو کون قہر خدا ہے و غا نہین
اُسپر کہ تین روز سے پانی پیا نہین

ناری کے آگ لگ گئی سُنکر علی کا نام — بولا بگڑکے وہ کہ مرے منھ پہ یہ کلام
پھر کیا اگر علی کا خلف ہو یہ تشنہ کام — کرتی ہو شق پہاڑ کا سینہ مری حسام
پیدا کیا ہے نام ہزارون کو مار کے
اُترونگا اب فرس سے سر اسکا اُتار کے

یہ دونون بند واقعات کا سلسلہ قائم کرنے کے لیے مین نے لکھے ہین مگر اتنا کہے بغیر نہین رہ سکتا کہ میر انیس واقعات اصلی کی سادی تصویر مین بھی فصاحت زبان کا رنگ بھر دیتے ہین۔

تفاخر شاعرانہ

ہان اے محیط طبع روانی دکھا مجھے — پیری مین زور و شور جوانی دکھا مجھے
ہان اے زبان سیف زبانی دکھا مجھے — اے نطق آج سحر بیانی دکھا مجھے
تلوار کھنچ گئی ہے دم تیغ آزمائی ہے
آفت کا معرکہ ہے غضب کی لڑائی ہے

یہ بھی میر انیس کا التزام خاص ہے کہ درمیان مرثیہ مین حسب موقع ایک مطلع کا پیوند ایسا لگاتے ہین جس سے سامعین کے خیال مین ایک تازگی پیدا ہو جاتی اور طبیعتین حسن سماعت کی جانب از سر نو آمادہ ہو جاتی ہین جسطرح کوئی خوبصورت انسان حدّ جوانی پر پہونچکر دلفریب ہو جاتا ہے اُسیطرح مرثیہ کا شباب شروع ہوتا ہے

بڑھتا ہے مثل تیغ ادھر سے یہ نامور ۔۔۔ دب دب کے پیچھے ہٹتا ہے وہ صورت سپر
یوں نعرہ زن ہے غیظ میں شپیر کا پسر ۔۔۔ یہ اضطراب جنگ میں ظالم ٹھہر ٹھہر
حملے تو دیکھ رُخ سے جہلم کو اُتار کر
او روسیاہ آنکھ تو شیر وں سے چار کر

پہلے اور دوسرے مصرعہ کی تشبیہ بالکل نئی ہے چوتھے مصرعہ سے جناب علی اکبر کا اطمینان اور مخالف کا اضطراب دکھایا ہے چھٹے مصرعہ میں یہ خیال ہوتا تھا کہ روسیاہ کا خطاب محض بغرض موزونی مصرعہ تلاش کیا گیا ہے ورنہ مقتضائے مقام تھا کہ بزدل یا نامرد وغیرہ اس قسم کے خطاب نظم فرماتے مگر غور و فکر سے ثابت ہوا کہ پانچویں مصرعہ سے اُسکی خوبی متعلق ہے رُخ پہ جھلم پڑے ہونے کی وجہ سے روسیاہ کا لفظ تصرف با محل ہے کہ دوسرا لفظ رکھنے کی کسی شاعر میں قدرت نہیں ایک ایک بند کے محاسن پہ نظر ڈالی جائے تو ایک ہی مرثیہ میں نقاد اپنا زمانۂ حیات صرف کر سکتا ہے مگر میں اس طول سے قطع نظر کر کے ایک خاص نازک خیالی کی جانب ناظرین کی توجہ مائل کرونگا مرثیہ کے واقعات پابند حدیث ہیں مگر حسب ضرورت مضامین شاعرانہ کے ساتھ ساتھ میر انیس اندازِ فطرت کا کافی لحاظ رکھتے ہیں چنانچہ یہاں فاضل شاعر کو ایک گوشہ ملگیا ہے جسمیں خاندانِ امامت کی مروت و شجاعت کا نقشہ کھینچا ہے ۔

بولا پسر کو فرق پہ رکھ کر وہ پُر غرور ۔۔۔ میدان کرہ ہے نار کا اے کبریا کے نور
پھنکتا ہے دل پہ دھوپ ہے پیاس کا وفور ۔۔۔ بھڑکی ہے آگ سینے میں اک صورت تنور
ہر چند ہاتھ دھوئے ہوں آب حیات سے

مہلت ملے تو پی لوں میں پانی فرات سے

خاندان امامت کی کمدلی

تلوار روک کر یہ پکارا وہ نیکنام
تو نے سنا تو ہوگا کہ ہم بھی ہیں تشنہ کام

تلوار روکنے کا نہ تھا گرچہ یہ مقام
پر خیر پی لے نہر سے پانی کا بھر کے جام

فیاض ہیں کریم ہیں ابن کریم ہیں
دشمن پہ رحم کرتے ہیں ہم وہ رحیم ہیں

دوسرے مصرعہ کی تخئیل پر کیا تنقید کیجائے کیونکہ سوائے سلاست بیان اور فصاحت زبان صنائع وبدائع شاعری کو بالکل دخل نہیں ہی مگر ایسا خداداد اثر بھرا ہوا ہے کہ دل بیچین کر رہا ہے اور اپنے انداز شاعری کے موافق اس مصرعہ میں ایک تلمیح صرف کر گئے ہیں ؎ تو نے سُنا تو ہوگا کہ ہم بھی ہیں تشنہ کام۔ اگر یوں فرماتے کہ تو جانتا ہی یا تجھے معلوم ہی کہ ہم بھی پیاسے ہیں تو میرانیس کی شاعری کی خوبی پیدا نہ ہوتی اس جملے نے مرثیہ کی شان دکھادی اور مصرعہ پورا مرثیہ غم انگیز بنگیا۔ آل رسول پر پانی کا بند ہونا ایک ایسا مشہور واقعہ تھا کہ جو پہلوان منازل راہ طے کر کے ابھی ابھی داخل لشکر ابن سعد ہوا ہی اُسنے بھی یہ خبر کہیں نہ کہیں ضرور سُنلی ہوگی بس جناب علی اکبر کا مقصود میرانیس کی شاعری نے ترجمہ کیا ہے۔

لے آیا آب سامنے خادم بصد شتاب
پانی پہ گر پڑا وہ کہ تھی صبر کی نہ تاب

ظالم نے سامنے جو پیا ڈگدگا کے آب
پیاسے کٹے تین دن کے رہی قلب کو نہ تاب

تڑپا جو دل تو چشم کے ساغر چھلک پڑے
اُٹھا دھواں جگر سے کہ آنسو ٹپک پڑے

اس بند میں ایک تصویر کھینچی ہے دشمن کا سامنے پانی پینا اور جناب علی اکبر کا فرطِ تشنگی سے بےچین ہو جانا یہ انسانی طبیعتوں کے قدرتی جذبات دکھلائے گئے ہیں اور دُگدگا کے آب - یہ ایک ایسا مشہور محاورہ ہے کہ جس سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہو گا ایسے بہت سے خیال ہیں جو قدرت کی جانب سے شعرا کے لیے وقف تھے اور اب میر انیس کی ملکیت ہو گئے جس پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا -

سیراب ہو چکا جو وہ سفاک و بدگہر کی عرض کیجیے آپ بھی پانی سے حلق تر
فرمایا تشنہ لب ہیں شہنشاہِ بحر و بر آبِ حیات ہو تو نہ پئیں ہم تمہارے پدر
ڈوبے ہوئے ہیں چشمۂ کوثر کی چاہ میں
یہ آبِ نہرِ خاک ہے اپنی نگاہ میں

مناسبات شاعری اور صنعت مراعات النظیر کے علاوہ خاندان امامت کی غیرت و صبر کے جوہر دکھائے ہیں ہر چند بند اول کے چوتھے مصرعہ کا اضطراب اس بات کا مقتضی تھا کہ جناب علی اکبر بھی پانی پی لیتے مگر اب وہ بات بھول جانا چاہیے کہ پیاس کی بےچینی نے شہزادہ علی اکبر کو رُلا دیا تھا کیونکہ فرزند امام کو پیاس کی تکلیف نہیں رُلا سکتی مگر میر انیس اس بند میں یہ نازک خیال ظاہر کرتے ہیں کہ اپنی تشنگی کی بےچینی سے محبت وار فرزند کو مظلوم باپ کا خیال آ گیا تھا اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی پیاس کے تصور نے فرزند امام کے استقلال کو تھوڑی دیر کے لیے جنبش دیدی تھی -

اب وہ وقت ہے کہ جناب علی اکبر گھوڑے سے گر کر استغاثہ فرماتے ہیں اور سید الشہدا لاش فرزند کی تلاش میں مصروف ہیں۔

ناگہہ صدا یہ آئی کہ بابا ادھر ہوں میں — اے نخل باغ فاطمہ زیر شجر ہوں میں
خالق سے تو لگی ہے چراغ سحر ہوں میں — جلد آئیے کہ آپ کا پیارا پسر ہوں میں
درد جگر کہیں نہ اجل کا بہانہ ہو
دیدار دیکھ لے تو مسافر روانہ ہو

الفاظ استغاثہ میں جو درد بھرا ہے وہ میر انیس کے خون جگر کی جھلکیاں دکھا رہا ہے چھٹے مصرعہ کے ایک ایک لفظ کو غور سے دیکھ کر چاہا کہ کچھ لکھوں مگر اس مقولہ کیفی کا اظہار میرے قلم کے ذریعہ سے مشکل ٹھہرا اور (خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست) پر عمل کرنا پڑا۔

بس اب مرثیہ کے دو بند جناب زینب کے بین کے متعلق اور لکھوں گا۔

اہلبیت امامت کی زبان لکھنے کے لیے میر انیس کے ذہن میں زبان پیدا ہوئی تھی مصرعوں کے اثرات پر اگر نظر ڈالی جائے تو قلب نقاد میں حرکت مذبوحی پیدا ہو جاتی ہے۔

اے پیچدار گیسوؤں والے ترے نثار — اے یادگار گیسوؤں والے ترے نثار
اے مشکبار گیسوؤں والے ترے نثار — اے میرے چار گیسوؤں والے ترے نثار
دُنیا سیاہ ہو گئی رستہ پہاڑ ہے
جنگل بسا ہوا ہے مرا گھر اُجاڑ ہے

صرف ایک لفظ قافیہ اور سارا مصرعہ ردیف اور پھر اُسمیں بھی حرف ندا کی قید

لگی ہوئی۔ یہ اعجازی شاعری ہے اور یہ الہامی تخئیل ہے۔

اے میرے گلبدن مرے ابرو کمان جوان — اے میرے کم سخن مرے شیریں بیان جوان
اے میرے صف شکن مرے حیدر نشان جوان — اے میرے تیغ زن مرے شیر ژیان جوان

لاکھوں سے معرکہ طلبی آفتاب میں
دو دن کی پیاس نے تجھے مارا شباب میں

کون کہہ سکتا ہے کہ اس بند میں صنعت تقابل و صنعت ذو قافیتین موجود ہے ڈھلے ہوئے مصرعے بے تکلف انداز نظم کیطرح صنائع و بدائع کا امتیاز نہیں ہونے دیتے معلوم ہوتا ہے کہ ان صنائع کی اہمیت میں میرانیس کو کچھ کاوش نہیں ہوتی تھی یہ مصرعے نص قرآنی کیطرح مرتب آسمانی فرشتے لے آتے تھے سبحان اللہ جناب زینب اپنی گود کے پالے لاڈلے بھتیجے کی لاش پر جو بین کرتی ہیں اُسکے پچھلے مصرعہ میں میرانیس نے ایک نازک خیالی ظاہر کی ہے یعنی خاندان امامت کے بچے دشمن سے مغلوب ہونے کے لیے پیدا نہیں ہوئے بیٹا تم ایسے جوانمرد تھے کہ دُنیا کا کوئی قوی سے قوی دشمن فتحیاب نہ ہوسکتا مگر افسوس تمھاری موت کا سبب تمھاری دو دن کی پیاس ہے۔

تیسرے مرثیہ کا انتخاب

اس مرثیہ میں میرانیس نے واقعات اصلی کا نقشہ کھینچا ہے۔ عزیز و انصار امام شرف شہادت حاصل کرنے کی امید میں مسرور ہیں ابوالفضل عباس کو فوج حسینی کا علم ملا ہے مجاہدین انتظام جنگ و سامان جہاد میں مصروف ہیں اُسوقت

میرانیس کا قلم ایک نظارہ دکھاتا ہے ۔

سب خوش تھے خیمۂ شہ ذیجاہ مین مگر
چین بر جبین تھے زینب ناشاد کے پسر

نہ جانب علم تھی نہ ماں کی طرف نظر
آنکھوں مین ڈبڈبائے تھے آنسو جھکے تھے سر

اسطرح تھا عرق رخ پر آب و تاب پر
جیسے پڑے ہوں قطرۂ شبنم گلاب پر

واقعات تاریخی سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب زینب کے صاحبزادون کو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ مستحق علمداری ہم ہین چونکہ علم نہ ملنے سے صاحبزادون کو ایک کاہش بھی لہذا یہ موشنس فاضل شاعر نے بلحاظ مقتضائے وقت و تقاضائے کمسنی الفاظ کے ذریعے سے دکھائے ہین مگر تیسرے مصرعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ باوجود استحقاق اس خواہش کو ترک ادب اور خلاف مصلحت امام سمجھے ہوئے تھے اسلیے علم کیجانب اور اپنی والدہ مقدسہ کی جانب نہین دیکھتے تھے کہ اس انداز سے دلی خیالات کا اظہار نہ ہو میرانیس کی تصنیفات مین سب سے زیادہ اس حال کے مرثیہ ہین ایک ہی واقعہ اور ایک ہی حالت کو میرانیس نے ہر مرثیہ مین جدت مضامین کے ساتھ نظم فرمایا ہے اور یہ ایک واقعہ نگار شاعر کے لیے بہت مشکل راستہ ہے ۔

پھر کر اُدھر سے ماں نے جو بیٹوں پہ کی نظر
سمجھین علم نہ ملنے سے بیدل ہین قہر

ہٹ کر کیا اشارہ کہ آؤ ذرا ادھر
آئے عقب سے شہ کے سعادت نشان پسر

بولین کہ اب نہ ہوش نہ مجھ مین حواس ہین
قربان جاؤن کیا ہے جو چہرے اُداس ہین

اِس مقام پر فاضل شاعر نے صناعات شاعری کی رنگینیان نہین صرف کی ہین بلکہ معاملات کو اپنی مقبول زبان مین نظم کر کے واقعات کی رازداری دکھائی ہی اور مان بیٹون کی گفتگو مین حفظ مراتب اور ادب آموزی کا خاتمہ کر دیا ہی بس مجھے اِس تخئیل کا دکھانا منظور ہے میر انیس کی یہی شاعری قابل تحسین و لائق قدر ہے جسپر سوائے خواص کے عوام کو کافی نظر ڈالنے کا موقع نہین ملا بلکہ ہندوستان اِس مذاق سے بے خبر رہا ہی نظم کی ظاہری نمایش اور شوکت الفاظ پر مرنے والے شاعری کی علت غائی سے ناواقف تھے مگر مغربی تعلیم کی ترقی نے مذاق شاعری کے قابل قدر رازدون کو رفتہ رفتہ آشکارا کر دیا ۔ مان نے بیٹون پر نظر ڈالتے ہی اُنکے ارادے سمجھ لیے اور فوراً یہ خیال گذرا کہ بچّون کی افسردگی مزاج اور برہمی طبیعت سے یہ راز اورون پر نہ ظاہر ہو جائے اِسلیے لوگونکی نظرین بچا کر اشارہ سے علیحدہ بُلا کر سمجھاتی ہین ۔

ہتھیار سج چکے ہین شہنشاہ حق شناس — تمنے نہ زیب جسم کیا فاخرہ لباس
مردونکو جان دینے مین ہوتا نہین ہراس — دولھا سے بنکے جاؤ امام زمان کے پاس

کچھ مانگتے ہین آؤ مین کپڑے اُتار دون
سُرمہ لگا دون گیسوے مشکین سنوار دون

بچّون کے خیالات دوسری جانب مائل کرنے کے لیے تیسرے مصرعہ مین ہمت مردانہ کیطرف غیرت دلاتی ہین ۔

مان پر یہ آفتین ہین یہ ماموں پہ ظلم وجور — نازک مزاجیون کے کسی دن نہ تھے یہ طور
اب مشورے ہین اور ارادے ہین اور اور — پیارو ہمارے حال پہ لازم ہی تمکو غور

وہ دل نہین وہ آنکھ نہین وہ نظر نہین
اورون کا ذکر کیا تمھین میری خبر نہین

کسی شاعر کے کلام مین یہ قوت مشکل سے تلاش کیجا سکتی ہو جو ہر ارادے کی تشریح مین صفائی نظم سے دلفریبی پیدا کرے۔ان نے بیٹون کے قصد سے واقف ہو کر افہام و تفہیم کا ایک نازک پہلو اختیار کیا ہو مگر مدعاے خاص کی جانب صاف صاف لفظون مین ابتک کوئی اشارہ نہین کیا شاعر نے پہلے سے بچون کی طبیعت پر اطاعت و ادب کا بار ڈالا ہو جس سے وہ خود اپنی زبان سے اعتراف قصور کر لین۔

اسکا نہین خیال کہ کیونکر جیے گی مان
ہوتا ہو آفتون مین محبت کا امتحان
تم میری دس برس کی ریاضت کے ہو نشان
تجھسے سوا ہے کون تمھارا مزاجدان

جسپر یہ برہمی ہے وہ سب جانتی ہو تمین
غصے کی آنکھ کا ہے کو پہچانتی ہو تمین

اس تقریر سے بتدریج صاحبزادون کا غصہ فرو کیا جاتا ہے شاعری کے تیور دو پچھلے مصرعے کے استفہام اقراری نے اُردو ادب کی عظمت دکھائی ہے۔

پردہ ہو تو سناؤ الگ چھپکے دلکا حال
دونون نے عرض کی کہ نہین کچھ نہین ملال
ہان ہمکو آج بھول گئے شاہ خوشخصال
اورون کی پرورش ہو ہمارا نہین خیال

کیا ورثہ دار جعفر طیار ہم نہ تھے
اس عہدۂ جلیل کے حقدار ہم نہ تھے

اگر جناب زینب کی جانب سے اس قسم کا دفع دخل نہ کیا جاتا تو بچون کی جانب سے بہت خوفناک الفاظ مین اظہار ملال کا خیال تھا اور کمسنی کی ضد کے طوفان کا

فرو کرنا غیر ممکن تھا مگر میر انیس کی شاعری کا پیچ و خم اور اُتار چڑھاؤ ان غیر معمولی مشکلوں کو آسان کر کے دکھاتا ہے میر انیس کی شاعری مین یہ پیچیدگیان نازکخیالیون کے ساتھ باعث رفعت فن شاعری ہین اور اسی بنیاد پر آتش کا قول فیصل قابل تسلیم ہے (تم شاعر نہین شاعر گر ہو)

انگشت رکھ کے دانت مین مان نے کہا کہ ہا۔ یہ موشنس اگر کوئی شاعر لفظون مین دکھاوے اور اس شکل سے تنبیہ و تادیب و تفہیم کی تصویر کھینچدے تو ہم اُسکو آج میر انیس کہنے کے لیے تیار ہین اور اگر اُنکے بعد کسی شاعر نے یہ قوت نہ دکھائی تو معلوم ہوا کہ زمانہ ہزارون پلٹے کھائے مگر میر انیس پیدا نہ ہونگے۔

اب اُسکا ذکر کیا ہے جو ہونا تھا ہو چکا۔ بالفرض اگر تم مستحق علمداری فوج امام تھے اور حسب مصلحت امام یہ منصب حضرت عباس کو مل چکا تھا تو اب کسی قسم کا ملال ترک ادب ہے کیونکہ اتباع مصلحت امام ضرور ہے اور بمقتضائے سعادتمندی بچون کے سمجھانے کا نرالا ڈھنگ دکھایا ہے اور ہر ایک پہلو سے قابل اطمینان نصیحت کیگئی ہے

دیکھو سُنین نہ زوجۂ عباس باوفا — اچھا یہ ہے خوشی کی جگہ یا گلہ کی جا
غصہ نہ اُسمین چاہیے جو امر خیر ہو — واری وہ کون غیر ہے تم کون غیر ہو

یہ بھی خوف دلاتی ہین کہ بزرگون کو رنجیدہ کرنا خلاف شان سعادتمندی ہے میر انیس کی مشکلون کا کچھ ٹھکانا نہین بنظر غور و انصاف دیکھنا چاہیے کہ اس حال کے کتنے مرثیے لکھے ہین اور وہ واقعات جو پابند حدیث ہین اُنکے نظم فرمانے مین کہان کہان جدت کی ہے اور کون کون سے گوشے نکالے ہین میر انیس اپنے اظہار خیالات کے لیے افراط الفاظ و بحاط جذبات کا خزانہ اپنے پاس رکھتے ہین اور اُنکی

طبیعت نازک خیالیون کے تصرف مین سمندر کیطرح جوشش مارتی ہے فصحاے اُردو این مضمون کو نثر مین اس وضاحت و فصاحت سے نہین لکھ سکتے بہرکیف اتنا کچھ سمجھانے کے بعد جناب زینب نے ایک آخری خیال اور ظاہر کیا ہی جس سے سواے خاموشی فرزندان رشید کو کوئی چارہ نہین اور وہ یہ ہے۔

اک دوپہر کے واسطے ناحق یہ قیل و قال تا عصر تم نہو گے نہ عباس خوشخصال

اشارہ فرماتی ہین کہ جب دو پہر مین تمام خاندان امامت کا خاتمہ ہوجائے گا تو اتنے عرصہ کے لیے اس منصب کی ہوس بیکار ہے چونکہ صاحب معاملہ جناب عون و محمد اور جناب عباس ہین اسلیے مصرعہ ثانی مین فاضل شاعر نے جناب زینب کی زبان سے اس نازک راز کو ظاہر کیا ہے نزاکت مضمون کے علاوہ انداز مرثیت کو قوت دی ہی بس اسی آخری خیال کے بعد صاحبزادون کو سرفروشی اور جان نثاری کا جوش پیدا ہوجاتا ہے۔

اس دن کی دیکھتی ہین خبر شاہ ذوالجلال - یعنی مین تمھارے بہلانے کو نہین کہتی بلکہ شہادت منتظر پیش کرتی ہون۔

مجکو یقین نہین کہ نچے فاطمہ کا لال منصب علمداری تمھین ملے یا جناب عباس کو مگر امام حسین کا بچنا غیر ممکن ہے۔

پیدا ہوئی ہون اشک بہانے کے واسطے رہجاؤنگی مین قبر مین جانے کے واسطے

تم مین سے کوئی بھی نہوگا تو اس قضیہ کو بڑھا کر اپنی خاندانی سعادتمندی کو کیون نقصان پہونچاتے ہو بتدریج خیالات کی قوت بڑھتی چلی جاتی ہے اور اب وہ قدرتی دباؤ ڈالا گیا ہی جس سے منصب علمداری کے طلبگار بچون کو سواے

باز دعوے داخل کرنے کے کوئی چارہ نہین ۔

تو اپنے دودھ کی مجھین دیتی ہو نہین قسم
اب کچھ کہوگے منھ سے تو ہوگا مجھے الم

سنتے تھے تم جو کہتے تھے عباس ذی حشم
دو جا کے انکو تہنیت عہدۂ علم

صدقے گئی خلاف ادب کچھ سخن نہ ہو
میری خوشی یہ ہے کہ جبین پر شکن نہ ہو

کہتے ہین ایک نے بھی اگر سن لیا یہ حال
کہتی ہون صاف مین مجھے ہوگا بہت ملال

تھے سے ہاتھ جوڑ کے بولے وہ نونہال
ہم باوفا غلام ہین کیا تاب کیا مجال

دیجیے سزا ہمین جو بل ابرو پہ پھر پڑین
کہیے تو چھوٹے ماموں کے قدمون پہ گر پڑین

مجکو یہ ثابت کرنا ہی کہ خاندان امامت کے مرد و عورت بوڑھے بچون کی زبان لکھنے کے لیے میر انیس ایک قدرتی شاعر ہین اسکے علاوہ واقعات کو کوئی شاعر اس بے تکلفی سے مسلسل نہین لکھ سکتا جسطرح میر انیس معمولی روزمرہ مین شوکت و عظمت شاعری دکھاتے ہین۔ اسکے بعد جناب زینب صاحبزادون کی رخصت کے بارہ مین امام علیہ السلام سے سفارش کرتی ہین ۔

تو دس برس کے ہین ابھی بچو نکا کیا ہی سن
راتین یہ غفلتو نکی ہین یہ کھیلنے کے دن

دونون مصرعے کمسنی کا پورا کیرکٹر ہین اور فلسفۂ قدرت کے اجزاے پریشان کا مجموعہ۔ پرتاثیر تمہید کے بعد رضاے جہاد کے لیے حسن طلب اس بند کے چار مصرعون سے پیدا ہوتا ہے ۔

یہ تو وہ معرکہ ہی کہ ہین مضطرب مسن
لیکن کنیز انکی طرف سے ہے مطمئن

گھوڑے اُڑا اُڑا کے جو فوجون پہ جائینگے ۔۔۔ اتنا مین جانتی ہون کہ پھر کر نہ آئینگے

خاندانی جرأت کے ساتھ کمسنی کا خطرہ اس دعوے پر وثوق پیدا ہونے نہین دیتا کہ کوئی کار نمایان کرینگے مگر اتنا اطمینان ظاہر کیا گیا ہو کہ میدان جنگ سے مُنھ نہ پھیرینگے اور اپنی جانون کو قربان کرنے مین دریغ نہ کرینگے ۔ پچھلے مصرعہ سے جان نثاری کا کامل بھروسہ انتہاے جرأت و شجاعت کی دلیل ہو مگر میرانیس کی شاعری نے اس خیال کو کچھ ایسے پیرایہ مین پیش کیا ہو جس سے وہ کبر و ناز پیدا نہین ہوتا جو ایک مان کو اپنے بچّون کی قربانی چڑھانے پر پیدا ہونا چاہیے تھا یہ باتین میرانیس ہی جانتے تھے ۔

فرمایا شہ نے انکی شجاعت کا ذکر کیا ۔۔۔ ہین ورثہ دار شیر الٰہی یہ با وفا
اچھا ہمارے ساتھ چلے ایک مہ لقا ۔۔۔ زینب تمھارے پاس رہے ایک دلربا

تم کس طرح جیو گی جو بیٹے سے یاس ہو
گھر چلتے وقت ایک تو فرزند پاس ہو

مان کی تسکین کے لیے یہ تدبیر کافی تھی مگر جناب زینب کو بھائی کے مقابل مین فرزندون کی جانین عزیز نہین اور نہ یہ منظور ہے کہ کسی فرزند کو بھی شرف شہادت یا نصرت امام سے محروم رکھین اسلیے فاضل شاعر نے عذر کا ایک نازک پہلو اختیار کیا ہو

زینب نے عرض کی کہ مجھے ہو یہ آرزو ۔۔۔ دونون نثار آپ پہ ہون سر سے دوبدو
بچ جائے جان آپکی یا شاہ نیک خو ۔۔۔ مین طالب ثواب یہ خواہان آبرو

بہتر ہی دونون بیٹون کی گر سوگوار ہون
مین بھی جناب فاطمہ کی ورثہ دار ہون

طفلی سے آجتک یہ ہوے ہین کبھی جدا ۔۔ بچپن سے ایک گھر مین پلے بھی تو ایک جا
چرچا ہی سارے کہتے ہین دونو نکے پیار کا ۔۔ بیشک ہین ایک جان و قالب یہ مہ لقا
تڑپے ملاپ کو جو خفا ہو کے بھائی سے
وہ کسطرح جیئے گا جدا ہو کے بھائی سے

چھوٹا تنک مزاج ہے یا شاہ بحر و بر ۔۔ سن لے تو جان دیدے گلا اپنا کاٹ کر

کچھ عجب تخئیل میر انیس کی ہے جس سے نئی نئی صورت کے معنے پیدا ہوتے ہین اور سادے لفظون مین مضامین عالی کے دریا امنڈتے نظر آتے ہین شاید امام علیہ السلام کا مقصود یہ ہوگا کہ چھوٹا مستوجب رضاے جہاد نہین اور چھوٹے بچے سے ماں باپ کو زیادہ الفت ہوتی ہی چھوٹے کا بچ جانا ماں کی تسکین کے لیے مناسب و بہتر ہے اسلیے جناب زینب نے اس گفتگو کی تہ کو پہونچکر بڑے بیٹے سے زیادہ چھوٹے فرزند کی تنک مزاجی کا ذکر کردیا اور پھر دوسرے مصرعہ سے اپنے ارادہ کا استحکام فرماتی ہین۔

نو دس برس جہان مین ہوے جسطرح بسر ۔۔ باہم یونہین جہان سے کرین آخری سفر
ہر جا بڑے کے ہاتھ مین چھوٹے کا ہاتھ ہو
مین چاہتی ہون دونو کا مرنا بھی ساتھ ہو

دنیا مین کسی ماں نے یہ جگر نہین پایا کہ اپنے بچون کی موت سے مسرور و مطمئن ہو اور نہ کسی شاعر نے ایسی زبان پائی کہ اہلبیت اطہار کے پاکیزہ خیالات و جذبات کو اس فصاحت و بلاغت سے نظم کرسکے پیاری بہن کی خاطر شکنی کے خیال نے امام علیہ السلام کو مجبور کردیا کہ وہ گلزار امامت کے غنچون کو کھلنے سے پیشتر خاک مین

ملا ہوا دیکھیں۔

گردن جھکا کے کہنے لگے شاہ خاص عام
تمکو جہان میں پھر نہ ملیں گے یہ لالہ فام
مٹنی ہے نسل جعفر طیار نیکنام
چھاتی سے سر لگا کے وہ بولی کہ یا امام

للہ انکے باب میں اب کد نہ کیجیے
ہے یہ فقیر کا اسے رد نہ کیجیے

میرانیس کی شاعری نے کیا کیا نظارے دکھائے ہیں ذرا غور تو کیجیے بھائی کو فرط محبت سے بچون کا مرنا گوارہ نہیں اور بہن بھائی کی چھاتی سے سر لگائے ہوے امیدوار رضائے جہاد و اجازت مرگ ہو اور کن الفاظ میں درخواست کی جا رہی ہے جسکا رد کرنا بہن کے لیے بچون کی موت سے زیادہ مہلک و جانگسل ہے عرض مدعا کے لیے حسن طلب کے ایسے الفاظ جو با محل صرف ہوے ہیں فصیحان زبان کو میسر نہیں ہو سکتے اور پھر میرانیس کی تخئیل تک رسائی تو غیر ممکن بلکہ محال ہے اس فیصلۂ رخصت کے بعد جناب زینب اپنے چھوٹے بھائی جناب عباس سے اپنے فرزندون کی بابت استمداد فرماتی ہیں اور سفارش کرتی ہیں۔

لیکر بلائیں بھائی کی بولی وہ سوگوار
اپنے غلام سمجھو انھیں تم پہ میں نثار
پہلے پہل نکلتے ہیں گھر سے یہ گلعذار
انکی مدد ضرور ہے ہنگام کارزار

صدمے سے جان اب نہیں ہر کی جاتی ہے
دھڑکا ہے یہ کہ دیکھیے کیا ہو لڑائی میں

لا کھون جوان ادھر انھیں سولہ برس کی یاس
کیا ہو جو بھیڑ دیکھ کے ہو جائیں بدحواس
پشتی پہ جب ہو شیر تو بچا ہو پھر ہراس
دور انسے تم نہ رہنا اگر ہو بہن کا پاس

بچّے کہاں یہ اور وہ دل فوج شام کا
بھیا مجھے ہو دھیان بزرگوں کے نام کا

خدا جانے خاندان امامت کے خیالات لکھنے کے لیے میرانیس کو الفاظ کہاں سے ملتے تھے جو ہر صورت معاملہ مین رازداری کا پہلو موجود ہو۔ یہ بات دیکھنے کے قابل ہو کہ باعتبار شان بزرگی وعلمداری یہ ایک فرض تھا کہ بچّے جناب عباس کی سپردگی مین دیے جائین مگر کسی جگہ یہ نہین ثابت ہوتا کہ جناب زینب نے یہ درخواست کی ہو کہ حالت جنگ مین بچّون کے شریک ہوکر مدد کرنا فقط یہ خیال ہو کہ تقاضائے عالم طفلی سے اگر یہ گھبرا جائین تو انکا دل بڑھانا تاکہ استقلال جنگ کو نقصان نہ پہونچے اور بزرگون کے نام پر حرف نہ آئے یہان کوئی نسوانی کمزوری کسی خیال سے پیدا ہونے نہین پاتی دختر شیر خدا کو یہ اطمینان ہو کہ چھوٹے چھوٹے بچے خاندان بنی ہاشم کی جرأت وشجاعت دکھانے مین کمی نہ کرینگے۔ اب جناب عباس کا جواب سُنیے سلسلے کے دو تین بند بخیال طول چھوڑ دیے گئے ہین بہرکیف جناب عباس اپنی ہمشیرہ مقدسہ کی تشفی فرماتے ہین۔

سُن لیجیے گا آپ یہ جیسے کرینگے نام
کچھ فکر کی جگہ نہ تردد کا ہے مقام
انسے کبھی جُدا نہین رہنے کا یہ غلام
مین عبد سرفروش ہون اے خواہر امام
بندے کا حفظ خالق عالم کے ہاتھ ہے
روتی ہین آپ کیون مری جان انکے ساتھ ہے

ایک ایک لفظ جو جناب عباس کی زبان سے نکلا ہے ادب وقاعدہ کی پرکار سے نپا ہوا ہو اور خواہر امام یہ خطاب تو میرانیس کی تخئیل کا خاص نتیجہ ہو گیا جناب

زینب جناب عباس کی ہمشیرہ تھین پھر خواہر امام کہنے کی کیا ضرورت تھی مگر یہ مابہ الامتیاز لفظ ہین جو خاص و عام شاعری کا فرق دکھاتے ہین میر انیس نے کمال تو یہ کیا ہی کہ ان صاحب اختیار بزرگون کی زبان سے کہین اُن خیالات کو ظاہر ہونے نہین دیا ہے جو شان عبدیت کو نقصان پہونچانے والے ہین یہان بھی بیت مین یہ مسئلہ پایا جاتا ہے یعنی جناب عباس اپنی قوت و طاقت یا شجاعت و جرأت پر بھروسہ کر کے بچّون کی حفاظت کا وعدہ نہین کرتے بلکہ یہ فرماتے ہین کہ خالق عالم سے اپنے بندون کی حفاظت کرنے والا ہی وہ قوی و حافظ و نگہبان ہی تو بس وہی حفاظت کریگا ہان البتہ جبتک مین زندہ ہون میری جان انکے ساتھ ہی اس سے جو کچھ سمجھا جائے مگر کسی جگہہ اپنے مدارج و مراتب کی اولوالعزمی پر غرور نہین کرتے اور بحیثیت عبدیت حفاظت کا وعدہ فرماتے ہین۔

اس مرثیہ مین ایک موقع پر میر انیس نے جناب حبیب مظاہر کے عالم پیری کی تصویر کھینچی ہے یہ تصویر بھی مرقع شاعری مین ایک اعلیٰ یادگار رہے اور یہان کیرکٹر کی شان دکھانے مین میر انیس کا خیال شکسپیر سے بھی آگے ہے مقدمہ واقعہ اس بیت سے شروع ہوتا ہے۔

سب جان فشان سوار تھے راہ ثواب مین
پیدل مگر تھے ابن مظاہر رکاب مین

عالم پیری کی تصویر

ابرو جھکے جو پڑتے تھے آنکھو نپہ بار بار
رومال پھاڑ کر انھین باندھا تھا استوار
آنکھو نسے شیر نر کی جلالت تھی آشکار
گویا کہ تھی غلاف مین حیدر کی ذوالفقار

جلدی چلے جو چند قدم جھوم جھوم کے

رعشہ وداع ہو گیا ہاتھونکو چوم کے

اک شور تھا کہ عود کیا پھر شباب نے | یا کی دعا حبیب کے حق مین جناب نے
ریش سفید رخ پہ سیہ کی خضاب نے | یہ آب وتاب پائی کہان آفتاب نے

لبریز نور سینۂ بے کینہ ہوگیا

یون جھریان تھین کہ تن آئینہ ہوگیا

نصرت امام کی مسرت نے عالم پیری مین جو انقلاب پیدا کردیا اُسکو علم اشارات سے تعلق ہے اس قسم کی تخئیل کی نسبت مغرب کے اہل قلم مین شکسپیر کا نمبر اول سمجھا جاتا ہو کہ وہ خصائل ومعاشرت انسانی کے لکھنے مین ید طولا رکھتا ہے اور یہ خصوصیت ڈرامیٹسٹ ہونے کی وجہ سے شکسپیر کو حاصل ہو مگر شکسپیر اپنے ڈرامازمین بہت سے جذبات واحساسات وخصائل کو (بزنس) سے متعلق کردیتا ہے مگر میر انیس کے قلم مین وہ معجز نگاری ہو کہ وہ تصویر کا ترجمہ لفظون مین کردیتے ہین اور یہ اُلٹی بات ہو کہ کسی نظارے کی کیفیت دکھانیکے لیے اُسکا نقشہ کھینچنے کی ضرورت ہو مگر میر انیس اُس نقشہ کا نقشہ اپنے قلم سے اسطرح کھینچتے ہین کہ جو نوٹس تصویر کے پوزیشن سے ظاہر نہین ہوتے وہ اُنکے لفظون سے واضح ہوجاتے ہین۔

اب وہ وقت ہو کہ جناب عون ومحمد نے صلاح کی ہو کہ سب سے پہلے ابن سعد پر حملہ کرکے اُسکو گرفتار کرلین۔

چھوٹے نے کی یہ عرض کہ بڑے بھی اے شہ ذی جاہ | مخفی ہوا ہو خیمہ مین ڈر کر وہ پر قصور

ہوتا ہی اور دھوپ سے اب پیاس کا فوار مرنا ہے ہر طرح یہ تامل ہے کیا ضرور

دو ہاتھ مین بجھگا کے سوارونکو گھاٹ کے

خیمہ گرادین اسپہ طنابونکو کاٹ کے

اِس مکالمہ سے جوش شجاعت وشوق جہاد کے جذبات دکھائے ہین اور کمسنی کی بیچینیان ظاہر کی ہین پھر تیسرے اور چوتھے مصرعہ کا ربط بتا رہا ہی کہ باوجود عالم طفلی منچلے بچون نے اپنا مرنا فرض و مسلم سمجھ لیا ہی اسلیے بڑے بھائی سے عرض کرتے ہین کہ وقت ضائع نہ کیجیے تمازت آفتاب سے غلبۂ تشنگی بڑھتا جاتا ہے جب مرہی جانا ہے تو کارنمایان کر کے حوصلے نکال لین اور اسقدر جلد مرجائین کہ بھوک اور پیاس کے صدمے ستانے نہ پائین بیت مین انداز تقریر سے شجاعت خاندانی اور اطمینان جنگ دکھاتے ہین یعنی گھاٹ کے سوارون کو دو ہاتھ مین بھگا کر ابن سعد پر خیمہ کاٹ کر گرادین گویا بچون کے نزدیک یہ کام بہت آسان ہے۔

راکب و مرکب کی شان

وہ اُنکے اشہبون کی ترادا ترادہر ادھر کا دونین بس کے مرگئے سو سوادِ ہر اُدھر

تابندہ تھے جو آٹھ مہ نو ادھر ادھر پھیلی ہوئی زمین پہ تھی ضو ادھر اُدھر

کیلون سے آشکار تھے جلوے نجوم کے

پریان تھین دو کہ پھر رہی تھین جھوم جھوم کے

انتہائے فصاحت زبان وحسن بیان یہ ہی کہ کوئی بند ردیف وقافیہ کی قید سے خالی نہین اور پھر عجب عجب دلفریب ردیفین پیدا ہوتی ہین شعراے حال نئی

ردیفین پیدا کرنے مین کاہش کرتے ہین اگر میر انیس کے مرثیہ سے مدد لین تو ہر بند اور ہر بیت مین ایک خوشنما ردیف ملسکتی ہی معاملہ بندی کی ضرورتین شاعرونکو مجبور کرتی ہین کہ مرثیہ مثنوی قصیدہ ان اصناف سخن مین صرف قافیہ پر مدار نظم رکھا جائے تاکہ نظم معاملہ مین دقّت واقع نہ ہو مگر میر انیس اس بے تکلفی سے اس قید کو نباہتے ہین کہ قافیہ کا التزام بضرورت قافیہ محسوس نہین ہوتا۔

تعریف اسپ

کیا دونون تازیون کی سبکتازیان لکھون
کیونکر رواروی مین خوش اندازیان لکھون
کسطرح نیچون کی سرافرازیان لکھون
کیا دونون شاہزادونکی جانبازیان لکھون
پوتے ہین کس جری کے خلف کس جری کے ہین
اسطلیے یہ مدح ہی کہ نواسے علی کے ہین

ان باتون پر میر انیس کو خداداد قدرت حاصل ہی شاعری کو اسقدر سہل الممتنع کیا کہ اُنکا کمال لوگون کی نظرون سے دُور ہو گیا ـــ آفتاب اونچا ہوا اتنا کہ تارا ہو گیا۔ ایک جگہہ نہین بلکہ سیکڑون جگہہ یہ مضامین نظم ہوے مگر ہر موقع پر شاعری کی روح ایک نئے قالب مین دکھائی دیتی ہے جو الفاظ خاص طور پر مناسب فن شاعری میر انیس کی تصنیفات مین صرف ہوے ہین اُنپر تفصیلی تنقید تو ایک کار اہم ہی مگر مین اجمالی ذکر کرونگا یہ بھی حیرت انگیز بات ہی کہ میر انیس کی شاعری مین دو متضاد شقین پائی جاتی ہین آزادی اور پابندی۔ پابندی کا یہ حال کہ مرثیہ کے دائرے سے قدم باہر نہین نکالتے اور آزادی کی یہ کیفیت کہ

مسائل علوم مختلفہ اور مضامین متنوعہ کے باغ لگاتے جاتے ہین جسکا ایک ایک پھول دلفریب و نضارت بخش دیدۂ بصیرت ہی اس مشکل کو وہ آسان کرسکتا ہی جو میرانیس ہو

تیرون مین جسطرف وہ گئے بے دھڑک گئے
شیرون کی بو جو آئی تو گھوڑے بھڑک گئے
زندونکے خوف جان سے کلیجے دھڑک گئے
زخمون مین کیا مزا تھا کہ بسمل پھڑک گئے
یکسر قدم سپاہ کے دریا سے اٹھ گئے
ہونٹونکو چاٹتے ہوے دنیا سے اٹھ گئے

چوتھا مصرعہ باعتبار شان تغزل ایک دیوان ہی اور وہین سے بیت کا سلسلہ پیدا ہو کر چھٹے مصرعہ پر ختم ہوگیا ہی ایسے شاعر کو غزل کہنے کی کیا ضرورت ہی جسکا مرثیہ تمام اصناف سخن کا مجموعہ ہو۔

وہ گورے گورے ہاتھ وہ نازک کلائیان۔ یہ مثالین موجود ہین جنسے زیادہ دلفریب لفظ غزل کے لیے تلاش نہین کیے جاسکتے میرانیس کو موقع ملجانا چاہیے پھر وہ ہر (سبجکٹ) پر اپنی معلومات کا وزن دکھا سکتے ہین یہ ایک بند مقفی ہی مردف نہین مگر رنگینی زبان کا لطف دیکھیے کہ یہان قدرتاً اور اصولاً ردیف کی ضرورت ہی محسوس نہین ہوتی کیا اعجاز شاعری ہے۔

وہ گورے گورے ہاتھ وہ نازک کلائیان
وہ بازون کا زور وہ تیغ آزمائیان
وہ نیمچون مین سیف علی کی صفائیان
وہ ولولے وہ پہلے پہل کی لڑائیان

اسم اشارہ جس سے معنی توصیفی پیدا ہون یہ تو میر مرحوم کا حصہ ہی۔ وہ وہ کی تکرار شروع کرتے ہین تو فصاحت کے آب حیات کا مینھ برساتے چلے جاتے ہین اس بند کے قافیے سب اسم کی جمع ہین صرف ایک قافیہ جمع فعل ہے یعنی اُس کا

مصدر آزمانا ہی مگر اسم فاعل ترکیبی واقع ہونے کی وجہ سے قافیہ کو متروکات سے بچالیا ہے فصحاے وقت کے نزدیک جمع فعل اس صورت کے قافیون مین متروک ہے مثلاً

جانین مشتاقونکی لب پر آئیان
بل بے ظالم تیری بے پروائیان

جس غول پر وہ صاحب شمشیر آپڑے
ثابت ہوا کہ فوج پہ دو شیر آپڑے

ماتھے وہ اور پیچ عمامے کے لٹپٹے
گیسو وہ بنت فاطمہ کے ہاتھ کے بٹے

وہ ابروؤنکے خم کہ ہلال فلک گھٹے
آنکھین وہ نرگسی کہ نہ جنسے نظر ہٹے

چہرے کسی نے دیکھے ہین اس آب و تاب کے
رخسار چار پھول کھلے ہین گلاب کے

بقدر معلومات ہر شاعر خیالات کی رنگینیان دکھا سکتا ہو مگر میر انیس کے کلام کی قوت اول سے آخر تک یکسان نظر آتی ہے یہ چار ہندی کے قافیے ہین جو چارون مصرعون مین کس روانی اور بے تکلفی سے نظم ہوے ہین اگر میر انیس کی قوت شاعری کا اندازہ کرنا ہو تو ایک پانچوان مصرع اس قافیہ مین نظم کرو میر انیس کے مرثیہ کی مثال یہ ہی کہ جیسے فصل بہار مین اشجار باغ کی شاخ شاخ پھولون سے لدی ہوتی ہے اور جوش گل سے پھولونکے انبار زمین کو بھی بار ہو جاتے ہین اسیطرح افراط مضامین شاعرانہ کے سبب سے دیدہ و دل سے قوت امتیاز یہ زائل ہو جاتی ہے اور کثرت محاسن سے ایک عالم حسن نظر آتا ہے۔

وہ برگ گل سے لب وہ دہن اُسکے تنگ تنگ۔ یہی الفاظ معشوقون کے سراپا مین صرف کیے جاتے ہین مگر یہ بات قابل غور ہو کہ مصرع کی شان سے معلوم ہوتا ہو کہ

کمسن بچّون کا سراپا شروع ہوا ہے۔

وہ بھینی بھینی بو کسی غنچے مین نہ وہ رنگ | لعل و گہر ہین ان دُر دندان کے آگے دنگ
اک منجمد وہ قطرۂ نیسان ہے اور یہ سنگ | تشبیہ بھی جو اُنسے نہ دو ہی نا امید ہین

اس غم سے موتیون کے کلیجے مین چھید ہین

جستہ جستہ انتخاب کر رہا ہون اور حیرت مین ہون کہ ان مضامین جدید پر کیا تنقید لکھون اس تنقید کو ترغیب سمجھ کر ناظرین جب میر انیس کے کلام پر بالاستیعاب نظر ڈالین گے تو اس شاعری کا لطف اُٹھالین گے۔

گھوڑون کی تعریف

آئے اِدھر سے گر تو اُدھر سے نکل گئے | پہونچے کنار بحر تو بر سے نکل گئے
مانند برق لشکرِ شر سے نکل گئے | دو شیر آگے تیر نظر سے نکل گئے

یون پھر رہے تھے بیچ مین فوج عظیم کے
جیسے سحر کو چلتے ہین جھونکے نسیم کے

غنچے ہین دو ملے ہوے کہیا کہ اُنکے گوش | برگستوان مین جسم کہ رستم ہو درع پوش
سرعت کو دیکھ لین تو اُڑین طائرونکے ہوش | گرتا تھا منہ سے کف تو شجاعت کا تھا یہ جوش

پریان اُڑا سکین نہ روش اُنکی چال کی
بالکل مزاج شیر کا آنکھین غزال کی

وہ سُم وہ نعل اور وہ سینے وہ ترکتاز | بدر و ہلال و آئنہ و کبک و شاہباز
صنعت لف و نشر مرتب ہے اور اس صنعت کا خاصہ یہ ہے کہ بڑے بڑے فصحا سے

اغلاق پیدا ہو جاتا ہے مگر یہان وہی رائج الوقت سکہ چل رہا ہے۔

زیور تھا ایک شب کی دلھن کا کہ اُس ساز
وہ کلغیان کہ طرۂ لیلا سے سرفراز
بنکر گہر پسینے کے قطرے ٹپکتے تھے
ہیکل کی تختیون کے ستارے چمکتے تھے

سبحان اللہ فصاحت زبان و قلم سے لپٹی ہوئی ہے۔

نیمچون کی تعریف

پیاسون کے نیچے بھی غضب آبدار تھے
سیل فنا تھے صاعقہ شعلہ بار تھے
دونون بہم جو ملکے اُٹھے ذوالفقار تھے
سایہ کو بھی شریک جو کیجیے تو چار تھے
دو کرتے تھے پہ راکب و مرکب کو زین کو
دو ہاتھ کاٹ دیتا تھا سایہ زمین کو

یہ مضامین ذاتی ہین مگر انکا احساس کیونکر ہو اسلیے کہ رنگینی خیالات کا سنہرا ملمع اصلی جوہر و نکو چھپاے ہوے ہو شوکت الفاظ و جدت استعارہ کے بعد تخییل ذاتی کی جانب ذہن منتقل کیا جائے تو نازک خیالیون کا پتہ چل جائیگا جس بند پہ نظر ڈالتا ہون جی چاہتا ہے کہ سلسلۂ تنقید مین داخل کرون مگر جو لطف دلکو حاصل ہوتا ہو اُسکے بیان مین قلم و زبان عاجز ہین اور افسوس کہ مجھ ہیچمدان سے یہ فرض پورا نہین ہوتا۔

اس مرثیہ کی ابتدا مین جناب عون و محمد علیہما السلام نے ابن سعد پہ حملہ کرنیکی صلاح کی ہے اُس مبتدا کی خبر شاعر نے یہان نکالی ہے۔

جا پہونچے تھے خیام بن سعد کے قرین
بھاگا عقب سے چیر کے خیمے کو وہ لعین

کتنی طنابین کاٹ چکے تھے یہ مہ جبین ہان ہان کا شور کرکے بڑے سب عدو دین
بھاگا اُدھر تو جوش مین وہ اضطراب کے
یہ تو نہال رہ گئے ہونٹون کو چاب کے

معاملات مین یہ فصاحت و روانی خدا کی شان ہی چھٹے مصرعے مین غصے کے مونس بھرے ہوئے ہین اور دوسرے بند سے اُن جذبات کو متعلق کیا ہے۔

چھوٹے نے عرض کی یہ سراپا ہو مکر و کید دیکھا حضور چھُٹ گیا پنجے مین آکے صید
چھپنے کی شرم ہی نہ اُسے بھاگنے کی قید فرمایا عون نے یہ ہی اُستاد زرق و شید
بھاگا طناب کاٹ کے کیا حیلہ ساز ہی
سچ ہے حرامزادے کی رسّی دراز ہی

بڑھکر پکارے حضرت عباس عرش جاہ کس سمت ابن سعد ہے او شمر روسیاہ
ذلت اُٹھا کے بھاگ گیا افسر سپاہ روکے گئے نہ ایک سے دو طفل واہ واہ
سرسبز ہوتے ہین ہمین جب کھیت پٹتے ہین
یون لشکرون سے شیر کے فرزند لڑتے ہین

جناب عباس کو بچون کی ہمت و شجاعت دیکھکر جو مسرت پیدا ہوگئی ہو شاعر نے اُسکا نقشہ کھینچا ہے۔

ہان مرد اگر ہو سامنے بچون کے آ تو جائے بھاگے گا پھر تو خیر کوئی زخم کھا تو جائے
مخفی کدھر ہو شیر دلون کو صورت دکھا تو جائے بگڑی ہوئی لڑائی کو ظالم بنا تو جائے
پھرتے ہین شیر ہاتھ مین تیغ و سپر تو لے
گرتا ہو وہ جھکا ہوا خیمہ خبر تو لے

چھٹے مصرعہ کی آمد مین انسی قوت کا اظہار ہے اور اس سے زیادہ کچھ تعریف نہین ہوسکتی کہ فیضان قدرت ہو۔ اب وہ وقت ہو کہ بچّون کی لاش سیدالشہدا خیمہ مین اُٹھا لائے ہین اور اہلبیت امامت مین کہرام مچا ہوا ہے۔

بیٹھی تھین ایک گوشے مین زینب جھکائے سر وان جا کے بولی بانو ناشاد و نوحہ گر
پُرسے کو لوگ جمع ہین چلیے ذرا اُدھر فرمایا مین نہ جاؤن گی بچّونکی لاش پر
آنچ آئمہ کی جی کو جلائے تو کیا کرون
گر فرق میرے صبر مین آئے تو کیا کرون

اُس مان کے دل سے اس مصیبت کو دریافت کرنا چاہیے جسکے دو سعادتمند فرزندون کی لاشین ایک ہی وقت مین آنکھونکے سامنے ہون اور صبر و استقلال مین کوئی فرق نہ آنے پائے۔

جناب زینب کو فقط یہ خیال ہو کہ میرے غم سے بھائی کا غم زیادہ جانکاہ ہو اسلیے بھائی کے سامنے بچّونکی لاش پر جانا بھی گوارہ نہین مگر یہ سب راز میرانیس کے قلم سے کُھلے ہین۔

بس سُن چکی کہ نام کیا خوب لڑ چکے لاشونپہ لاشین لوٹ چکین کھیت پڑ چکے
کُنبہ تمام ہو چکا دو گھر اُجڑ چکے گودی کے جو پلے تھے وہ بچے بچھڑ چکے
اب اُنکا غم نہ فکر مرے گھر کی چاہیے
بی بی سلامتی علی اکبر کی چاہیے

مان کے لیے فرزندون کا مرنا اسلیے باعث مسرت ہے کہ باوجود کمسنی خاندان بنی ہاشم کی جرأت دکھا کر اپنا فرض پورا کر گئے خاندان امامت کی ایک عورت کا استقلال

دکھایا گیا ہی جس ارادے کو اپنے جوش محبت سے پورا کیا ہو اُسکے نتیجے پر غم و ملال کا اظہار باعث ملال سید الشہدا سمجھتی ہین نہ یہ نکتہ کسی کے ذہن مین آسکتا ہی اور نہ کوئی شاعر اس خیال کے نظم کرنے کو ایسے لفظ پا سکتا ہو آخر جناب شہربانو کے اصرار سے بیٹون کی لاش پر تشریف لیگئی ہین سلسلۂ نظم چھوڑ کے صرف چند بندون پر اُس خیال کو ختم کرونگا جسمین محبت مادری کے درد بھرے کنایے سُننے والون کا دل ہلاتے ہین۔

اُلجھے ہین میرے ہاتھ کے گیسو بٹے ہوے　　سینے فگار چاند سے بازو کٹے ہوے
کسطرح دیکھون خاک مین چہرے اٹے ہوے　　ہی ہی کفن بنے یہی کپڑے پھٹے ہوے
نہ کچھ تزک نہ تخت شہیدونکو چاہیے
مرنا اسی طرح سے سعیدونکو چاہیے

اُردو کے قانع فصاحت کی کسوٹی پر کسے ہوے خاندان امامت کی زبان اور میر انیس کا حسن بیان واقعہ نگاری مین سلاست ومتانت کی تازگی الفاظ مین مرثیت کا درد و غم تقریر مین صبر و استقلال کا ثبوت اسقدر جامعیت کا بوڑھے مقدس شاعر کے سر سہرا رہا ہے۔

سُنتی ہون اس سفر مین خطر بیشمار ہین　　جا ئین وہی ایسے جو میان مزار ہین
پرسش ہو روک ٹوک ہی جنگل بخار ہین　　وہ بھی ڈرے ہوے ہین جو طاعت گذار ہین
منزل کا شب کی مان کو پتہ دیکے جائیو
قربان جاؤن ساتھ مجھے لیکے جائیو

نظم کے کس کس عنوان پر نظر ڈالی جائے جناب زینب کی بیقراری سے ظاہر ہوتا ہی

کہ کوئی ناشاد ماں اپنے کمسن بچوّں کی لاش پر بین کر رہی ہے مسافران عدم کے خطرات کا بیان اس عالم مین زیادہ قابل افسوس ہے کہ یہ منزل تسلیم درضا کے مسافر قبل از وقت کمر باندھے ہوے تیار ہین جوان اولاد کے ماتم مرگ مین جو لفظ استعمال ہونا چاہیے اُس دائرے سے اس غم اندوز واقعہ کو جسقدر دُوری ہو اُتنا ہی فرق بینہ لفظ ظاہر کر رہے ہین اور ان اشارون سے پتھر کے قلب پر بھی اثر ڈالا ہے اور کے بند مین مسافران عدم کے سفر آخرت کا ذکر کرنے کے بعد ماں کی زبان سے مسافرون کے خطرناک سفر کی جانب اشارہ ہے۔

دن ڈھل گیا قریب ہے شام اے مسافرو۔ مسافر کے لیے اسوقت سے زیادہ کوئی ہولناک وقت نہین ہوتا اور ہر مسافر پر یہ ڈراونا وقت اپنی بھیانک صورت کا اثر ڈالتا ہے جبکہ ایک خوفناک منزل کے مسافر کو منزل پر پہونچنے سے پہلے شام ہوجاتی ہے اور آنے والی رات کی تاریکی اُسکے ارادون پر عمل کرتی ہو عظیم الشان پہاڑون کی مہیب گھاٹیون مین ڈوبنے والا آفتاب ان غربت نصیبونکو ہولناک وادیون مین تنہا چھوڑجاتا ہو اور وہ یہ نہین جانتا کہ مجھے شام کہان ہوگئی اور رات کہان بسر کرنا پڑے گی تو اُسکے اضطراب قلب اور پریشانی خاطر کا اندازہ کرنا دشوار ہو دُنیا کے تجربے واقعات عالم کا فوٹو دکھاتے ہین جن غریب الوطنون کو اس خوفناک نظارہ کا عملی تجربہ ہوا ہوگا انکا دل اس تخئیل کا مزا اُٹھائے گا خدا کی شان ہو کہ گوشۂ عزلت مین بیٹھنے والا شاعر تمام واقعات و مناظر عالم کی تصویر کھینچنے مین مشاہدات ذاتی پر سبقت لیگیا ہو وہ کمی آسمانی فرشتے پوری کرتے ہین جو عملی تجربون سے بہت دُور ہے۔

دن ڈھل گیا قریب ہو شام اے مسافرو
کس بن مین شبکو ہوگا مقام اے مسافرو

جذبات و اثرات شاعری کے علاوہ مضمون کو واقعات اصلی سے قدرتی مناسبت ہو اور یہی وجہ مزید اثرات کی ہے کہ وقت شہادت بھی قریب قریب وہی وقت تھا

پھر تو کرو زبان سے کلام اے مسافرو
بھیجوگے کب پیام و سلام اے مسافرو

پختگی خیالات کی کوئی حد نہین چونکہ ردیف غربت نصیبون سے تعلق رکھتی ہے اسلیے لوازم حالت سفر کا کوئی پہلو نہین چھوڑا ہے۔

بیٹون کی پہلوؤن مین جو تمکو نہ پاؤنگی
مین شب کو ڈھونڈھتی ہوئی جنگل مین آؤنگی

چوتھے مرثیے کا انتخاب

واحسرتا کہ عہد جوانی گذر گیا
ہنگام قوت ہمہ دانی گذر گیا

وہ زور و شور سحر بیانی گذر گیا
اب کیا علاج فرق سے پانی گذر گیا

پھولا ہو باغ بزم مین سے شیعہ بہم نہین
افسوس مجلسین تو وہی ہین پہ ہم نہین

مشہور ہے کہ یہ مرثیہ میر انیس کی آخری فکر و نکا نتیجہ ہی جسوقت ہوائے پیری کے جھونکے باغ زندگانی کو پامال کر رہے تھے اُسوقت صرف ایک بند عنوان مرثیہ پر شاعر نے اپنی تغیر حالت کے متعلق لکھا ہو اور اُسکے بعد مرثیہ شروع ہوگیا ہے اس مضمون پر فردوسی طوسی نے شاہنامہ اور نظامی گنجوی نے سکندرنامہ مین اپنی اپنی طبیعتون کی جولانیان دکھائی ہین چونکہ انقلاب عمر انسانی زندگی پر ایک

خاص اثر ڈالتا ہے اسلیے اس مبحث کے متعلق قدرتی طور پر شعرا کے دماغ سے مضامین رنگین کی تراوش ہوتی ہے اور زوال عمر کے ساتھ عروج کمال اپنی قوت دکھاتا ہے میر انیس کو درحقیقت کافی موقع نہین ملا کہ وہ اس سبجکٹ پر اپنا زور دکھاتے مگر فردوسی اور نظامی کو اچھا موقع ملگیا ہے خصوصًا فردوسی نے شاہ محمود کی عہد شکنی سے شکستہ خاطر ہوکر اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑے ہین اور خوشگوار حصۂ عمر کے ضائع ہونے پر مضامین پیری کو بڈھے شاعر نے خون جگر سے لکھکر رنگین بنا دیا ہے اُس طول اور اس اختصار مین مقابلتًا انقلاب و تغیرات زمانہ کے قدرتی سین کا دکھاؤ دونون کی حسرتون اور ناکامیون کا برابر پتہ بتا رہا ہے ؎

دریغا خطِ زندگانی نماند　　　ممان اے جہان چون جوانی نماند

عہد شباب اور لذّت ایام جوانی کے گذر جانے پر ایرانی شاعر نے دُنیا کو بددعا دی ہو یعنے جب میری جوانی نہ رہی تو جہان کا باقی رہنا بھی بیکار ہے لیکن وہ حسرت نہین ہے جو فردوسی ہند کے زور طبیعت نے چھوٹے مصرعہ مین دکھائی ہے۔ افسوس مجلسین تو وہی ہین پہ ہم نہین۔ شاعر کے دل مین یہ حسرت ہو کہ دُنیا باقی ہے اور سامان دُنیا بدستور ہے سامعین قدر دانان سخن کا مجمع بھی اُسی طرح مشتاق ہے کمال کی بہار ہے سخن فہمون کا باغ پھولا ہے مگر افسوس میری جوانی کے انقلاب نے ان اسباب کو بیکار کردیا اب مجھ مین وہ طاقت اظہار فن اور قوت شباب نہین کہ اگلی سی کامیابیان حاصل ہون۔ یہ حسرت ہو جو شاعر کی افسردہ دلی اور تلخکامی کی دلیل ہے اپنی جوانی کے گذر جانے سے لذات دُنیا کا

فنا ہو جانا یا موجودات عالم کو بد دُعا دینا یہ ایک معمولی تخئیل ہے مگر دُنیا کی ہستی کو موجود خیال کر کے اپنے وجود و ہستی کو معدوم سمجھنا یہ رشک بلند خیالی کی خبر دیتا ہے مضمون نگار اِس مضمون پر بہت کچھ لکھ سکتا ہی مگر مین میر انیس کے اِس مختصر خیال پر مختصر تنقید لکھکر مرثیہ کے اغراض اصلی کی جانب متوجہ ہوتا ہون اور امام علیہ السلام کے سراپا سے شروع کرتا ہون۔

سراپا

کیا خوشنما ہین چہرے پہ گیسو کو دیکھیے ۔۔۔ شب اور آفتاب کے پہلو کو دیکھیے
دورا ہین اک سحر رخ نیکو کو دیکھیے ۔۔۔ جنگل تمام بس گیا خوشبو کو دیکھیے
چہرے کی ضو سے دشت پر آشوب عرش ہے
ساری زمین پہ عنبر سارا کا فرش ہے

ایسے مقامون پر جو میر انیس نے قوت شاعری دکھائی ہے وہ راقم الحروف کے نزدیک محتاج تنقید نہین کیونکہ یہ تشبیہ و استعارات کا میدان ہی اور اسقدر پامال ہے کہ ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی محاسن شاعری کا پتہ چل جاتا ہے اِس سارے بند مین صرف ایک لفظ کے عارض زیبا پر میر انیس کی تخئیل ذاتی کا نقاب پڑا ہوا ہے اُسے مین اُٹھا کے دیتا ہون مجھے خود حیرت تھی کہ دشت کی صفت پر آشوب اِس موقع پر کچھ دل مین کھٹکنے والی بات نہین پھر یہ خیال ہوا کہ میر انیس کے کلام مین حشو و زوائد کو کیا دخل ہے نہ یہ اُنکی فصاحت زبان کا مقتضا ہی اور نہ اُنکے انداز تحریر کا خاصہ آخر بنظر غائر یہ معما حل ہوا کہ

دشت کربلا کا بہ سبب وقوع معرکہ کربلا پرآشوب ہونا تو مسلم ہے مگر میر انیس کے مصرعہ مین یہ صفت خالی از صفت نہین یعنی باوجودیکہ دشت کربلا دشت پرآشوب ہی مگر حسن عارض جناب امام علیہ السلام نے اپنی نورانی کیفیت سے اُس دشت کو بھی ہمپایہ عرش بنادیا حسبین یہ سبب پرآشوبی قابلیت قبول حسن نہ تھی اللھم صل علے محمد وعلے آل محمد۔

آنکھون کو کہیے عین تو عین خطا ہی یہ | پرڑے نہ کیون ہون سات کہ نور خدا ہی یہ
سیکوہے چشمداشت کہ عین عطا ہی یہ | بیمار خود یہ سب کے مرض کی دوا ہی یہ

سرخوش بھی جام اسکی محبت کا پی گیا
دیکھا نگاہ لطف سے جسکو وہ جی گیا

احسان بھی حیا بھی مروت بھی قہر بھی | لو موت بھی حیات بھی امرت بھی زہر بھی
بینا بھی نکتہ سنج بھی دانائے دہر بھی | تسنیم بھی بہشت بھی کوثر بھی نہر بھی

سرشرم سے جھکاتی ہو نرگس ریاض مین
جنت سوادِ مین ید بیضا بیاض مین

یہ معمولی (سبجکٹ) ہے جسپر تمام اصناف سخن کے شعرا نے طبع آزمائیان کی ہین مگر میر انیس نے ان بندون مین غیر معمولی خوبی صرف کی ہی تعریف چشم مین صفات اضداد جمع ہین اور پھر وہ تشبیہین تام ہین آگے دو بندون مین بلاغت کا زور دکھایا ہے اور مصرعون کی سجاوٹ کے ساتھ ساتھ مضامین جدید کی خوبی اور الفاظ بلیغ کی دلفریبی مین قدرتی تاثیر پائی جاتی ہے۔

آہو شکار و مست و کماندار و شیر گیر | ہشیار و خوش نگاہ و سخن سنج و دلپذیر

خون ریزو جان ستان و دلآویز و بے نظیر　　قبضے مین ابرؤن کی کمانین مژہ کے تیر
جس سادہ دل کو انکی سیاہی کی یاد ہو
ناخواندہ بھی اگر ہو تو روشن سواد ہو

آہو فریب عشوہ فروش و کرشمہ ساز　　طناز و شرمگین و گران خواب و سرفراز
حق بین و پاکباز و خدا بین و بے نیاز　　بیدار و داغدیدہ و خونبار و غم طراز
گرد اسکے پھر یہ کعبۂ ایمان کا طوف ہو
بس اے انیس بس نظر بد کا خوف ہو

اول بند مین بارہ اور دوسرے بند مین پندرہ لفظ تعریف چشم کے استعمال ہوے ہین اور کل مرثیون سے یہ مقام نکالا جائے تو کچھ اندازہ نہین کیا جا سکتا سیر گو شعرا کا کلام رطب و یابس سے بچ نہین سکتا خدائے سخن میر تقی میر کے چھ دیوان سے بہتّر نشتر ارباب بصیرت نے انتخاب کیے ہین اور میر انیس کے ترکش مین کتنے تیر ہین یہ آجتک کوئی شمار نہین کر سکا ان موقعون پر میر انیس کی معلومات و قادر الکلامی کا پتہ ملجاتا ہے اچھا اگر فرض کرلین کہ اساتذۂ متقدمین ان صفتونکو فرداً فرداً تعریف چشم کے متعلق استعمال کر گئے ہین تو پھر دعوے کے ساتھ تین چار صفتین ناچیز حسن ایسی پیش کر سکتا ہو جو آجتک عرب و عجم کے کلام مین نہین پائی جائینگی اور وہ اسوجہ سے میر انیس کے ذاتی تخئیل مین داخل ہین کہ سوائے امام حسین علیہ السلام کے اور کوئی آنکھ ان اوصاف سے متصف نہین ہو سکتی مثلاً داغ دیدہ خونبار غم طراز

درج دہن پہ لعل و عقیق یمن نثار　　غنچے نثار پھول تصدق چمن نثار

حسن بیان پہ طوطی شکر شکن نثار	شور نمک پہ شاعر شیرین سخن نثار
فقرون مین لطف باتون مین لذت بھری ہوئی
قرآن کی طرح سے فصاحت بھری ہوئی

اِس بند کی تعریف اِس سے زیادہ نہین ہو سکتی کہ یہ بند میر انیس کی تعریف سے منسوب کر دیا جائے۔

وہ ریش پاک اور وہ چہرے کی آب و تاب	نکلا ہو چھوڑ کر شبِ تیرہ کو آفتاب
کچھ جا بجا جو کھل گیا ہو ریش کا خضاب	رخصت ہو مل رہے ہین گلے پیری و شباب
ہان تا بہ عصر اور زمان حیات ہے
اب زندگی مین کوئی نہ دن ہے نہ رات ہے

اِن موقعون کے انتخاب سے مضامین شاعرانہ کا دکھانا منظور نہین یاد رکھنا چاہیے کہ اگر محاسن فن شاعری کی اجمالی تقریظ لکھی جائے تو کتاب اندازے سے گزر جائیگی یہ مقامات قدر دانان شاعری کے لیے بطور خود مشاہدہ کرنے کو چھوڑتا ہون اور بھملا ان مضامین کا اقتباس محض اِس غرض سے کرتا ہون کہ میر انیس کے اصنافِ سخن کی مثالین قائم ہوتی چلی جاتی ہین اور معلوم ہوتا ہے کہ غزل گو شعرا کا کوئی قدم میر انیس سے آگے نہین پڑا ہے بلکہ وہ اِس صراطِ مستقیم پر چلتے ہوے لغزش کرتے ہین جسکو فاضل شاعر بے تکلف طے کر رہا ہے اور منازل شاعری کے تنگ و تاریک راستے ہین پیچھے آنے والون کے لیے چراغ جلا گیا ہے۔

عذر و اضطرار فوجکی اعلےٰ مثالین

بھڑکے فرس پرے ہٹے ابتر علم ہٹے	بڑھتے تھے جو وہ بانی ظلم و ستم ہٹے

نامی نشان چھوڑ کے ثابت قدم ہٹے   دریا ہٹا کہ فوج کے بادل بہم ہٹے
بھاگڑ میں خاک اُڑ کے جو سوئے فلک گئی
لشکر میں غل ہوا کہ زمین بھی سرک گئی

خاک کا اُڑنا زمین کا سرکنا نہین تو اور کیا ہے اسکا نام مضمون ذاتی ہے ایرانی شاعر سے تقابل کیا جائے جو اُسکے کلام مین محض مبالغہ پایا جائیگا ع زمین شش شد و آسمان گشت ہشت۔

تعریف شمشیر

گھوڑا جو پھاند کر صفِ اول سے ملگیا   تھا صاعقہ کہ شام کے بادل سے ملگیا
وہ پیلا جو فوج کے اُس دل سے ملگیا   بے برگ و بر ہوئے یہ ثمر پھل سے ملگیا
پھرتے ہوئے تنو نپہ نہ سر تھے نہ ہاتھ تھے
گویا چھری لیے ملک الموت ساتھ تھے

وہ مُنھ کہ الحذر وہ روانی کہ الامان   وہ گھاٹ الحفیظ وہ پانی کہ الامان
وہ دم وہ خم وہ تیز زبانی کہ الامان   وہ دل شکن وہ دشمن جانی کہ الامان
تا زُ اُسکے سب کو بھائے کرشمے بھلے لگے
چھوڑے نہ بے لہو پیے جسکے گلے لگے

یہ الفاظ وہ خزینۂ جواہر ہین جنکی کنجی میرانیس کی زبان ہے اور یہ شاعری کا وہ طلسم ہے جسکی لوح میرانیس کا قلم۔ چوتھے مصرعہ کے انداز سے رنگ تغزل پیدا ہوگیا تھا اسلیے بیت مین بھی وہی رنگ نباہا ہے۔

تھی دستگاہ خاص اُسے قتل عام مین   بیدم ہوا جو آگیا جو ہر کے دام مین

کس کس ادا سے چلتی تھی وہ فوج شام مین
دونون زبانین ایک سی تھین اپنے کام مین
کیا بس چلے کسی کا ہو جب بُری سے چلے
چلتی تھی یون کہ حلق پہ جیسے چھُری سے چلے

باوجود سیری نظم مناسبات لفظی اور محاسن معنوی کا کسقدر لحاظ رکھتے ہین قدرتی زور طبیعت اور جذبات شاعری کا طوفان کسی جگہہ فرو نہین ہوتا یہ کارنامے میرانیس کی بیتالی کی دلیل قاطع ہین۔

گھوڑے کی تعریف

خوشرو و خوشخرام و خوش انداز و خوش لجام
خوشخو و خوش جمال و ادا فہم و تیزگام

پہلے مصرعہ مین چار صفتین ہین جو اصول ترکیبی سے صفت بجال متعلق واقع ہوئی ہین مگر لفظ خوش کی تکرار اور انداز و خرام لجام کے الفاظ ترکیبی نے مقفے صورت مین فصاحت کا غیر معمولی لباس پہنا ہے اور دونون مصرعون مین صنعت تقابل بھی موجود ہے۔

جاندار و شوخ چشم و سعید و خجستہ گام
گلپوش و تیز ہوش و سمن گوش و لالہ فام

یہ وہ صفتین ہین جن پر شعراے اعجام کو فخر ہے مگر اللہ اللہ میرانیس کی معلومات کہ ایک ایک بند گھوڑے کی تعریف کا نصاب بنا دیا ہے زبان اُردو ان صنائع کے برتنے سے بوجہ کم فصاحتی قاصر بیان کیجاتی ہے۔ قاآنی کا وہ قصیدہ جسکی فصاحت و بلاغت پر ایرانی شاعر کو ناز ہے اُسکا صرف ایک مصرعہ پیش کرکے میرانیس کے ایک مصرعہ سے مقابلہ کرتا ہون اور خوبی و دلفریبی کا فیصلہ

ارباب بصیرت پر چھوڑتا ہون۔

قاآنی۔ لطافت خیز و عنبر بیز و عنبر ریز و عنبر زر۔

انیس۔ گلپوش و تیز ہوش و سمن گوش و لالہ فام۔

وہان عنبر کی تکرار نے اُس لطافت کو کھو دیا ہے جو یہان اسم فاعل ترکیبی اور صفت بحال متعلق کے دونون لفظون کے تغیر سے آشکارا ہے الفاظ جدید نے ہر مثال مین لطف جدید پیدا کیا ہے۔

غازی تھا سرفراز تھا عالیدماغ تھا گویا ہما کے دوش پہ اک زندہ باغ تھا

تلوار کی تعریف

اگر طبع مین کسی کے روانی ہوئی تو کیا کیا کہہ سکے گا تیز زبانی ہوئی تو کیا

بالفرض قوت ہمہ دانی ہوئی تو کیا مثل انیس سحر بیانی ہوئی تو کیا

فقرون کا ذوالفقار کے مطلب عیان نہ ہو

کٹ جائے ساری عمر تو شمہ بیان نہ ہو

صنعت مراعات النظیر لکھنے والے اسطرح لکھتے ہین کہ میر انیس کے کلام مین یہ صنعت شاعری کی روح و جان ہے علامہ شبلی کو غلط فہمی ہوئی ہے جو انھون نے موازنہ انیس و دبیر مین صنعت مراعات پر ابتذال کا اعتراض کیا صنائع کو بطریق استحسان صرف کرنا شاعر کا کام ہے ورنہ ہر صنعت مبتذل ہو جاتی ہے علامہ شبلی کے اقوال مین میر انیس کا یہ مصرعہ (کہین کوندتے تو چھینٹوں مین نہین آیا ہے) معرض اعتراض مین ہے۔

وہ فرماتے ہین صنعت مراعات النظیر کے مصرف نے اس مصرعہ مین ابتذال پیدا کردیا کیونکہ (چھینٹوں مین آنام) ایک عامیانہ محاورہ ہے اول تو اس محاورے مین کوئی عامیانہ طریق استعمال پیدا نہین ہوتا اور اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ امر تسلیم کرلیا جائے کہ یہ محاورہ عامیانہ ہے تو پھر میرانیس کی کیرکٹر نگاری کی تعریف زیادہ کرنا پڑیگی اور اسی تخئیل سے شکسپیر نے وہ مرتبہ حاصل کیا ہو جسنے اُسے لندن کے شعرا مین اول اور ممتاز بنادیا ہو یعنی کیرکٹر نگاری اگر اپنے کسی ڈراما مین ایک جہاز ران کا پارٹ لکھتا ہے تو یہ ثابت کردیتا ہے کہ اُسنے خود تمام عمر جہاز رانی کی ہے یا علم جہاز رانی کا عالم ہے اور ایک چمار کا پارٹ لکھنے کے وقت ادنٰے طبقے کا کیرکٹر اور لٹریچر دکھاتے ہین وہ اُسکے طرز معاشرت وخصائل وجذبات کی تصویر کھینچدیتا ہو میرانیس کے خیال مین ابن سعد ایک عامی شخص ہو جو جنت و دوزخ کی کوئی اصل نہین سمجھتا اور امام علیہ السلام کی طرفداری کرنے والون کو اپنی بدنفسی سے بہکا کر یا تو کوثر وجنت کو ایک دل خوش کن خیال ثابت کرنا چاہتا ہو یا یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ امام علیہ السلام مین عطاے کوثر وجنت کی قابلیت نہین ایسا شخص اگر بازاری آدمی نہین تو اور کیا ہے بس میرانیس کی شاعری نے مبتذل حرکات کی تصویر کھینچنے کے لیے ایک بازاری شخص کی زبان سے بازاری باسوقی محاورہ استعمال کیا ہو اس اعتراض نے میرانیس کی شاعری کی اصلی نوعیت کا اظہار ناظرین پر کردیا اور یہ وہ باتین ہین جن پر ابھی تک پردہ پڑا تھا۔ آجتک میرانیس کے اس مصرعہ پر بحیثیت استعمال محاورہ لوگون کی نظر پڑتی رہی ہوگی مگر اب بحیثیت کیرکٹر نگاری دیکھین گے کہ ہندوستان کا شکسپیر

لندن کے شکسپیر سے کسی بات مین کم نہین ۔

سپر کی تعریف

دار الامان کعبۂ نصرت ہے یہ سپر　　پشت و پناہ شاہِ ولایت ہے یہ سپر
لاریب فیہ آیۂ رحمت ہے یہ سپر　　حقا سوادِ اعظمِ شوکت ہے یہ سپر
پرتو فگن ہے یوں کبھی رخ کے جناب پر
آجائے جیسے ابر سیہ آفتاب پر

تعریف بلاغت کی مثال مین میرانیس کا یہ بند پیش کرنے کے لائق ہے چند غیر مانوس لغات کا جمع کرنا اور بے ضرورت شوکتِ الفاظ کا ملمع چڑھانا اسکو بلاغت نہین کہتے لیکن مشکل تو یہ ہے کہ میرانیس کے شاہدِ بلاغت کے رخ روشن پر فصاحت کی نقاب پڑی رہتی ہے اسوجہ سے حسن دل افروز اپنی مدھم شعاعین باہر ڈالتا ہے اور وہ باریک بین شعرا کو محسوس ہوتی ہین ۔

اب وہ وقت ہو کہ لشکر کفار مین آثار ہزیمت پیدا ہین اور ایک پہلوان فوج مخالف سے نکلکر ابن سعد کی بزدلی کی شکایت کرتا ہے ۔

اُس سے یہ ڈر جو غم سے ہو خود مرگ کے قریب　　تنہا نہ کوئی دوست نہ ہمدرد نہ حبیب
محتاج فاقہ کش وطن آوارہ و غریب　　بیکس عزیز مردہ بلاکش بلا نصیب
دانہ سوائے اشک فشانی ملا نہین
غربت مین تین روز سے پانی ملا نہین
بازو شکستہ درد جگر مین کمر خمیدہ　　بیٹی کے رانڈ ہونے کا صدمہ پسر کا غم

اک جان لاکھ تیر یہ تلوارین ایک دم | ابتک گرا نہین یہ تھمین کسطرح قدم

طاقت نہ قلب مین ہے نہ ہاتھون مین زور ہے
پھر اُسپہ الامان کا ہزارون مین شور ہے

سب سے پہلے تو وہ لفظ جو ایک دشمن نے سیدالشہدا کی شان مین استعمال کیئے ہین اُنکا بامحل تصرف دیکھنا چاہیئے ایک ایک لفظ سے ایک ایک عزیز و رشتہ دار کے غم مرگ کا اظہار ہو رہا ہے اُسکے بعد یہ دیکھنا ہے کہ میر انیس واقعات تاریخی پر کیسی روشنی ڈالتے ہین اِس راز کی جانب خیال رجوع ہوتا ہے کہ جو شخص بارادۂ قتل امام حسین ابن سعد سے اذن جنگ طلب کر رہا ہے وہ خود بھی امام علیہ السلام کی مظلومی اور بیکسی سے واقف ہو اگر یہ تصور تسلسل خیال کے ذریعے سے اپنے اصلی مرکز تک پہونچایا جائے تو اُن خوفناک سازشون کا اثر ناظرین کو بیچین کریگا جنکی ہولناک اور پُر فریب کارروائیان بہت پہلے گذرنے والا زمانہ اپنے ساتھ لیگیا اور روز عاشورہ کے پر آشوب دن پر اُن مظالم کا خاتمہ ہوگیا جسکی دنیا بیسی انواع واقسام کی دغاؤن سے بھری ہوئی تھی اور جسکا تخم خود اہل اسلام کے ایک خطرناک طبقے نے بویا تھا۔

مجھے شرم آتی ہے کہ مسلمان ہو کر اُن مسلمانون کے جابرانہ عمل اور خونریز کارروائیون کا ذکر کرنے پر مجبور ہون کہ جو خدا کی خدائی اور محمدؐ کی رسالت پر ایمان لائے تھے مگر مشیت ایزدی مین یہی تھا کہ یہ افسانۂ خون ناحق شہدائے کربلا کی روشنائی سے تاریخ کے صفحون پر لکھا جائے اور اُمت رسول کے اُس فرقے کا ذکر نفرتناک الفاظ مین کیا جائے جنکی خونخوار تلوارون نے صرف آل رسول ہی کی گردنین نہین

کاٹین بلکہ ہمیشہ کے لیے اسلام کے بھی دو ٹکڑے کر دیئے۔ یہ قدرت میر انیس کے قلم میں ہے کہ وہ اپنی ذاتی شاعری کے ذریعے سے ظالم و مظلوم کا وہ مرقع دکھاتے ہین جسکا نظارہ قوم عرب کے لیے ایک شرمناک تاریخ ہے انسانی عداوت کے اس سے زیادہ جذبات ناٹک کے اسٹیج پر ایک قاتل کا پارٹ لینے والا ایکٹر بھی نہین دکھا سکتا۔

ایک انسان دوسرے انسان کی بھوک اور پیاس کا احساس کرنے پر بھی اپنی بزدلی کے مکروہ چہرے پر شجاعت کا غازہ لگانے کا ارادہ کرتا ہو اور اُن مظالم کو جرأت و شجاعت سے تعبیر کرتا ہو جنکا ارتکاب محض بہ طمع دُنیا کیا گیا ہو وہ حرص و ہوس کی اُس منزل کو بہت شادمانی سے طے کر رہے تھے جسکے راستے مین خاندان بنی ہاشم کی مقدس لاشین بچھی ہوئی تھین تین روز کی بھوک اور پیاس مین سوکھی ہوئی زبان اور ہونٹون پر پانی کے چند قطرے ٹپکانے کے عوض آب خنجر سے تواضع کرنا اپنا فرض سمجھ لیا تھا۔

تشنہ بودم زدمِ تیغ تو آبم دادند   وز جواب لب لعل تو جوابم دادند

شہادت مظلوم کربلا وہ آخری شہادت ہے جسکے بعد خاندان رسالت کی فہرست مین کوئی نام باقی نہ رہا جو ایسے عبرت خیز و حسرتناک قتل کا نظارہ پیش کرے بہت سے نازک اندام بچے جنکی اُٹھتی جوانی کو غنچۂ نارسیدہ کیطرح موت کی بادِ سموم نے خاک مین ملا دیا جب وہ جوانی کی میٹھی نیند سونے والے ایک دلفریب ادا سے فرش خاک پر آرام کر رہے تھے تو اُن ناکردہ گناہونکی قبل از وقت موت پر کسی بیرحم کو رحم نہ آیا اور جو دل ہزارون تیر ستم کا نشانہ بنا ہوا تھا

اُسکو اپنے تیرون اور برچھیون کی نوکون سے بھی زخمی کرتے مین دریغ نہ کیا یہ واقعہ قوم عرب کی حمیت و مروت پر ایک شرمناک دھبہ ہے جسکو عظیم الشان سمندر اپنی طغیانی سے نہین دھو سکتا اور نہ آتش دوزخ کے شعلے اُسکے جلانے کو کافی ہوسکتے ہین بس آپ کا سلسلہ خیال واقعات اصلی کی جانب منتقل کرنے کے بعد مین اُس نتیجے کیطرف عود کرونگا جسکو کارپردازان قضا و قدر نے روز ازل دفتر مشیت مین قلمبند کرلیا تھا اور آپکے سامنے وہ نقشہ پیش کیے دیتا ہون جو ہندوستان کا مقدس شاعر اپنے قلم سے کھینچ گیا ہے ۔

فاقے مین دیر تک جو لڑے شاہ تشنہ کام
غرق عرق تھے کانپ رہا تھا بدن تمام
ہاتھوں سے چھوڑ دی تھی جو رہوار کی لگام
آنکھین تھین بند ہانپتا تھا اسپ تیز گام
غش مین سوار دوش نبی کا یہ حال تھا
بے تھامے خود فرس سے اُترنا محال تھا

اس سے پیشتر کہ میرانیس کے اس بند پر کوئی نقادانہ خیال ظاہر کیا جائے یہ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میرانیس کی (سینریٰ) کا ذکر خاص طور پر کرلیا جائے ۔ سینریٰ کیا چیز ہے اور سین کیونکر لکھا جاتا ہے یہ بڑے قوت دار قلم اور عالیدماغ شاعر کا کام ہے کسی سین کے لکھنے مین تشبیہ و استعارات سے اپنے مضمون کو سجائے تاکہ مناظر اصلی کی شان مین کوئی فرق نہ آنے پائے ناولون کی سینریٰ مین حور وشون کی زلفین اور ماہ وشون کے نورانی رخسارون کا ذکر نہ ہو تو شب ہجر کی تاریکی اور شب وصل کی چاندنی رات کا سمان ناتمام رہجاتا ہے

لہ سینریٰ وہ چیزین جو کسی نظارے سے متعلق ہون ۔

اور اصلی نظارے کے متعلق بہت کم دلچسپی باقی رہ جاتی ہے
عشقی جذبات چونکہ ہر طبیعت مین فطرتاً موجود ہوتے ہین اسلیے ناظرین کی طبیعت ان دلفریب استعارون پر لوٹ ہو جاتی ہے ورنہ جذبات فطری اور مناظر اصلی کو ان رنگ آمیزیون سے بالکل مغائرت ہے اور یہ محض پرانی شاعری اور پرانے خیالات ہین جن پر کسیقدر نئے طرز تحریر کا ملمع کیا ہوا ہے مگر ہم اپنے ناظرین کو جذبات اصلی اور خصائل انسانی کی وہ جیتی جاگتی تصویر دکھاتے ہین جو میر انیس کے زبردست قلم سے کھینچی گئی ہے —

فاقے مین دیر تک جو لڑے شاہ تشنہ کام — عرق عرق تھے کانپ رہا تھا بدن تمام
ہاتھون نے چھوڑ دی تھی جو رہوار کی لگام — آنکھین تھین بند ہانپتا تھا اسپ تیز گام
غش مین سوار و رخش کا یہ حال تھا
بے تھامے خود فرس سے اترنا محال تھا

خدا اثر ہے وہ اثر جو خدا کے اختیار مین ہے اور اسکی بخشش سے شاعر کے قلم مین ساری ہوتا ہے مرثیے مین شہادت کا ابھی پورا حصہ باقی ہے مگر جو اثرات واقعات کے متعلق شاعر نے ان دو بندون مین بھر دیے اُنکی مثال دوسرونکے کلام مین نہین پائی جاتی اب ہم دو اور بند لکھ کے اس اعجازی شاعری کی داد صاحبان علم کے انصاف پر چھوڑتے ہین —

دیکھا جو یہ کہ بھاگ گئے رستہ حیلہ ساز — تلوار رکھ کے میان مین بولے شہ حجاز
مہلت ہو تو حسین پڑھے عصر کی نماز — یہ آخری ہے بندگی رب بے نیاز
فکر نجات امت خیر البشر کرو

سوکھی زبان کو ذکر الٰہی مین تر کرو

اس بند مین صبر و استقلال تسلیم و رضا شجاعت و عبادت کے جوہر دکھائے ہین اگر کسی دل مین انسانی ہمدردی کی استعداد ہو جو لطیف جوہر افراد انسانی ہے تو میرا انیس کی اس تخییل سے قلب و جگر کے ہزارون ٹکڑے ہو سکتے ہین جسکا ہر ٹکڑا و ستاویز نجات اہل ایمان ہے۔

اُس ہنگام حسرت و یاس ہین کہ امام مظلوم کی نظر مین اُن شہید ہو جانے والے عزیزو انصار کی نورانی صورتون کا نظارہ کر رہی ہین جو خدا کے بچھائے ہوے فرش خاک پر ابتدا ابند کر سوتے ہین اور اب صرف صبح محشر کے آفتاب کی تند و تیز شعاعین انکو جگائین گی اور آج جنت کی ولفریب حورین اُنکے چہرے صرفہ کو اپنے زانو پر لیئے ہوئے عارض روشن کی بلائین لے رہی ہین امام علیہ السلام مکالمہ فرماتے ہین۔

روحانی مکالمہ

ناگاہ سوئے لاش پسر جا پڑی نظر
چلائے دلکو تھام کے سلطان بحر و بر
سوتے ہو کیا جو صفدر ہوئے خاک پر
اکبر اُٹھو کہ گھوڑے سے گرتا ہے اب پدر
چھوٹے پدر کو نیند مین قربان آپ کے
آؤ تنازعے صدر چھوٹا سا بچا پ کے
عباس نامدار ترائی سے اُٹھ کے آؤ
چھٹتا ہے قلب جل رہے ہین سب جگر کے گھاؤ
چہرے کو مری ترہ پہ جو پانی کین پاؤ
چلتے ہوے عدم کے مسافر سے مل تو جاؤ
ہم سیکے کام آئے مین بیٹے بھی رو ٹھے ہین

بارہ پہر ہوئے کہ نہ لیٹے نہ سوئے ہیں

گویا فضا یہ سرد ترائی ہوا اب اٹھو　　ہم جاں بلب ہیں تشنہ لبی کی ہوا ہے اٹھو
نرغے میں فوج ظلم کے بھائی ہیں اب اٹھو　　عباس دھوپ چہرے پہ آئی ہے اب اٹھو
غفلت کی تمکو نیند ہے شبیر کیا کرے
میری طرح کسی کو نہ بیکس خدا کرے

وفادار بھائی کی لاش پر امام حسین کی نظر کب پڑی ہے جب مغرب کی جانب جھکنے والے آفتاب کی آخری شعاعیں اس بہادر جوان کے نورانی چہرے سے اٹکھیلیاں کر رہی تھیں اسلیے فرماتے ہیں (عباس دھوپ چہرے پہ آئی ہے اب اٹھو) اس مغربی مسافر کے اشتیاق و انتظار کی روشن دلیل ہے کہ اس تنگ وقت میں بھی ابو الفضل عباس کے خوبصورت چہرے کی بلائیں لینے کو ٹھہرا ہوا تھا یہ استغاثہ ہے امام علیہ السلام کا جس سے آسمانی فرشتوں نے بھی پناہ مانگی ہے پانچواں مصرعہ اپنے اثر بیان سے جگر و دل کو فشار دیتا ہے (غفلت کی تمکو نیند ہے شبیر کیا کرے) کسقدر مجبوری اور مایوسی ہے یہ خیال ہوتا ہے کہ سید الشہدا کثرت زخم و فرط مصائب سے اسقدر کمزور تھے کہ وفادار بھائی کو موت کی غافل نیند سے جگا نہیں سکتے یا یہ سمجھا جائے کہ خواب مرگ وہ نیند ہے کہ جس سے چونکنا ممکن نہیں اسلیے فرماتے ہیں کہ شبیر کیا کرے اور چھٹا مصرعہ اظہار حال کے علاوہ تمام بندگان خدا کے لیے امام کی دعا ہے (میری طرح کسیکو نہ بیکس خدا کرے) اپنی بیکسی اور مظلومی کا اندازہ کر کے امت رسول کے لیے دعائے خیر فرماتے ہیں دنیا کے شاعروں کو اس قلم پر رشک ہونا

چاہیے جس سے یہ خیالات ٹپکتے تھے اور اُس محدود چار دیواری کا طواف لازم ہے جہاں آسمانی فرشتے یہ وحی لیکر آتے تھے۔

پانچوین مرثیے کا انتخاب

آج میری تنقید کا پانچوان نمبر میرے ہاتھ مین ہے اور اس نمبر مین میر انیس کا وہ مرثیہ ہے جو فصاحت زبان اور سلاست روزمرہ کے اعتبار سے زبان اُردو کا ایک لغت یا نصاب ہی ہرچند یہ تعریف میر انیس کے لیے معمولی ہو اور اُن کا کلیات اس صفت سے مالامال نظر آتا ہی مگر طرز تصنیف سے معلوم ہوتا ہی کہ اس مرثیے مین مصنف نے چند ایسی خوبیون کے اظہار کا ارادہ کیا ہے جو اور مرثیون سے بچی ہوئی تھین اور یہ وہ خاص باتین ہین جو میر انیس کے کلام کو شناخت کراتی ہین جو اہر کلام کے پرکھنے مین اگر نقاد کوئی فروگذاشت کرے تو یہ اُسکے مذاق سلیم کا قصور ہے ورنہ تصنیفات محاسن شاعری سے معمور ہی۔

ہرچہ ہست از قامت ناساز و بے اندام ماست
ورنہ تشریف تو بر بالاے کس کوتاہ نیست

سید مرحوم کی تقلید مین آجتک ہزارون طبیعتون کی مشینون کو سخت حرکت دی گئی ہے اور کسقدر کامیابی ہوئی یہ مین نہین بتا سکتا۔ دُنیا اہل علم اور اہل کمال سے خالی نہین لہذا جو زبردست توتین شعراے حال نے دکھائی ہین وہ واقفان فن اور ماہران رموز شاعری کے نزدیک قابل تحسین و لائق قدر ہین لیکن جن اہل قلم کو علوم مختلفہ کے پر پرواز عرش معلے تک پہونچا دیتے ہین

وہ وہان پہونچکر بھی اُس ودیعت سے محروم رہتے ہین جو ہر انسان پیدائش کے روز اپنے ساتھ لاتا ہو اور قدرت کا انتخاب ایک امتیازی فرق دکھاتا ہو زمانۂ حال کے مرثیہ گو اپنی لگاتار کوششون سے ایک خاص رنگ شاعری کے مالک بنینگے اور انکے بعد دنیا مین آنے والے کچھ اور تغیر و انقلاب دکھائینگے ایجاد جس چیز کا نام ہو اُس سے دُنیا خالی نہین اور نہ ہو گی مگر گذر جانے والا زمانہ جن یادگارون کو اپنے ساتھ لیگیا اُنکے عود کرنے کی امید نہین - یہ سہرا اُنھین لوگون کے سر پر باندھا گیا ہو اور یہ لباس اُنھین مقدس اہل کمال کے جسم پر ٹھیک اُترا ہو اور یہ شرف اُنھین سال و ماہ کی قسمت مین لکھا گیا ہے جو ترقی معکوس نہین کر سکتے نظام عالم کی مشینری حسب دستور اپنا کام کر رہی ہے دن کو آفتاب اور رات کو چاند تارے اپنے معمولی محور پر گردش کرتے رہتے ہین مگر آج کا دن کل کے روز سے مشابہت نہین رکھتا اور نہ کوئی سائنٹسٹ وقت کی طنابون کو کھینچکر زمانۂ حال کو حادثات زمانہ ماضی سے ملا دے سکتا ہو ہر ایک بخشش قدرت اپنے اثرات مین کسی دوسری چیز کو شریک نہین کرتی - موجودہ حضرات نے صنف مرثیہ مین جس قسم کی جدت و تازگی دکھائی واقعی وہ میر انیس کے میدانِ شاعری سے بہت فاصلے پر ہے جب وہ شاعر وہبی کی تقلید مین ناکامیاب ہوے تو اُنکی شاعری نے ایک نیا پلٹا کھایا اور دوسرا قالب بدلا یعنی مسائل فلسفہ کے گلہاے متنوعہ سے رنگا رنگ گلدستے بنائے اب ہمکو یہ بات ظاہر کر دینے کی ضرورت ہو کہ میر انیس اس ایجاد و اختراع مین قاصر نہ سکتے جو شعر لے زمانۂ حال کے لیے سرمایۂ ناز ہے مگر ترقی جدیدہ اور مسلکِ انیسی مین

ایک بدیہی فرق نظر آتا ہے اور وہ یہ ہی کہ فاضل شاعر نے بھی اکثر مرثیوں کے چہرون کو مضامین بلند سے آراستہ و پیراستہ کیا ہے بلکہ ایک ایک مصرعہ بجائے خود مسئلۂ فلسفہ ہی تاہم مقاصد مرثیت کو ہاتھ سے جانے نہین دیا ہے اور تشبیب مرثیہ مین براعت استہلال کا مقصود ضائع نہین ہونے دیا ترقی جدیدہ کے اہم مسائل جو بادی النظر مین ایک علمی مضمون کی حیثیت سے سامعین و ناظرین پر اثر ڈالتے ہین اُنسے واضح ہوتا ہے کہ صنف مسدس مین ایک فلسفی نے چند مسائل فلسفہ پر بحث کی ہے اب خواہ اُسکو مرثیہ کہو یا انسائیکلوپیڈیا سمجھو یہ تمھین اختیار رہی مضامین کے اعتبار سے اہل علم کی تصنیفین کسی درجے کی ہون مگر میر انیس کے مرثیے سے مقابلہ نہین کیا جا سکتا کیونکہ یہان تو مرثیہ سے بحث ہی اور مرثیے کا دائرہ وہی ہے جسکی حد مین فاضل شاعر نے کھینچکر نقشہ بنایا ہی اور اُس نقشے کے عنوان پر جلی قلم سے لکھدیا ہے (اِس احاطے سے جو باہر ہے وہ بیرونی ہے) ہم یہ نہین کہتے کہ کوئی شاعر مرثیہ لکھنے کے لیے میر انیس کی سی قوت شاعری پیدا کرے تو اِس میدان مین قدم رکھے کیونکہ یہ بات انسانی طاقت کے خلاف ہی اور محض فیضان قدرت - مگر کم از کم مرثیہ کے ارکان قائم رکھنے کے لیے فاضل شاعر کی تقلید کی ضرورت ہی کلام جب میر انیس کے معیار پر پورا اُترے تو زر خالص سمجھا جائیگا اور اُسکی مقبولیت زمین سے آسمان تک ہے اب یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ شعراے حال اپنی تصنیف کا ایک جداگانہ انداز قائم کرنے کے لیے آزاد ہین - کوئی گورنمنٹی قانون یا مسئلہ شرع اُنکو ان پابندیون پر مجبور نہین کرتا تو پھر ہم بغیر جواب دیے خاموش نہین رہ سکتے کہ ایسی تصنیف کا

نام مرثیہ رکھکر باوجود مغائرت نوعیت و مباینت صنفیت مرثیہ کے داد کیون طلب کیجاتی ہے اور اردو علم ادب کے رسالون کی رونق بڑھاکر علمی دُنیا کے نوجوانون کو فائدہ کیون نہین پہونچایا جاتا۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اسے اعرابی — کین راہ تو میروی بہ ترکستانست

روحانیات

پیری پہ مری رحم کرے خالق ذوالمنن — طے جلد ہو اب مرحلۂ خنجر و گردن
قتل علی اکبر کی خوشی کرتے ہین دشمن — تجھپر مرے اندوہ کا سب حال ہے روشن
مظلوم ہون مجبور ہون مجروح جگر ہون
تو صبر عطا کرنے مجھے یارب کہ بشر ہون

نوجوان فرزند کی موت پر پابند رضاے الٰہی امام علیہ السلام درگاہ باری مین صبر کی خواہش ظاہر کرتے ہین یہان منزل تسلیم و رضا کی شان دکھائی ہے۔

پھر لاشۂ اکبر نظر آئے تو نہ روؤن — برچھی جو کلیجے مین در آئے تو نہ روؤن
دل درد محبت سے بھر آئے تو نہ روؤن — سو بار جو منھ تک جگر آئے تو نہ روؤن
شکوہ نہ زبان سے غم اولاد مین نکلے
موتی ہین وہ آنسو جو تری یاد مین نکلے

اُس عالم حسرت و یاس مین جناب زینب کو سمجھاتے ہین اور صبر کی ہدایت فرماتے ہین اس مقام پر یہ تصنیف فصاحت زبان کے جواہر سے مرصع ہے۔

کس کس کی نہ دولت پہ زوال آگیا زینب — پابند رضا تھا جو شرف پاگیا زینب

دُنیا سے گیا جو تن تنہا گیا زینب　　کِھلتا نہیں وہ پھول جو مُرجھا گیا زینب

جو منزلِ ہستی سے گیا پھر نہیں ملتا

یہ راہ وہ ہے جسکا مسافر نہیں ملتا

مین کون ہون اک تشنہ دہن بیکس و محتاج　　بندہ تھا خدا کا سو ہوا ہون میں طلب آج

وہ کیا ہوے جو لوگ تھے کونین کے سرتاج　　نہ حیدرِ کرار ہین نہ صاحبِ معراج

کچھ پیٹنے رونے سے نہ ہاتھ آئیگا زینب

آیا ہے جو اس دہر مین وہ جائیگا زینب

دیکھنے کی بات ہے کہ یہ مضامین بطورِ خود مسائل تسلیم و رضا ہین اور یہ خیالات واقعاتِ عالم سے متعلق ہین یہ استقلال و صبر تسلیم و رضا موت بے ثباتی عالم مگر مرثیت کو کسقدر دخل ہے یہ ترتیب ہر ایک شاعر سے قائم نہین ہو سکتی امام علیہ السلام کے خیالات دکھا کر میر انیس نے کمزور طبیعت والے انسانون کو استقلال و صبر کا سبق دیا ہے۔

قاتل جو چھری خشک گلے پر مرے پھیرے　　خالص یہ ہے نیت کوئی تشویش نہ گھیرے

کٹنے پہ رگون کے یہ سخن لب پہ ہو میرے　　قربان حسین ابن علی نام پہ تیرے

بہنون کی نہ ہو فکر نہ بچّون کی خبر ہو

اس صبر سے سر دون کہ تہِ عشق کی سر ہو

اسکے بعد امام علیہ السلام اہلبیت سے رخصت ہو کر خیمے سے باہر تشریف لانیکا ارادہ فرماتے ہین اور جناب سکینہ مفارقتِ پدر سے بیقرار ہو کر عرض کرتی ہین۔

نیند آئیگی جب آپکی بو پاؤنگی بابا　　مین رات کو مقتل مین چلی آؤنگی بابا

امام حسین اپنی نادان بیٹی کو سمجھاتے ہیں۔

فرمایا نکلتی نہیں سیدانیاں باہر چھاتی پہ سلائینگی تمھیں رات کو مادر
وہ کہتی تھی سوئینگے کہاں پھر علی اصغر فرماتے تھے بس ضد نکرو صدقے ہیں شبیر

شب ہوئیگی اور دشت میں ہم ہوئینگے بی بی
اصغر مرے ساتھ آج وہیں سوئینگے بی بی

وہ کہتی تھی بس دیکھ لیا آپ کا بھی پیار میں آپ سے بولونگی نہ اب یا شہ ابرار
اچھا نہ اگر کیجیے گا جلد آنے کا اقرار مرجائیگی اس شب کو تڑپکر یہ دل افگار

کیسی ہیں یہ باتیں مرا دل روتا ہے بابا
گھر چھوڑ کے جنگل میں کوئی سوتا ہے بابا

بچہ بوڑھا جوان مرد عورت جسکی زبان لکھتے ہیں گویا اُسکی زبان سے باتیں کرتے ہیں اور اُسی درجے کا خیال دکھاتے ہیں اس تخئیل ذاتی کی کسی دوسرے کے کلام میں جھلک بھی نہیں پائی جاتی بلکہ یہ مقام تو مرثیہ گو معمولی واقعات سمجھکر چھوڑ دیتے ہیں مگر اصل بات یہ ہی کہ اس راہ کی پیچیدگی سے انسان کی عقل گم ہو جاتی اور نفس معاملہ لکھنے میں زبان اور لٹریچر کا عقدہ کھل جاتا ہی قلم اس نشیب و فراز کو طے نہیں کرسکتا جناب سکینہ کی تقریر نفس الامر میں تو وہی باتیں ہیں جو ایک چار برس کا نادان بچہ کرتا ہے مگر میر انیس نے خاندان امامت کے بچوں کا لٹریچر اور اس غم و غصہ میں معصومہ کی ضد اور ہٹ کے ساتھ ساتھ حفظ مراتب کا لحاظ رکھا ہے باپ نے بیٹی سے پیش آنے والے معاملے کے متعلق صرف ایک اشارہ کیا ہی اس موقع پر بچوں کے لیے ڈرانے والے خوفناک

لفظوں کا استعمال نہین ہوا مگر اس سوال وجواب مین دل وجگر کو زخمی کرنیوالے نشتر اپنا کام کر گئے جناب سکینہ کی زبان سے یہ مصرعہ (وہ کہتی تھی سوئین گے کہان پھر علی اصغر) ایک اعلےٰ درجے کا موشن ہے جسمین بچپنے کی ضد اور رشک کا پہلو پیدا ہوتا ہے اور امام علیہ السلام کا یہ جواب (فرماتے تھے بس ضد نہ کرو صدقے مین تمپر) یہ مصرعہ جواب کافی نہ ہونے کی وجہ سے کسقدر ضبط و تحمل ظاہر کر رہا ہے دونون مصرعون کے رُخ ملاحظہ کیجیے تو شاعر کی نازکخیالی کا اندازہ خود بخود ہو جائے گا۔ یہ باتین ہین جو سوائے میرانیس کے اور کوئی نہین جانتا یا سب جانتے ہین اور کوئی لکھ نہین سکتا یا لکھ سکتا ہے اور اثر پیدا نہین کرسکتا اور آگے کے ایک بند مین تو بچپن کے خیالات اپنی زبان مین نظم فرماکر قادرالکلامی دکھاتے ہین لفظ فصاحت کو حقیقی معنون مین صرف کرنا صرف میرانیس ہی جانتے تھے

اصغر کبھی ساتھ آپکے ابتک نہین سوئے — بہلا لیا امان نے اگر چونک کے روئے
شفقت تھی مجھی پر کہ یہ بیچین نہ ہوئے — یہ پیار ہو جسپر اُسے یون ہاتھ سے کھوئے
جیتے رہین فرزند کہ سب لخت جگر ہین
مین آپکی بیٹی ہون وہ امان کے پسر ہین

فاضل شاعر نے غضب کا بند لکھا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ بچپن کی وجہ سے مدعائے اصلی جناب سکینہ کی سمجھ مین نہین آتا اور باپ کے اشارون تک بیٹی کا ذہن رسائی نہین کرتا اسلیے ہر سوال سے چھوٹے بھائی کے رشک محبت اور اپنی خصوصیت کا اظہار کرکے متمنی جواب شافی ہین ایسے ایسے مقام میرانیس کے مرثیون مین پڑھنے والے رو مین پڑھ جاتے ہین اور سننے والے بھی معمولی توجہ سے

سن لیتے ہین کیونکہ یہان فقط سلاست زبان کے ساتھ انسانی طبائع کے جذبات کو شاعر نے دکھایا ہے جنمین شوکت الفاظ کی چمک دمک نہین پائی جاتی لیکن ان مقامون کو ارباب بصیرت اور صاحبان مذاق سلیم کامل توجہ سے ملاحظہ فرماتے ہین اور سخن سنج شعرا جانتے ہین کہ یہ وہ سخت منزل ہی جسمین قدم قدم پہ ٹھوکرین کھانا پڑتی ہین مین نے تنقیدی نوٹ لینے کو جب یہ مرثیہ ہاتھ مین اُٹھایا ہی اُسیوقت میری ہمت پست ہوگئی تھی کیونکہ فاضل شاعر نے یہ تصنیف اپنی زبان کا معیار بنادی ہی مگر مین نے تائید آسمانی پر بھروسہ کرکے مقدمہ تنقید مین ناظرین کو ایک توجہ دلائی ہے اب مین وہ پردہ اُٹھائے دیتا ہون جسکے اندر بڈھے شاعر کی روح باتین کر رہی ہے۔

لو رو‌ؤ نہ اب صبر کرو باپ کو جانی ۔ یہ مصرعہ نہین فصاحت کا دریا موجین مار رہا ہے اور عالم اضطراب مین صابر امام کی زبان سے محبت پدری کے آب حیات کا مینھ برس رہا ہی۔ زبان رسول ہونے کی وجہ سے قرآن زبان عربی مین نازل ہوا اور زبان انیس ہونے کی وجہ سے جنت کی حورین بھی اسی زبان مین باتین کرتی ہونگی۔ یہ مصرعہ نہ مسئلہ فلسفہ ہی نہ کرشمہ سائنس پھر اُسکی تشریح کو کہان سے لفظ لاؤن اور کن کتابون کی ورق گردانی کرون ای مقدس شاعر کی پاک روح بے سرمایہ احسن کی گستاخی کو معاف کرنا کہ ہواے حسن ارادت کے جھونکے اِس غبار ناتوان کو بے ٹھکانے لیے پھرتے ہین میر انیس کے دماغ کی وہ برقی طاقت جو قلم کے ذریعے سے لفظون مین ساری ہوتی ہی۔ اڈیسن کی رگ رگ مین دوڑنے والی بجلی سے زیادہ سریع العمل ہی

اور یوں نہ اب صبر کرو باپ کو جانی — کچھ دیتی ہو عباس کو پیغام زبانی
او دے ہیں لب لعل یہ ہو تشنہ دہانی — ملتا ہو تو بی بی کے لیے لاتے ہیں پانی
محبوب الٰہی کے نواسے ہیں سکینہ
ہم بھی تو کئی روز سے پیاسے ہیں سکینہ

بچوں کے بہلانے کے لیے جو کچھ باتیں کیجاتی ہیں وہ سب ہیں مگر امام جھوٹ نہیں بولتا اسلیے فرماتے ہیں (ملتا ہے تو بی بی کے لیے لاتے ہیں پانی) پانی دستیاب ہونے کی قید مرتبہ امامت کی صادق الاقراری ظاہر کرتی ہے فاضل شاعر کے اس مصرعہ نے اس واقعے کے نتیجے پر روشنی ڈالی ہے یعنی امام حسین کی یہ حسرت پوری نہ ہوئی اور جناب سکینہ کی تشنگی کا فیصلہ قیامت پر اٹھا رکھا گیا۔

واقعاتِ عالم

دُنیا ہو یہ شادی ہو کبھی اور کبھی آلام — راحت کی کبھی صبح مصیبت کی کبھی شام
یکساں نہیں ہوتا کسی آغاز کا انجام — وہ دن گئے کرتی تھیں جو اس سینے پہ آرام
ضد کر کے نہ اب باپ کو رو یا کرو بی بی
جب ہم نہ ہوں تم خاک پہ سو یا کرو بی بی

میر انیس کے قلم کی گردش میں امام حسین کے اضطراب قلب کی حرکت بھری ہے ایک ایک لفظ درد رسیدہ دل کی بےچینی کا گواہ ہے۔ یہ دُنیا کے اسکول کے وہ سبق ہیں جو ہر انسان کے کورس میں داخل ہیں اس شاعر نے اپنی روشن خیالی سے قوم کی رہنمائی کی ہو اور قیمتی تعلیم دے گیا ہے۔

اب وہ وقت ہو کہ سید الشہدا اہل بیت سے رخصت ہو کر میدان جنگ مین تشریف لائے ہین یہان فصلی کیفیت کے ساتھ ساتھ فاضل شاعر نے میدان جنگ کی جلتی دوپہر کا نظارہ دکھایا ہے۔

وہ دوپہر اُس دشت کی وہ دھوپ کا ڈھلنا وہ گرم زرہ اور وہ ہتھیارون کا جلنا
وہ گرد کا شتقل مین نتھنون کا وہ چلنا وہ بن مین پہاڑون سے شرارون کا نکلنا

گرمی سے فرس مین بھی نہ وہ تیزتگی تھی
پیاسے تھے حسین آگ زمانیکو لگی تھی

بڑے بڑے نادلسٹ مناظر قدرت کی سینری دکھانے والے اور ہر گرم و سرد موسم یا خزان و بہار کی فصلون کی تصویر کھینچنے والے اپنے خیالی مضامین مین بھی یہ اثر پیدا کرنے سے مجبور رہین جو یہان واقعات اصلی کے سادہ الفاظ مین بھرا ہوا ہو مغربی طرز کے فسانہ نگار جو صرف آفتابی کرنون کو مختلف رنگون مین رنگ کر دکھاتے ہین اور اس نورانی کرہ کو اپنی شاعری کی جولانگاہ مقرر کیے ہوے ہین۔ ذرا میر انیس کے مختصر سین پر نظر ڈالین تو ہندوستان کی خاک سے پیدا ہونے والے اہل کمال کی بلند خیالی کا اندازہ ہوجائے گا اسوقت کے نوجوانون کا خیال ہو کہ بہت سی معلومات مشرقی دماغون مین مغربی تعلیم سے پیدا ہوگئی ہو اور مغربی اہل قلم کی تصنیفون کے مطالعہ سے جدید خیالات کا ہم مین اضافہ ہوا قریب قریب میرا بھی ایسا ہی خیال تھا مگر مین تو اپنی اس غلط فہمی کا اعتراف کرتا ہون اور دوسرے صاحبون کا خیال اُنکے انصاف پر چھوڑتا ہون اگر اُنکی نظر علوم مشرقی کی سیر مین وسعت حاصل کرے تو یہ کمی

پوری ہوجائیگی - الغرض امام حسین اپنے مخالفون سے اتمام حجت فرماتے ہین اور اُن بیرحمون کی توجہ لاشہاے شہدا کیطرف مائل کرکے تجہیز و تکفین کی درخواست کرتے ہین -

کیا اُنسے عداوت جو گئے دار فنا سے | کوتاہ ہین چلنے سے قدم ہاتھ دعا سے
مطلب اُنھین دریا سے نہ کچھ کام ہوا سے | رحم اُنکا طریقہ ہی جو ڈرتے ہین خدا سے

یہان ہین لڑے بھی تو یہ سب حق پہ لڑے ہین
آخر یہ بشر ہین کہ جو بے گور پڑے ہین

دیکھو میر انیس کا کلام محاسن شاعری کے علاوہ قانون قدرت کا سبق ہی یہ وہ ہدایات ہین جنکی جانب شرع محمدی اور قانون حاکم وقت رہنمائی کرتا ہی -

انمین کسی بچے ہین کہ نکلے تھے نہ گھر سے | نازک ہین صباحت مین زیادہ گل تر سے
افتادہ ہین اس دھوپ مین تین پہر سے | پوچھے کوئی یہ درد و الم میرے جگر سے

زرغہ ہی کہ تلوارون مین دم لے نہین سکتا
زندہ ہون مین اور انکو کفن دے نہین سکتا

کسی جگہ بحیثیت اختیارات امامت تحکم نہین ثابت ہوتا ایک معمولی انسان کی طرح ہر ایک درخواست کیجاتی ہے امام کے صبر و استقلال کی شان دکھائین فاضل شاعر نے مسئلۂ جبر و اختیار کی تحلیل کی ہی - میر انیس کے کلام کی تاثیر سے ممکن ہی کہ رسنے والے خون کے آنسوؤن سے روئین مگر معرکۂ کربلا کے کئی لاکھ بیدردون تو ایک شخص بھی ایسا نہ تھا کہ جسکا دل امام مظلوم کی تقریر سے متاثر ہوا ہو اور یہی میر انیس کی تخئیل کا مقصود ہی اور میر انیس کے الفاظ کی برجستہ

زد آج بھی وہان تک پہونچ جاتی ہے جس مرکز کی مسافت مین تیرہ سو سال کا فاصلہ حائل ہے۔

رجز

یہ فوج ہے کیا آگ کا دریا ہو تو جھیلین — کیا ڈر انھین بچپن مین جو تلوارون سے کھیلین
اُلٹین صفتِ کاہ اگر کوہ کو ریلین — کوفہ تو ہے کیا شام کو اور روم کو لیلین
چاہین تو زمین کے ابھی ساتون طبق اُلٹین
یون اُلٹین کہ جسطرح ہوا سے ورق اُلٹین

کہتے ہین جسے اہل جہان گنبدِ گردان — نہ ورقہ ہو اک جزوِ کتابِ شہ مردان
ہم آج ہین عالم مین قضا فہم و قدردان — حق بین و حق آگاہ و سخن سنج و ہنردان
کس امر مین تقلید محمدؐ نہین کرتے
فاقون مین سوال فقرا رد نہین کرتے

کیسے ہی غیر مانوس قافیے ہون میرانیس اپنا اندازِ فصاحت نہین چھوڑتے قافیونکا وزن انداز رجز خوانی کی عظمت و جبروت دکھا رہا ہے یہ مقام ہے جہان ثقیل تاشوکت الفاظ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور فصحا اُسکو یون پورا کرتے ہین۔

آشوب جنگ

نقارۂ رزمی پہ لگی چوب یکایک — تھرّانے لگا دشت پُر آشوب یکایک
تلوارین کھنچین زہر مین سر ڈوب یکایک — لشکر سے بڑھے فوج کے سر کوب یکایک
رحم آیا نہ اعدا کو ولی ابن ولی پر

رزغہ ہوا مظلوم حسین ابن علی پر

غل طبل کا قرنا کی وہ آواز ڈرانی — زہرے جسے سن سن کے ہوئے جاتے تھے پانی
کالے وہ علم شام کے لشکر کی نشانی — وہ تیر جگر دوز کمانین وہ کیانی
اک تیر سے مر جانے مین عرصہ نہین کھنچتا
رستم سے بھی جسکا کبھی چلہ نہین کھنچتا

دو بندون مین آغاز جنگ کا نقشہ کھینچا ہی اور اُسکے بعد امام علیہ السلام کے حملے نے جو ہیبت اور ابتری پیدا کر دی ہو وہ عالم دکھاتے ہین۔

تلوار ادھر سید ابرار نے کھینچی — یا تیغ دو سر حیدر کرار نے کھینچی
تصویر اجل برق شرربار نے کھینچی — گردن طرف غار ہر اک مار نے کھینچی
گھبرا گئے صدمہ یہ ہوا روح امین پر
سر رکھدیے جھک جھک کے پہاڑون نے زمین پر

بعض وجہ کی خوبی یہ ہے کہ خوبصورت اور مشکل ردیفین پیدا کر کے قریب قریب پورا مرثیہ بتقیید قافیہ و ردیف نظم فرماتے ہین اور ردیفون کا اثبات و ربط باوجود سنگلاخ زمینون کے وہ بے تکلفی دکھاتا ہے جو کوئی فصیح نثر مین بھی نہین لکھ سکتا۔

تعریف شمشیر

تلوارین جو آری تھین تو بے آسنا ہین — بیکار نگین مین تھین نگینون کی کمانین
اک منھ مین اُسے حق نے جو دی تھین نازبانین — اس رمز کو جو سیف زبان ہون وہی جانین
مطلب یہ تھا اب دین کو کامل یہ کریگی

وہ شرک کو اور کفر کو باطل یہ کریگی

مناسبات لفظی اور لوازم شاعری مین فرو گذاشت نہین ہوتی ۔

جو سایۂ شمشیر ظفریاب مین آیا
ماہی کی طرح موت کے قلاب مین آیا
فی الفور خلل زیست کے اسباب مین آیا
جو آگیا کاوے کے وہ گرداب مین آیا
کچھ مطلب دل ہاتھ کے مارے سے نہ نکلا
دریاے دم تیغ کے دھارے سے نہ نکلا

سایۂ شمشیر ظفریاب کی بلاغت کو فصاحت کا زیور پہنا دیا ہی چوتھے بند سے بیت کا تعلق میرانیس کی شان ہے ۔

سینے سے جو نشان تھے انھین کیا تیغ نے اُلٹا
اس صف کو بچھا کر وہ پرا تیغ سے اُلٹا
لشکر کا ورق وقت وغا تیغ سے اُلٹا
گردن بھی الگ تھی جو گلا تیغ سے اُلٹا
جو صاحب دفتر تھا وہ مقتل سے ہٹا تھا
جس فرد کے چہرے پہ نظر کی وہ کٹا تھا

چارون مصرعون مین ربط ردیف کی مشکل کو فصاحت زبان کے تیزاب سے پانی کر دیا ہے اور بیت مین تو صنعت مراعات النظیر کا امتیاز ہی نہین ہوسکتا تمام الفاظ جو لوازمۂ صنعت ہین وہ ضروری معلوم ہوتے ہین نہ بغرض اظہار علم صنائع ۔

سر کاٹ دیا فرق پہ جس حال مین پہونچی
چہرے پہ جو گھوڑے کے پڑی یال مین پہونچی
بجلی تھی کہ جوشن کے کبھی جال مین پہونچی
پونچھے سے کے اُڑانے کے لیے ڈھال مین پہونچی
سمجھا یہ ہر اک برق گری دشمن دین پر

پنجہ تھا سپر مین تو کلائی تھی زمین پر

اعضائے سواران تنومند جدا تھے
نیزے تو ہین کیا جسم کے سب بند جدا تھے

بیٹون سے پدر باپ سے فرزند جدا تھے
کیا وصل ہی پیوند سے پیوند جدا تھے

تنہا نہ سراہل ستم کاٹ دیے تھے
تلوار نے رشتے بھی ہم کاٹ دیے تھے

اسقدر مرثیون کی تعداد اور اس تواتر معاملہ بندی پر تشبیہ و استعارات کی جدت ہر جگہہ موجود ہی اور پھر کس افراط سے کہ جوش مضامین کی آندھیان چل رہی ہین -

جو برچھیان بے پھل تھین وہ خجلت سے گڑی تھین
عاری تھین وہ تلوار سے تیغین جو لڑی تھین

تھین کند سنانین وہ جو نیزون سے کڑی تھین
جوشن پہ بھی کڑیان کبھی ایسی نہ پڑی تھین

ریتی پہ کٹی ڈھالون کا پشتارہ ہوا تھا
ہر پارۂ چار آئنہ صد پارہ ہوا تھا

گھوڑے کی تعریف

آہو جو کہون اُسکو تو آہو ہی بیچارا
ساتھ اُسکے ہُما کو نہین پرواز کا یارا

وہ نعل وہ ہر کیل وہ سُم معرکہ آرا
پُتلی وہ پری سمجھے جسے آنکھ کا تارا

دیکھی ہی سمون مین کسی گھوڑے کی جبین بھی
اک جا ہین ستارے بھی قمر بھی مہ نو بھی

تلوار کے مانند نہ بھرتا تھا دم اُسکا
گردن وہ مہ نو سی وہ منکے کا خم اُسکا

دریا سے روانی مین فزون تر قدم اُسکا
کسطرح لکھے وصف نکیت قلم اُسکا

دوڑاؤں کہاں تک فرس ذہن رسا کو
کہدے کسی شاعر نے جو باندھا ہو ہوا کو

یہ مضامین عرش معلیٰ سے آتے تھے اور یہ محاسن قابل تنقید و تعریف نہیں ہیں کیونکہ لوگوں کی نگاہوں پر چڑھی ہوئی ہیں۔

اُس صف کو اُلٹ کر اِدھر آیا اُدھر آیا — فوجوں سے پلٹ کر اِدھر آیا اُدھر آیا
بجلی سا سمٹ کر اِدھر آیا اُدھر آیا — جوں شیر جھپٹ کر اِدھر آیا اُدھر آیا
تھمتا ہے چھلاوہ بھی مگر یہ نہیں تھمتا
طائر بھی ٹھہر جاتا ہے پر یہ نہیں تھمتا

جو رگ ہے عوض خون کے سرعت سے بھری ہے — جلدی جو ہو سب جلد بھی جودت سے بھری ہے
شعلے کی طرح طبع شرارت سے بھری ہے — اُبلی ہوئی ہر آنکھ شجاعت سے بھری ہے
اُڑ جاتا تھا یہ چھوں وہ محل جست کا پا کے
تلواروں کے نیچے سے نکل جاتا تھا آکے

پامال نہوں پھول جو گلزار پہ دوڑے — سم تر نہ ہوں گر قلزم زخار پہ دوڑے
اس طرح رگ ابر گہربار پہ دوڑے — جس طرح سے بجلی کی صدا تار پہ دوڑے
اغراق سے ہے یہاں کچھ نہ تعلّی شعرا کی
کافی ہے یہ تعریف کہ قدرت ہو خدا کی

صرف چار ہی بند گھوڑے کی تعریف میں کافی سمجھ کر یہ باریکی دکھاتا ہوں کہ ان میں کسقدر جدید تشبیہیں ہیں۔ ایک پہلوان شامی امام علیہ السلام کے مقابلے کو آیا ہے اسکی تصویر کھینچتے ہیں۔

پہلوانِ شامی کی تصویر

سر طبلکِ معکوس جبین جلد سے فزون تنگ　　غدار و سلحشور و جفا پیشہ و سرہنگ
کہتے کو بشر پر قد و قامت کا نیا ڈھنگ　　حیران شبِ ظلمات ہو یہ تیرگی رنگ
پہلے سے یہ کالا تھا مُنھ اُس دشمن رب کا
بنجائے تو اعکس سے آئینہ حلب کا

مصرعۂ اول میں علم قیافہ کے اعتبار سے وہ (فیچرز) دکھائے ہین جنکے لیے غدّاری سلحشوری اور جفا پیشگی کی ضرورت ہو میرانیس کی معلومات غیر محدود ہو اُنکا آفتاب کمال زمین شاعری کے ذرّہ ذرّہ پر روشنی ڈالتا ہے دوسرے بند مین اُسکے حلیے کو ختم کیا ہے جس سے خونخواری اور جرائم پیشگی کے آثار نمایان ہین۔

لال آنکھین وہ ظالم کی وہ مُنھ قیر سا کالا　　شب ایک طرف دن کو ڈرے دیکھنے والا
قد دیو کے قامت سے بلندی مین دو بالا　　دانتون کی کبودی دہن مارکا چھالا
شیر اُسکی صدا سُنکے لرز جاتے تھے بن مین
فاسد تھی ہوا رن کی وہ بدبو تھی دہن مین

یہان فاضل شاعر نے صنعت ہجو کا رنگ دکھایا ہے ہجو داخل اصنافِ شاعری ہو اور کوئی صنعت شاعری مبالغہ سے خالی نہین کیونکہ مبالغہ خود ایک صنعت ہے ایسے موقعون پر نادانون نے میرانیس پر چھوٹے مضامین نظم کرنے کا الزام لگایا ہو مگر وہ یہ نہین سمجھتے کہ مرثیہ کا حرف حرف کتب تاریخ و حدیث کا ترجمہ نہین ہو یہان حق کے مقابل مین ایک کافر کی ہجو ہے اور صاحب حق بھی کون یعنی امام

پس مخالف و معاند امام علیہ السلام وہی لوگ تھے جنکی طبیعتین شیطنت و دغا مکر و فریب سے بھری ہوئی تھین اور وہ کمینے انسان جنکے دلونکی روشنی کفر و الحاد کی تیرگی نے فنا کردی تھی اُنپر ایک معمولی انسان بھی نفرت و حقارت کی نظر ڈالتا تھا شاعر نے اپنی طبیعی نفرت کو جذبات شاعری کے ذریعے سے ظاہر کیا ہے جرائم پیشگی ایسے مکارونکے حلیے مین نفرتناک تغیر پیدا کردیتی ہوا در ارتکاب گناہ قدرتاً انسان کی ماہیت بگاڑ دیتا ہے کسی قاتل کو دیکھو وہ عمل قتل سے پیشتر خواہ کیسا ہی خوبصورت انسان ہو مگر جرم قتل واقع ہونے کے بعد وہی آنکھین جو فتحمندانہ اشارات سے بھری ہوتی ہین خون ناحق کی جھلکیون سے بے رونق ہوکر گڑھے مین گھُس جاتی ہین اور گناہونکا سیاہ پوڈر اُسکے خوشنما چہرے کو بھیانک کردیتا ہے پس شاعر نے یہان وہی جذبات دکھائے ہین جو خونی اور دغا شعار لوگون کے چشم و ابرو کے اشارون مین مخفی ہوتے ہین الغرض اِسکے بعد پہلوان کی جنگ ہوا اور امام علیہ السلام نے اُسکو جہنم واصل کرکے نعرۂ تکبیر بلند کیا ہو جو اسلامی فتحمندی کی نشانی ہے۔

تکبیر کا نعرہ جو کیا آپ نے تن کے ۔۔۔ صاف آئی صدا بیچ سے یہ چرخ کہن کے
اے لخت جگر بادشہ قلعہ شکن کے ۔۔۔ لڑتے ہین یون فوج سے جو شیر ہین رن کے

تو صبر مین ایوب خوش انجام ہے شبیر
اب سجدے مین جھک عصر کا ہنگام ہے شبیر

مسئلہ تسلیم و رضا

سُنکر یہ صدا آپ نے تلوار کو روکا ۔۔۔ تلوار کو کیا برق شرربار کو روکا

گردون کیطرف دیکھ کے رہوار کو روکا   بیچین تھا پر اسپ وفادار کو روکا
فرمایا کہ جینے سے دل اب تنگ ہے گھوڑے
تھم جا کہ بس اب خاتمہ جنگ ہے گھوڑے

یہ بھی ایک سین ہے اور چارون مصرعون مین موشنس بھرے ہوے ہین خصوصاً تیسرا مصرع ایک عالم خاص کی تصویر ہے۔

عاشق کو نہین دوری معشوق گوارا   سر جلد کٹاؤ یہ ہے خالق کا اشارا
مشتاق اجل ہو اسد اللہ کا پیارا   اب خنجر بے آب ہے اور حلق ہمارا
طالب ہون رضامندی رب دوسرا کا
صد شکر کہ وقت آگیا وعدے کی وفا کا

جو شجاع مجاہد جوانان بنی ہاشم کے خون ناحق کا انتقام لے رہا ہو اور انتہائے غیظ و غضب مین اُسکی تلوار سر و تن کا فیصلہ کر رہی ہو کیا وہ اپنے جذبات شجاعت و اشتعال طبع پر غالب آسکتا ہو بالکل منافی عقل ہو مگر امام حسین کا ہر ارادہ وابستہ حکم الٰہی تھا جہاد یا ترک جہاد دونون حالتون مین وہ اپنی نفس پر قدرت رکھتے تھے اگر یہ نہ ہوتا تو روز عاشورہ کی خطرناک جنگ سلسلۂ عالم کو قطع کر دیتی مگر اُنکے ارادے قدرت نے محدود کر دیے اور وہ اُن احکام کے پابند تھے جو قدرت کے دستور العمل مین روز ازل داخل ہو چکے تھے بس اب یہ دیکھنا ہو کہ امام کے خیالات دکھانے مین فاضل شاعر کو کہانتک کامیابی ہوئی ہے اور یہ بات جوہر شناسون کی نظرون سے انشاء اللہ پوشیدہ نہ رہیگی فقط اس مصرعہ کو ایک مرتبہ اور پڑھیے اور اُس عالم کا نظارہ کیجیے۔ (گردون کیطرف دیکھ کے رہوار کو روکا)

بیحال ہین رہوار پہ آقائے خوش اوقات ۔ بند آنکھین ہین خون بہتا ہی کہچاتی نہین بات
سر پیٹتے ہین اہل حرم لٹتے ہین سادات ۔ حامی نہین کوئی کوئی پرسان نہین ہیہات

حالِ سفر آوارہ وطن دیکھ رہی ہے
تلوارون مین بھائی کو بہن دیکھ رہی ہے

یہان فاضل شاعر نے امام مجروح و مظلوم کی تصویر کھینچی ہے درحقیقت میرانیس کی شاعری قلب و جگر کے اُن تارون پر مضراب کا کام کرتی ہی جسمین درد و غم کا سریلا نغمہ بھرا ہوا ہے واقعات اصلی کے بیان کرنے کو میرانیس سے بہتر لفظ کسی کو نہین ملے چھٹے مصرعہ سے کیا حسرت و یاس مترشح ہو کہ عاشق زار بہن اپنے مظلوم بھائی کو اُس حالت مین دیکھ رہی ہو جب کہ چارون طرف فوج شام کی خونخوار تلوارون کا ابر چھایا ہوا ہے۔

اُس حشر مین احمد کی نواسی کا تھا یہ حال ۔ گرتی تھی کبھی اُٹھتی تھی کھولے ہوے بال
چلاتی تھی سر پیٹ کے اے فاطمہ کے لال ۔ ہے ہے تمھین تلوارون مین گھیرے ہین اشقیا

کیا کیا تجھے صدمہ ہے جدائی نہین دیتی
لاش آپ کی زینب کو دکھائی نہین دیتی

چھٹے مصرعہ کی حسرتناک لفظون مین دو پہلو پیدا ہوتے ہین یا یہ کہ کثرت غم و انتشار مزاج سے قوت بینائی زائل ہوگئی یا ایک مظلوم شہید کی لاش پر اِس کثرت سے تلوارین کھنچی ہین کہ لاش کا دکھائی دینا محال ہے میرانیس کی گلزار شاعری کی بوقلمونی ہر رنگ مین اپنی دلفریبی دکھاتی ہو مرثیے کا آغاز و انجام سنجیدہ خیالات سے بھرا ہوا ہی جناب زینب نے خیمے سے نکلکر قرینے سے دریافت

کیا ہے کہ جہاں ہجوم فوج شام اور تلواروں کی کثرت ہے وہیں سید الشہدا زخمی ہو کر گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے ہیں اور یہ خیال اوپر کے اس مصرعہ سے پیدا ہوتا ہے (تلواروں میں بھائی کو بہن دیکھ رہی ہے) یعنی تلواروں کے ہجوم میں بھائی کی لاش کا ہونا قیاس کیا گیا ہے مگر ابتک بھائی کی لاش پر بہن پہونچ نہیں سکی کیونکہ دوسرے بند میں شاعر نے اس کنایہ کی صراحت کر دی ہے (لاش آپ کی زینب کو دکھائی نہیں دیتی)

استغاثۂ معصومہ

میں کسکو پکاروں کہ ترس بیاسے پہ کھاؤ
لی جن سے زمیں مول انھیں لوگوں کو بلاؤ
اے اہل زراعت تمھیں امداد کو آؤ
لٹتی ہوئی کھیتی کو محمد کی بچاؤ
کام آؤ غریبوں کے تو احسان ہے تمھارا
یہ بے وطن اس دشت میں مہمان ہے تمھارا

جناب زینب کے اس استغاثہ سے عجیب حسرت و بیکسی ٹپک رہی ہے اور فاضل شاعر نے جوش محبت میں مضطربانہ کیفیت دکھائی ہے یہ سمجھ کر کہ عالم غربت میں امام حسین کا کوئی شریک حال نہیں اہل زراعت یا اہل قریہ کیطرف خطاب کرنا گویا ایک سخت مجبوری اور شدید مایوسی ثابت کرتا ہے مجبوروں اور مایوسوں کا خیال ایسے اضطراب کے وقت کہاں کہاں منتقل ہوتا ہے شاعر نے یہ بات دکھائی ہے صاحب غیرت امام اپنی بہن کی آواز سنکر بیچین ہو گئے ہیں۔

خاندان امامت کی غیرت

شمر نے جو سُنی زاری زینب تہ خنجر
گھبرا کے صدا دی کہ ادھر آؤ نہ خواہر
کیا قہر ہے تم رن میں چلی آئیں کھلے سر
مشغول ہے اُمت کی دعا میں یہ برادر
مطلوب رضامندی معبود ہے زینب
تنہا نہیں اللہ تو موجود ہے زینب

فاضل شاعر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ قتل کی سختی سے زیادہ امام غیور کو اپنی مضطرب الحال ہمشیر کی بے پردگی کی تکلیف تھی صرف اتنا ہی نہیں کہ حضرت نے پکار کر اس موقع پر جناب زینب کو آنے سے روکا ہے بلکہ ظاہر ہوتا ہے کہ بیچین ہو کر امام غیور نے اُٹھنے کا ارادہ کیا ہے مگر بیرحم قاتل کا منحوس زانو مقدس سینے پر پہونچ چکا تھا۔

کس طرح اُٹھوں سینہ زخمی پہ ہے جلاد
نانا نے مجھے گود میں لیکے کہا ہے آباد
اماں مرے پہلو میں ہیں اے زینب ناشاد
روتے ہیں بڑے بھائی بھی یہ دیکھ کے بیداد
گریاں دختر ہیں خاصۂ قیوم کھڑے ہیں
بابا بھی سرہانے مرے مغموم کھڑے ہیں

امام مظلوم کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب بزرگوار ہنگام قتل میرے پاس ہیں۔ اب تمہارے آنے کی ضرورت نہیں مگر وہ بہن جو بھائی کی عاشق ہو اُسکو تاب کہاں کہ اس بیکسی میں اب بھائی کے سرھانے نہ ہو۔

یہ سُنتے ہی دوڑی طرف لاش وہ مضطر
چلائی کہ ہمشیر بھی آتی ہے برادر

لاشے پہ نہ پوچھی تھی کہ برپا ہوا محشر دیکھا کہ لیے جاتا ہے قاتل سر سرور
سب تیر اُسی طرح سے سینے مین گڑے ہین
اور جلتی زمین پر شہ مظلوم پڑے ہین

ہان پیٹ کے سر روتے ہین جو اہل عزا ہین یان احمد مختار بھی سرگرم بُکا ہین
مقتل مین کھلے سر حرم شیر خدا ہین خاک اُڑتی ہی جنبان طبق ارض و سما ہین
سر کٹ چکا لخت دل زہرا و علی کا
اب لٹتا ہے ملبوس حسین ابن علی کا

عمامۂ حضرت لیے جاتا ہو کوئی آہ بھاگا ہو کوئی لیکے عبائے شہ ذیجاہ
ہاتھون سے قبا کھینچ رہا ہو کوئی گمراہ عریان ہے زمین پر تن فرزند ید اللہ
اب لشکر کین فوج کو پامال کریگا
بعد اسکے ستم ہاتھون پہ جنجال کریگا

مصنف مرثیہ کی علت غائی پر نظر کرنا چاہیے میر انیس مرثیہ کے ارکان پر پورا لحاظ رکھتے ہین ابتدا سے انتہا تک ایک زور دار طبیعت کا جوش کم ہونے نہین پاتا اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرثیہ ایک ہی فکر مین ایک ہی وقت مین تمام کر دیا ہے۔ یہان شہادت امام حسین لکھنے مین واقعات حدیث کی پابندی پورے طور پر کی گئی ہے اُن مضامین کو اس نظم مین بالکل داخل نہین کیا جو ذاکرون نے فی الحال اعانت گریہ و بکا کے لیے اختراع کیے ہین جن پر احادیث وضعی کا اعتراض کیا جاتا ہے۔

حق تو یہ ہو کہ میر انیس کے کلام پر نقادی کچھ آسان کام نہین ہو فلسفہ اور

سائنس کے مہتم بالشان مسائل کو حل کرنے کے لیے اکتسابی قابلیت کی ضرورت ہو اور انیس کے پر اسرار مضامین سمجھنے کو قدرتی مذاق درکار ہے نہ یہ گریجویٹ کا کام ہے نہ علما کا حصہ ہو جبوقت تک وہاں سے مذاق سلیم و قوت امتیاز یہ عنایت نہو جہان سے میر انیس کو یہ نعمت عنایت ہوئی تھی ؎

ہے سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا

برسوں پڑھے تو یاد نہ ہووے سبق مرا

آخر مین میرا یہ ارادہ تھا کہ فردوسی و نظامی وغیرہ کے کلام سے میر انیس کے کلام موازنہ کر کے پبلک مین پیش کروں مگر جناب اشہری نے اپنی کتاب مین اس کمی کو پورا کر دیا ہے۔ اسلیے لکھی ہوئی باتوں کا مکرر لکھنا غیر ضروری ہے۔

